خدا کی مصیبت

میں نے اسلام کیوں چھوڑا

مصنف: حارث سلطان

فہرست

تعارف	**6-14**
باب نمبر۱: سوچنے کا فن	**15-21**
ذہن کا بدلنا	19-21
باب نمبر۲: مذہب کی ضرورت	**22-41**
افسردگی	36-41
باب نمبر۳: مذہب کا سازوسامان	**42-54**
باب نمبر۴: خدا کا مفروضہ	**55-74**
خدا کا کردار	56
غصیل	58
زن بیزار	59
منتقم	69
نسل کشی کرنے والا	71-73
بُرا	73-74
خدا کے ساتھ چند اور مسائل	74

باب نمبر۵: محمد کا کردار------------------------------------۱۵۷

متشدد---۱۵۷-۱۶۳

عورت باز---۱۶۳-۱۶۴

چوبیس عورتیں---۱۶۴-۱۸۸

ظالم---۱۸۸-۱۸۹

فرقے کا رہنما---------------------------------------۱۸۹-۱۹۲

محمد کی موت--۱۹۲-۱۹۴

باب نمبر۶: اَخلاقیات------------------------------------۱۹۵-۲۱۲

باب نمبر۸: قرآن مجید---۲۱۳

کیا قرآن واقعی خدا کے الفاظ پر مبنی کتاب ہے؟------------------۲۱۴-۲۲۱

صحائف میں سائنسی غلطیاں------------------------------۲۲۲-۲۲۳

بِگ بینگ---۲۲۳-۲۲۹

جنینیات کا علم--۲۲۹-۲۳۵

زاویہ اول--۲۳۵-۲۳۶

زاویہ دوئم---۲۳۶-۲۴۴

میٹھے اور نمکین پانی سے متعلق غلطی----------------------۲۴۴-۲۴۶

فرعون کی لاش۔۔۲۴۶-۲۵۲

پہاڑوں سے متعلق معلومات۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۲۵۲-۲۵۹

سمندروں کا اندھیرا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۲۵۹-۲۶۰

دماغ کا بالائی حصہ اور قرآن۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۲۶۰-۲۶۵

بارش اور ژالہ باری۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۲۶۵-۲۶۷

چپٹی زمین۔۔۲۶۷-۲۷۲

ارضِ مرکزی نمونہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۲۷۲-۲۷۹

سورج اور چاند میں مشابہت ہونا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۲۷۹-۲۸۲

چاند کے ٹکڑے کرنا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۲۸۲-۲۸۳

اڑنے والا گھوڑا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۲۸۳-۲۸۶

یونس اور وہیل مچھلی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۲۸۷-۲۸۸

آسمان بحیثیت ایک مادی شے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۲۸۸-۲۸۹

خیالات دل میں پیدا ہوتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۲۸۹-۲۹۰

دودھ کی پاکیزگی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۲۹۱-۲۹۲

جانوروں کا مقصد۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۲۹۲-۲۹۳

صداقت۔۔۔۲۹۳-۲۹۸

غلط آیات۔۔۔۲۹۸-۲۹۹

گم شدہ آیات ---------------------------------۲۹۹-۳۰۲

قرآن میں ترمیم -------------------------------۳۰۲-۳۰۳

تشدد ---------------------------------------۳۰۴

مکی آیات -----------------------------------۳۰۵-۳۰۷

مدنی آیات ----------------------------------۳۰۸-۳۲۳

باب نمبر ۸: اسلاموفوبیا (اسلام سے خوف)-------------------------------۳۲۴-۳۴۳

باب نمبر ۹: کسی مسلمان عذر خواہ سے کیسے بحث کرنی چاہئیے----------------------۳۴۴

۱۔ توجیہ سے خالی دعوے ---------------------------۳۴۴-۳۴۵

۲۔ تھوڑی توجیہ والے دعوے -------------------------۳۴۶

لا علم، غلط فہمی کا شکار ثابت کرنے یا بھاگ جانے والی تکنیک----------۳۴۷-۳۵۵

نا قابلِ تصدیق دعوے ---------------------------۳۴۶-۳۵۷

خدا کے پُراسرار ہونے، صرف خدا کو علم ہونے اور منطق استعمال نہ کر پانے والی تکنیک-۳۵۷-۳۵۹

گول منطق -----------------------------------۳۵۹-۳۶۱

اس بارے میں کیا خیال ہے والی تکنیک-----------------------------۳۶۲

ذاتی عقائد مقدس ہوتے ہیں --------------------------۳۶۲-۳۶۴

عام بہانے -----------------------------------۳۶۵

حرفِ آخر-----------------------------------۳۶۶-۳۶۹

تعارف

میں مذہب کے خلاف نہیں ہوں۔ میں زن بیزاری کے خلاف ہوں، غلامی کے خلاف ہوں، جنسی تعصب کے خلاف ہوں، تشدد کے خلاف ہوں، جہالت کے خلاف ہوں، بچوں کے ساتھ زیادتی کے خلاف ہوں، جبر اور جنگوں کے خلاف ہوں۔ مذہب میرے مخالف ہے!

غالباً میری اس کتاب کے شائع ہونے کے بعد میری زندگی پر ایرانی حکومت، پاکستانی طالبان یا آسٹریلیا کے کسی آئی ایس آئی ایس کارگزار کی جانب سے فتوے لگ جائیں گے۔ حِزب التحریر کی شدت پسندی آسٹریلیا میں ہمیشہ سے موجود ہے لیکن یہ مجھے اور مجھ جیسے لوگوں کو بظاہر پُرامن اور غیر مضر نظر آنے والے مذاہب جیسے کہ اسلام کا پردہ فاش کرنے سے روک نہیں سکتے۔ اس کتاب کا مقصد کسی خاص مذہب سے وابستہ انسانوں کو متنفر کرنا نہیں ہے بلکہ صرف آپکو مذاہب کو سمجھنے کی تعلیم اور شعور فراہم کرنا ہے اور یہ سکھانا ہے کہ مذہب کے بارے میں کیسے سوچنا چاہیئے۔ یہ سیکھنا کہ "سوچنا کیسے چاہیئے" بجائے اس کے کہ "کیا سوچنا چاہیئے" مذہبی حمایتیوں کو بھی برا نہیں لگے گا۔ وہ اس بات سے بظاہر اختلاف نہیں رکھتے، لیکن ہزاروں سال پرانے لکھے ہوئے صحیفوں کی اندھی تقلید کرنے پر لوگوں کی حوصلہ افزائی ضرور کرتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ ہمیں ہزاروں سال پرانے مفکرین اور فلسفہ دانوں کی کہی ہوئی باتیں نہیں ماننی چاہیئں، لیکن ہمیں ہمیشہ نئی معلومات کے لئے اپنا ذہن کشادہ رکھنا چاہیئے اور اس قابل ہونا چاہیئے کہ ہم ہر قسم کی تعلیمات پر سوال اٹھا سکیں۔ چاہے وہ کسی بھی زمانے میں لکھی گئی ہوں یا کتنے بھی عظیم انسان نے لکھی ہو۔

یہ کتاب کسی مخصوص خدا کی عدم موجودگی بتانے کے لئے نہیں لکھی گئی بلکہ تمام خدا بشمول زیوس، یہوے، ویشنو اور اللہ سب کی عدم موجودگی ظاہر کرنے کے لئے لکھی گئی ہے۔ حالانکہ زیادہ تر حوالے اس کتاب میں اللہ سے منسوب ہیں، لیکن پھر بھی میرا ارادہ صرف اللہ کی مذمت کرنا نہیں ہے۔ اللہ اور اسلام کا ذکر تمام خداؤں اور مذاہب میں سب سے پہلے صرف اس لئے ہے کیونکہ یہ وہ مذہب اور خدا ہے جس سے میں واقف ہوں۔

حالانکہ میں نے مذہب کی معقولیت پر سوال نو سے دس سال کی عمر میں اٹھانا شروع کر دیا تھے مگر اس کی مذمت میں نے مذاہب کے روایتی دلائل کے خلاف متبادل خیالات اور جوابی دلائل کا مطالعہ کرنے کے بعد شروع کی۔ یہ کہنا غلط ہو گا کہ صرف ایک کتاب نے میرا ذہن بدلا لیکن میں "رچرڈ ڈاکنس" کا نام لینا یہاں ضروری سمجھتا ہوں جن سے متاثر ہو کر میں نے مذہب کے بارے میں عمومیت سے ہٹ کر سوچنا شروع کیا۔ مذہب کی جادوئی دنیا سے باہر نکل کر اس حیرت انگیز سائنسی دنیا میں آنے کا سفر بہت لمبا اور دردناک تھا۔ یہ سفر مشکل تھا لیکن میں بہت خوش ہوں کہ میں نے آزادانہ طریقے سے سوچا اور یہ سفر طے کیا، بجائے اس کے کہ میں ساری زندگی ویسے سوچتا رہتا جیسا مجھے کہا گیا تھا۔ میں بیحد شکر گزار ہوں اُن ہزاروں عُلماء کا جنہوں نے دل وجان سے اَن تھک محنت کی اور اپنی زندگیاں لوگوں کو یہ بتانے میں صَرف کی کہ مذہب کا متبادل ہے۔ سائنس مذہب کا متبادل ہے، جو ان تمام سوالات کے جوابات دیتی ہے جنہیں مذہب پُراسرار بنا دیتا ہے اور ہمیں ان کی قدرتی دنیا یا قدرتی عمل تک پہنچنے اور ان کے بارے میں سوچنے سے روکتا ہے۔ سائنس جواب دیتی ہے کہ دنیا کیسے وجود میں آئی یا ہمارے سیارے پر زندگی کا ارتقاء کیسے ہوا۔ مذہب ہمیں بتاتا ہے کہ سب کچھ

خدا نے تخلیق کیا ہے، لیکن یہ نہیں بتاتا کہ "کیسے" کیا ہے۔ یہ دعوہ ایک مزید بڑا سوال پیدا کرتا ہے کہ "خدا کو کس نے بنایا؟" مذہب کے پاس اس بات کا کوئی قابل یقین جواب نہیں ہے۔ کم از کم کوئی ایسا جواب جس سے مزید سوالات جنم نہ لیں۔

اس کتاب کا مقصد اُن اعتدال پسند مذہبی لوگوں تک رسائی حاصل کرنا ہے خاص طور پر اُن مسلمانوں تک جو گانے سنتے ہیں یا اس بات پر حیران ہوتے ہیں کہ شادی سے پہلے پیار کرنے میں کیا برائی ہے۔ وہ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ زانی لوگوں کو سنگسار نہیں کرنا چاہیئے یا چوروں کے ہاتھ نہیں کاٹنے چاہیئے۔ کچھ مغربی لوگ یہاں یہ سوچ رہے ہوں گے کہ میری یہ کتاب زیادہ عوام نہیں پڑھے گی۔ کیونکہ زیادہ تر مسلمان اس طرح نہیں سوچتے، لیکن میں آپکو یہ یقین دہانی کرواتا چلوں کہ پوری دنیا میں یا کم از کم پاکستان میں طالبان اور حزب اللہ جیسے شدت پسند مذہبی مسلمان کم ہیں اور اعتدال پسند مسلمان زیادہ ہیں۔ چونکہ میری پیدائش اور پرورش پاکستان میں ہوئی ہے اس لئے میرے زیادہ تر نظریات پاکستانی مسلمان اور پاکستانی اسلام سے منسوب ہیں۔ لیکن میں ایک دفعہ پھر آپکو یاد کرواتا چلوں کہ یہ کتاب صرف مسلمان یا پاکستانی مسلمانوں کے لئے نہیں ہے۔ یہ اُن سب لوگوں کے لئے ہے جو یہ جاننا چاہتے ہیں کہ کیا خدا اور فرشتوں کی کہانیاں جھوٹی ہیں؟ یہ اُن سب مسلمانوں کے لئے ہے جو دنیا دریافت کرنا چاہتے ہیں، گانے گاتے ہیں، موسیقی سنتے ہیں، وہ جو ہم جنس ہیں، جو فلموں سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور جانوروں یا انسانوں کی تصاویر کی تعریف کرتے ہیں، ان کے لئے جو خواتین کے ساتھ برابری کا سلوک کرنا چاہتے ہیں اور ان کے لئے جو جانوروں کو بے رحمی سے ذبح نہیں کرنا چاہتے۔ آپکو یہ بات جان کر حیرانی ہو گی کہ یہ تمام کام اسلام کے بہت سارے فرقوں میں ممنوع ہیں۔

ہمارے پاس ایسے ہزاروں مسلمان موسیقار، اداکار اور فعالیت پسند لوگ موجود ہیں جو شریعہ جیسے غیر انسانی نظاموں کے خلاف کھڑے ہوتے ہیں اور جو خواتین اور جانوروں کے حقوق کی وکالت کرتے ہیں۔ مجھے اُن لاکھوں لوگوں کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے جو در حقیقت ان موسیقار، فن کار اور فعالیت پسند لوگوں کی حمایت کرتے ہیں اور ان کے سچے پرستار ہیں۔ اس میں کچھ عظیم مفکرین اور سائنسدان بھی شامل ہیں۔ جیسے کہ طبعیات میں نوبل پرائز جیتنے والے واحد مسلمان پروفیسر عبد السلام، پاکستان کے مشہور کرکٹر اور موجودہ وزیر اعظم عمران خان، ملائیشیا کے مہاتھیر محمد اور پرویز مشرف وغیرہ۔ ان تمام لوگوں نے صرف اللہ کی تعظیم و تکریم کرنے کے بجائے انسانیت کے لئے بھی عظیم کام سرانجام دیے اور اُن میں کامیابی حاصل کی جو کہ قابلِ تعریف ہے۔ میں اس کے لئے ان کی بہت عزت کرتا ہوں لیکن ان کی کوششوں کا سہرا صرف ان ہی کو جاتا ہے۔ میرے اور ان کے کچھ خیالات میں اتفاق کے باوجود میں جانتا ہوں کہ یہ اسلام کے بارے میں اپنا اندازِ فکر نہیں بدلیں گے۔

یہ کتاب اُن مسلمانوں کے لئے لکھی گئی ہے جو نادانستہ طور پر اُن اقدار سے اختلاف رکھتے ہیں جو اسلام کی بنیاد ہیں۔ ان درمیانے مسلمانوں کو میرا پیغام یہ ہے کہ یا تو وہ تمام تر اسلام کی مذمت کریں (کیونکہ آپ اس کی کچھ اقدار سے اختلاف رکھتے ہیں) یا پھر طالبان یا آئی ایس آئی ایس جیسے بن جائیں کیونکہ وہ محمد کے اسلام کے سچے مُقلدین ہیں۔ یہ بات آپکو تلخ لگی ہو گی لیکن سچا اسلام در حقیقت طالبان اور آئی ایس آئی ایس والوں کا اسلام ہی ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ اگر خدا واقعی ہوتا تو اس دوغلی زندگی گزارنے پر اور اسلام کی کچھ باتیں ماننے اور باقی نظر انداز کر دینے پر آپ سے ناخوش ہوتا۔

آخر میں یہ کتاب اُن خواتین کے لئے لکھی گئی ہے جو اس مذہب کے ہاتھوں زیادتی کا شکار ہو رہی ہیں۔ آپ ایک مرد حکمران مذہب میں عورت کے غم اور بے بسی کی کیفیت کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ کسی بھی صحیح العقل انسان کو معلوم ہوتا ہے کہ خواتین ہمارے معاشرے کے حال اور مستقبل دونوں کا کتنا اہم حصہ ہوتی ہیں۔ اس کے باوجود ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا جاتا ہے جیسے ان کا واحد مقصد بچے پیدا کرنا اور مردوں کی خدمت کرنا ہے۔ میں اُن خواتین تک رسائی چاہتا ہوں جو اپنے شوہر، والد، یا بھائیوں کے ہاتھوں زیادتی کا شکار ہوتی ہیں۔ میں اُن کی حوصلہ افزائی کرنا چاہتا ہوں اور اُنہیں بااختیار بنانا چاہتا ہوں تا کہ وہ اپنے بچوں کی اس طرح پرورش کریں کہ وہ بچے جو بڑے ہو کر اُن کے باپ، بھائیوں یا شوہر جیسے نا نکلیں۔

یہ کتاب کیوں لکھی گئی؟

مجھ جیسے لوگ مذہب پر تنقید اس لئے نہیں کرتے کہ یہ جھوٹ ہے بلکہ اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ایک خطرناک جھوٹ ہے۔ ہمیں ان فرضی داستانوں کو تباہ کرنے میں مزہ نہیں آتا جو دنیا کی آبادی کے ایک بڑے حصے کو بیحد عزیز ہیں بلکہ ہم ایسا اُن خطرات اور نقصانات کی وجہ سے کرتے ہیں جن کا سامنا ان فرضی داستانوں کی وجہ سے دنیا کی دوسری بڑی انسانی تہذیب کو کرنا پڑتا ہے۔

مجھے اس کتاب کو لکھنے کے لئے سب سے زیادہ حوصلہ افزائی مسلمان برادری میں مُلحدین کی بڑھتی ہوئی تعداد سے ملی۔ حالانکہ میں دس سال سے زیادہ عرصے سے مُلحد ہوں لیکن مسلمان ممالک میں اِلحاد پرستی کے بڑھنے پر مجھے شک تھا۔ مجھے ہمیشہ سے یقین تھا کہ پاکستان میں ملحد موجود ہیں مگر ان کی تعداد کا اندازہ نہیں تھا۔ مزید جاننے کے لئے اور ان سابقہ مسلمان ملحدین سے تعامل کے لئے میں نے ایک فیس بک پیج شروع کیا۔ کچھ ہفتوں کے اندر مجھے پاکستان اور ہندوستان میں موجود ہندو اور مسلمان ملحدین کی جانب سے ہزاروں لائکس ملنا شروع ہو گئیں۔ مجھ سے ہزاروں مشتعل مسلمانوں نے رابطہ کیا جو میری موت چاہتے تھے لیکن مجھ سے ہزاروں سابقہ مسلمانوں نے بھی رابطہ کیا جو پاکستان میں ایک خوفزدہ زندگی گزار رہے ہیں۔ یہ جاننے کے بعد میں کیسے خاموش رہ سکتا ہوں کہ اُس ملک میں جس کو ایک وقت میں میں اپنا گھر کہتا تھا وہاں ہزاروں لوگوں کے ساتھ اپنے بنیادی حقوق کے حصول کے لئے ظلم وستم ہو رہا ہے اور امتیازی سلوک کیا جا رہا ہے۔

آپ سب نے سنا ہوا ہو گا کہ اسلام دنیا کا سب سے زیادہ تیزی سے بڑھتا ہوا مذہب ہے لیکن اس کی وجہ بالغ لوگوں کی مذہب تبدیل کر کے اس میں شمولیت نہیں بلکہ اعلی افزائش نسل کی بڑھتی ہوئی شرح ہے۔ اس بات کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے کہ اسلام میں داخل ہونے والے لوگوں کی تعداد اسلام چھوڑنے والوں کی تعداد سے زیادہ ہے۔

چلیں آئیں مسلمان ممالک میں ملحدین کی بڑھتی ہوئی تعداد پر نظر ڈالتے ہیں:

ملک	فرق		کل تعداد (لاکھوں میں)
پاکستان	۲۰۰۱ میں +۱٪	۲۰۱۵ میں +۲٪	۴۰ لاکھ
ترکی	۲۰۱۳ میں +۶٪	۲۰۱۵ میں +۹۰۴٪	۴۸ لاکھ
ملائیشیا	کوئی نہیں	۲۰۱۲ میں +۶٪	۱۸ لاکھ
سعودی عرب	کوئی نہیں	۲۰۱۲ میں +۵٪	۱۶ لاکھ
	ملحدین کی کل تعداد		۱ کروڑ ۲۹ لاکھ

مجھے لگتا ہے کہ یہ تعداد گیلپ کی بتائی ہوئی ۲۰۱۲ کی اس فہرست سے بھی کئی زیادہ ہو گی کیونکہ مسلمانوں کی دنیا میں الحاد پرستی ایک انتہائی ممنوعہ چیز ہے جس کے نتائج نہایت ہی سنجیدہ ہوتے ہیں۔ مندرجہ بالا ٹیبل میں بتائے گئے مسلمان ممالک کے علاوہ دنیا میں اور بھی بے شمار مسلمان ممالک موجود ہیں تو آپ آرام سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان بنیادی طور پر مسلمان ممالک میں ملحدین کی تعداد ایک کروڑ انتیس لاکھ سے کئی گنا زیادہ ہو گی۔

یہ بہت ضروری ہے کہ میرے جیسے لوگ مذہب کے اس وحشیانہ نظام کے خلاف آواز اٹھائیں۔ ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر ہم آپکی جادوئی کہانی میں یقین نہیں رکھتے تو ہمیں اس بات کے لئے مارنا بند کریں۔ یہ گزارش بھی ان مذہبی ٹھیکیداروں کو اتنی ناگوار لگتی ہے کہ یہ اس بات پر بھی موت کے فتوے لگا دیتے ہیں۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ مناہی کو ختم کرنے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ ان کے بارے میں کھل کر بات کی جائے۔ اس لئے میں نے یہ کتاب لکھی ہے اور میرے جیسے کئی مصنفین نے ایسی کئی کتابیں لکھی ہیں۔

ہمیں ان برے خیالات رکھنے والے لوگوں کی تضحیک اور ان پر تنقید کرتے رہنا چاہیئے۔ دس سال کی تضحیک کے نتیجے میں آج سعودی عرب نے خواتین کو گاڑی چلانے کی اجازت دے دی ہے۔ ۲۰۱۳ سے لیکر اب تک بنگلادیش میں اسلام پسند لوگوں کے ہاتھوں اڑتالیس غیر مذہبی اور ملحد بلاگر مارے جا چکے ہیں صرف اس لئے کیونکہ ان کا لکھا ہوا مواد مذہبی گروہوں کو توہین آمیز لگا۔ ہمیں مُرتدین کو مارنے کے لئے اسلامی نظام پر تنقید کرتے رہنا چاہیئے تا کہ یہ لوگ ان کو مارنا بند کریں۔ بدقسمتی سے شاید ہم میں سے کوئی خود بھی اس کوشش میں مارا جائے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہمیں اس چیز کے لئے لڑنا بند کر دینا چاہیئے۔

۲۰۱۸ میں یہ خبر پوری دنیا میں پھیل گئی تھی کہ پاکستان میں مَشال خان نامی لڑکے کو ایک مذہبی ہجوم نے میں مار پیٹ کر کے قتل کر دیا کیونکہ وہ فیس بُک پر توہین آمیز چیزیں لگاتا تھا۔ ایک اور شخص ایاز نظامی جو ۲۰۱۷ کے شروعات میں فیس بک پر بلاگ لکھتا تھا اُسے جنوری ۱۷، ۲۰۱۸ کو گرفتار کر لیا گیا اور آج ہم نہیں جانتے کہ وہ کہاں ہے اور اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ اُس کے اوپر بھی گستاخی کرنے کا الزام ہے اور اگر ثابت ہو گیا تو اس کی سزا موت ہے۔ ان واقعات کی وجہ سے ایسے ممالک میں رہنے والے ملحدین ایک مسلسل خوفزدہ زندگی گزارتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ باہر آنے سے گریزاں ہیں۔ میرے فیس بُک پیج پر ایسے زیادہ تر ملحدین نے حُکام کے ہاتھوں نشانہ نا بننے کے لئے اپنی جھوٹی پروفائلز بنائی ہوئی ہیں۔ یہ سب ختم ہونا چاہیئے اور اس کتاب کو لکھنا اس مقصد کے حصول کے لئے ایک چھوٹا سا عمل ہے۔

میں نے اسلام کیوں چھوڑا؟

مجھ سے اکثر لوگ پوچھتے ہیں کہ تم نے اسلام کیوں چھوڑا؟ وہ کونسا لمحہ تھا جب میں نے سوچا کہ اسلام سچ نہیں ہے؟ اس بات کا جواب اتنا سادہ نہیں ہے کیونکہ کوئی ایک خاص لمحہ نہیں تھا جب میرا ایمان تمام خداؤں سے اٹھ گیا۔

میں لاہور پاکستان میں ایک مسلمان گھرانے میں پیدا ہوا۔ میرا خاندان ابھی بھی مسلمان ہے لیکن میں تھوڑا مختلف تھا۔ میرے ذہن میں کچھ سوالات تھے۔ سوالات جو میں نے دوسرے ہم عمر بچوں سے پوچھے ناتو اُن کے پاس اُن کے کوئی جواب تھے نا ہی اُنہیں اُس میں کوئی دلچسپی تھی۔ مجھے یاد ہے میں نے تقریباً نو یا دس سال کی عمر میں اپنی ماں سے پوچھا تھا کہ "سب کچھ کس نے بنایا ہے؟" ماں نے کہا "اللہ نے" پھر میں نے پوچھا کہ "اللہ کو کس نے بنایا ہے؟" اُن کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔

میری والدہ میری بے دینی کے باوجود مجھ سے پیار کرتی ہیں اور وہ یہ نہیں چاہتیں تھیں کہ میں یہ کتاب لکھوں۔ وہ کہتی ہیں "کوئی تمہیں مار دے گا" لیکن میرے لئے یہ وجہ کافی نہیں ہے۔

میں پھر بھی ایک مسلمان بچے کی طرح بڑا ہوا۔ جمعہ کی نماز پڑھنے مسجد گیا، عربی میں قرآن پڑھا لیکن پھر بھی بہت سارے سوالات کے منطقی جواب موجود نہیں تھے۔ نوے کی دہائی میں پاکستان میں بڑا ہونا آج سے بہت مختلف تھا۔ انٹرنیٹ اپنے ابتدائی وارتقائی مراحل سے گزر رہا تھا اور سوالوں کے جواب آسانی سے مُیسر نہیں ہوتے تھے لیکن آخر کار وہ وقت آ گیا جب مجھے یہ جملہ کہ "ہر چیز خدا نے بنائی ہے" غیر منطقی لگنے لگا اور یہ لگنے لگا کہ یہ دعوہ مزید چھان بین کا حق رکھتا ہے۔

کسی بھی مذہب کو سمجھنے کے لئے تین سوالات بہت معنی خیز ہیں:

۱. کیا اس مذہب کے خدا کا کوئی ثبوت ہے؟

۲. کیا اس مذہب کی اَخلاقیات درست ہے؟

۳. کیا اس مذہب کی سائنس درست ہے؟

میں اپنے سوالوں کو ان سوالات کی نظر سے جانچنے لگا۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان سوالوں کے جواب آسانی سے مل گئے لیکن "گاڈ ڈیلوژن" جیسی کتابوں نے بہت مدد کی۔

یہ تینوں سوال مجھے مذہب سے دور لے گئے لیکن دوسرے خداؤں کا کیا؟ جیسے ہندوؤں کے خدا، عیسائیوں کا خدا، یہودیوں کا خدا، رومیوں کا خدا، یونانیوں کے خدا اور ہزاروں ایسے خدا جن کو کروڑوں انسان پوجتے ہوئے مر گئے۔ آخر کار ہر کوئی یہی کہتا ہے کہ میرا خدا اصل ہے اور وہ تینوں سوالوں پر پورا اترتا ہے۔ میں ہر مذہب کو اتنی

تفصیل سے نہیں پڑھ سکتا تھا جتنی تفصیل سے اسلام کو پڑھ سکتا تھا۔ اس لئے میں نے ان خداؤں کے کردار کو پڑھا اور اپنا ذہن بنایا۔ کیونکہ تقریباًیہ تمام خدا اسلامی یا ابراہیمی خدا سے مشابہت رکھتے ہیں۔ تمام مذاہب سے میری مایوسی کا خلاصہ ان خیالات سے لگایا جا سکتا ہے:

ا۔ کروڑوں کہکشاؤں اور کھربوں ستارے بنانے والی ہستی کو ادنہ سے انسان کی زندگی میں اتنی دلچسپی کیوں ہے؟ یہ بڑے آرام سے غصے میں آجاتا ہے اگر دو ہم جنس لوگ ایک دوسرے کے ساتھ سوتے ہیں یا اگر مرد اور عورت شادی کے بغیر سوتے ہیں۔ اگر یہ ادنہ سا انسان ہر وقت اس کی عبادت نا کرے تو وہ اتنا غصے میں آجاتا ہے کہ اپنی ہی بنائی ہوئی تخلیق کو ہمیشہ کے لئے اذیت دینے پر رضامند ہو جاتا ہے۔ آخر یہ خدا اپنے ہر وقت گُن گنوانے پر اتنا بضد کیوں ہے؟ وہ ہستی جس نے عربوں کھربوں ستارے بنائے ہیں اُس کی اَنا ایک بچے جیسی ہے۔ جیسے ایک بچہ اپنی مرضی نا چلنے پر رو رو کر آسمان سر پہ اٹھالیتا ہے۔ اُسی طرح یہ خدا کہتا ہے کہ "میری عبادت کرو ورنہ میں ہمیشہ کے لئے تمہیں جہنم میں جلاؤں گا!"

۲۔ یہ خدا جو اپنی پرستش پر اتنا بضد ہے اپنے وجود کا کوئی ثبوت کیوں نہیں دیتا؟ وہ اپنے آپکو اس وقت وائٹ ہاوس کے سامنے ظاہر کر سکتا ہے اور کہہ سکتا ہے کہ "یہ میرا نام ہے اور یہ میرا حکم ہے۔" ساری جنگیں ختم! ہزاروں سال کا مسئلہ ختم! لیکن نہیں وہ اپنے آپکو برقعہ دار عورت کی طرح چُھپا کہ رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ میری عبادت کرو اور جو لوگ ثبوت کی عدم موجودگی کی وجہ سے اسے نہیں مانتے ان پر یہ غصہ ہو جاتا ہے۔ کروڑوں ستاروں کو بنانے والی ہستی کا یہ کیسا بچپنا ہے؟ یہ تو ویسی ہی بات ہو گئی کہ میری بات مانو ورنہ میں تمہاری بڑی پٹائی کروں گا۔ مسلمان اور باقی مذاہب کے لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے خدا نے اپنے وجود کا ثبوت ہزاروں سال پہلے اپنی ان کتابوں میں دے دیا ہے۔ جس سے ایک اور سوال جنم لیتا ہے کہ ان کروڑوں کہکشاؤں کے بنانے والے نے اپنا پیغام عرب کے اس چھوٹے سے حصے میں ہی کیوں بھیجا؟ اس سے پہلے کہ آپ یہ کہیں کہ خدا نے ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی اور بھی بھیجیں ہیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ ایک تو یہ قرآن میں کہیں نہیں لکھا ہوا، دوسرا یہ ایک چھوٹی سی غیر مصدقہ حدیث ہے اور تیسرا دنیا کی کسی بھی اور ثقافت میں "خدا یا اللہ" کا ذکر نہیں ہے۔ تو ان لوگوں کا کیا قصور ہے جو عرب کے اس چھوٹے سے حصے سے باہر پیدا ہوئے مثلاً آسٹریلیا اور امریکہ؟ ان بیچاروں کو محمد اور عیسیٰ کا پتا بھی نہیں تھا۔ جب تک سفید فام آباد کار ان جزیروں پر نہیں آئے تب تک یہ بیچارے اپنے خداؤں کی پوجا کرتے رہے۔ وہ لاکھوں انسان جن کو محمد اور عیسیٰ کا پتا بھی نہیں تھا وہ سب جہنم کی آگ میں جلیں گے کیونکہ ان کا قصور صرف یہ ہے کہ وہ ایک غلط جگہ پیدا ہوئے اور خدا اُن تک اپنا پیغام لانے میں ناکام رہا؟

۳۔ مسلمان بڑے شوق سے کہتے ہیں کہ عیسائیوں اور یہودیوں نے خدا کے پیغام کو خراب کر دیا ہے۔ تو یہ خدا جو دلوں کے راز کو جاننے کا دعوہ کرتا ہے کیا اُسے نہیں پتا تھا کہ عیسائی اور یہودی اس کے پیغام کو خراب کر دیں گے؟ اگر اُسے پتا تھا تو ان کروڑوں عیسائیوں اور یہودیوں کا کیا قصور ہے جو خدا کے اس پیغام کے خراب ہونے کہ بعد میں پیدا ہوئے؟ وہ سارے لاکھوں کروڑوں عیسائی اور یہودی جہنم کی آگ میں جلیں گے صرف اس لئے کہ وہ اپنے انتخاب کے خلاف ایک غیر مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے یہ کہاں کا انصاف ہے؟

مسلمان بڑے شوق سے کہتے ہیں کہ قرآن خدا کا غیر آلودہ لفظ ہے۔ یہ بھی ایک غیر منطقی دعوہ ہے کیونکہ اسلام کے ہر فرقہ نے قرآن کی اپنی ہی تشریح کی ہوئی ہے۔ سُنی کہتے ہیں کہ ہماری تشریح درست ہے جبکہ شیعہ کہتے ہیں کہ ان کا اسلام درست ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن میں کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ اس کی آیتوں کو بڑے آرام سے توڑ مروڑ کر اپنا ہی مطلب اخذ کیا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں سینکڑوں فرقے ہیں اور ہر فرقہ نے آیتوں کو توڑ مروڑ کر اپنا ہی مطلب اخذ کیا ہوا ہے اور ہر فرقہ کا کہنا ہے کہ اس کا اسلام درست ہے۔ جیسے کہ آجکل بگ بینگ کو ثابت کرنے کے لئے مسلمان بڑی لاپرواہی سے اس آیت کا حوالہ دیتے ہیں:

"کیا کافروں نے نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین دونوں ملے ہوئے تھے تو ہم نے جدا جدا کر دیا اور تمام جاندار چیزیں ہم نے پانی سے بنائیں پھر یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے؟" ~ قرآن: ۲۱:۳۰

میں اس آیت میں موجود غلطیوں کو آگے ایک باب میں بیان کروں گا لیکن یہاں ایک فلسفیانہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ آیات سائنسی اعتبار سے درست ہیں تو بگ بینگ کا نظریہ کسی مسلمان نے پیش کیوں نہیں کیا؟ یعنی ایک دفعہ پھر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یا یہ آیات صحیح طریقے سے لکھی نہیں گئیں اس لئے انکی غلط تشریح کی گئی ہے یا پھر قرآن میں بگ بینگ کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے۔ میں دوسری والی بات سے زیادہ متفق ہوں۔

۴۔ اب دعا کی بات کرتے ہیں! ہر مذہب کے ماننے والے کا خیال ہے کہ اس کا ہی خدا درست ہے اور اس کے پاس خدا سے براہ راست مواصلات قائم کرنے کا طریقہ موجود ہے۔ اگر کچھ مل جاتا ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ دعا کی وجہ سے وہ کامیاب ہوئے ہیں اور اگر کچھ نہیں ملتا تو کہتے ہیں کہ شاید خدا کی مرضی نہیں تھی۔ ایک ارب پانچ کروڑ مسلمان اللہ سے روز کسی حد تک دعا مانگتے ہیں لیکن ان باقی کے پانچ کروڑ پانچ ارب غیر مسلمانوں کا کیا؟ وہ تو کسی غلط خدا سے دعا مانگ رہے ہیں نہ تو پھر وہ کیسے ایک مکمل خوشگوار زندگی گزارتے ہیں؟ وہ بھی یہ سمجھتے ہیں کہ وہ درست خدا سے دعا مانگ رہے ہیں۔ وہ بھی یہی سمجھتے ہیں کہ کبھی اُن کی دعائیں قبول ہوتی ہیں اور کبھی نہیں ہوتیں۔ ظاہر ہے کہ اس یقین کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔ چلیں ایک تجربہ کرتے ہیں: "اگر آپکو کوئی چیز چاہیئے تو صرف دعا کریں کوئی کام نہیں صرف دعا اور دیکھیں آپکو وہ چیز ملتی ہے کہ نہیں اور پھر دوسری جانب اس چیز کے لئے صرف کام کریں اور کوئی دعا نا مانگیں دیکھیں آپکو وہ چیز ملتی ہے کہ نہیں۔" ظاہر ہے دوسرا طریقہ زیادہ کارآمد ہے۔ یہ پانچ کروڑ پانچ ارب غیر مسلمان جو غلط خدا سے دعا مانگتے ہیں یا سرے سے مانگتے ہی نہیں اُن کے کام بھی تو ہوتے ہیں۔ وہ پانچ کروڑ پانچ ارب لوگ جو ارب پتی بن چکے ہیں، آزاد ریاستیں بن چکے ہیں، جنہوں نے لاکھوں لوگوں کی جانیں بچائیں ہیں، جنگیں جیتیں ہیں، بہتر حکومتی نظام تشکیل کیے ہیں اور کائنات کے راز تک دریافت کر لیے ہیں۔ یہاں پر مسلمان بڑے شوق سے کہتے ہیں کہ "نہیں آپکو دعا تو مانگنی ہے لیکن اس کے لئے کام بھی کرنا ہے۔" ارے بھائی اگر کام ہی کرنا ہے تو دعا کی کیا ضرورت ہے؟

آخر میں لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ اگر آپ نے اسلام چھوڑ ہی دیا ہے تو اسکے بارے میں بات کیوں کرتے ہو؟ اس کا جواب بہت سادہ ہے میں ایک آزاد زندگی گزارتا ہوں۔ کسی تصوراتی جہنم سے آزاد اور کسی بھی اُس بے بنیاد مذہبی سامان کے بغیر جو مذہب کے ساتھ آتا ہے۔ مجھے ایک زندگی اتفاق سے ملی ہے اور میں اس سے بھرپور لطف اندوز ہونا چاہتا ہوں۔ میں ہر قسم کی مشروبات سے لطف اندوز ہو سکتا ہوں،، مجھے ہم جنس لوگوں سے نفرت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، میں اب اسلام کے اس یقین کا پابند نہیں ہوں کہ عورت مرد سے کمتر ہے، مجھے چار چار بیویاں یا باندھیاں رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، مجھے کچھ مخصوص جانوروں سے نفرت کرنے کی کوئی

ضرورت نہیں ہے، میں موسیقی سے لطف اندوز ہو سکتا ہوں، میں تصویروں کی تعریف کر سکتا ہوں، مجھے کافروں سے نفرت کرنے کی اب کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس طرح کی سینکڑوں فضول اور بے بنیاد پابندیاں مذہب کے جانے سے غائب ہو جاتی ہیں اور دنیا ایک بہتر جگہ نظر آنے لگتی ہے جہاں پر تمام انسان حقوق کے اعتبار سے برابر ہیں۔ مجھے کسی فرقہ واریت یا کسی مذہبی جنگ کی اب کوئی ضرورت نہیں ہے اس لئے میرے جیسے لوگ مذہب کی دلیل کے برعکس دلیل دیتے ہیں تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ مذہب کے اس بے بنیاد خوف سے آزاد ہو سکیں اور یہ دنیا ایک بہتر جگہ بن سکے۔ کسی سابقہ مسلمان سے یہ کہنا کہ اگر وہ اسلام چھوڑ چکا ہے تو اس کے بارے میں بات کیوں کرتا ہے بلکل ایسا ہے جیسے آپ کسی شخص کو جو پہلے نشے کا عادی تھا کہیں: "چونکہ اب تم منشیات لینا چھوڑ چکے ہو تو منشیات کے خطرات کے بارے میں بات کیوں کرتے ہو؟" مسلمانوں کو ایسا کیوں لگتا ہے کہ وہ اپنے عقائد کی تبلیغ کر سکتے ہیں لیکن دوسرے نہیں کر سکتے؟ اگر آپ کا جواب ہے "اس لئے کیونکہ ہم صحیح ہیں" تو میں معذرت کے ساتھ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ غلط ہیں۔

میرا نام حارث سلطان ہے اور میں آپ کے خداؤں میں یقین نہیں رکھتا!

باب نمبر ۱: سوچنے کا فن

"یہ دنیا ہم نے سوچنے کے عمل کی وجہ سے تخلیق کی ہے تو اپنی سوچ کو بدلے بغیر اسکو بدلا نہیں جاسکتا۔" ~البرٹ آئن سٹائن

ہم کتابیں کیوں پڑھتے ہیں؟ دستاویزی فلمیں کیوں دیکھتے ہیں؟ ظاہر ہے بہت ساری وجوہات کی بنا پر جیسے کہ خوشی کے لئے، تفریح کے لئے یا حوصلہ افزائی کے لئے لیکن میرے لئے سب سے اہم مقصد ان چیزوں سے علم کا حصول ہوتا ہے۔ انسانی تہذیب کی خوبصورتی یہ ہے کہ اس کے سارے معاشرے کا دارومدار اجتماعی علوم پر ہوتا ہے۔ کوئی بھی شخص خواہ مرد ہو یا عورت کائنات، حیاتیات، یا علوم فنون کا مالک نہیں ہے۔ یہ سب ہمارے ساتھی انسانوں کی مستقل کاوشوں کا نتیجہ ہے جو ہمارے موجودہ علم کو بڑھانے کے لئے ہے۔

میں ذاتی طور پر ایسے بہت سارے لوگوں کو جانتا ہوں جو اپنے علم کو "نہیں" بڑھاتے اور اس کا جواز یہ پیش کرتے ہیں کہ ان کے پاس پہلے سے ہی ایک کتاب قرآن یا انجیل موجود ہے جس نے ان کو کامل زندگی گزارنے کا کافی علم دیا ہوا ہے۔ اس رویے کے ساتھ ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ یہ لوگ ان تمام جدید سہولیات سے محضوظ ہوتے ہیں جو انہی لوگوں نے بنائی ہیں جنھوں نے ان کے علم میں اضافہ کیا ہے۔ کیا قرآن آپکو بتاتا ہے کہ دل کا آپریشن کیسے کیا جاتا ہے؟ کیا انجیل آپکو بتاتی ہے کہ راکٹ کیسے بنتا ہے اور ہم چاند یا اس سے آگے کیسے جاسکتے ہیں؟ ظاہر ہے نہیں کیونکہ آج ہم جس دنیا میں رہتے ہیں یہ ان لاکھوں لوگوں کی کوششوں کا نتیجہ ہے جنہوں نے بہت محنت کی اور اپنی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کرتے ہوئے انسانی تہذیب کے اجتماعی علم میں اضافے کے لئے بیحد مدد کی اور اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ آپکو دنیا کے سارے علوم کا علم ہونا چاہیئے۔ میں جانتا ہوں یہ ناممکن ہے ہم سب کچھ نہیں جان سکتے لیکن پھر بھی ہمیں مزید سیکھنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیئے۔ ہم مسلسل بڑی تیزی سے اپنے اردگرد کی دنیا کے بارے میں اپنا علم بڑھا رہے ہیں لیکن جب آپ یہ رویہ اختیار کرلیتے ہیں کہ "میرے پاس قرآن ہے تو مجھے کچھ اور سیکھنے کی ضرورت نہیں ہے" تو یہ عمل رک جاتا ہے۔ میری بات کا مقصد یہ ہے کہ ہم سب سب کچھ نہیں جانتے لیکن ہمیں اپنے علم کو مزید بڑھانے سے رکنا نہیں چاہیئے۔ اس کتاب کے قارئین کو اپنا ذہن کھلا رکھنا ہوگا اور اپنے متعصب خیالات اور پہلے سے قائم شدہ آراء کو باہر چھوڑنا ہوگا کیونکہ اس کتاب میں جگہ جگہ پر آپ ایسے دلائل سے دوچار ہوں گے جو آپکے اندازِ فکر کی مخالفت کریں گے اور آپ کا دل چاہے گا کہ آپ اسے بند کردیں لیکن یہ کسی بھی کتاب کو پڑھنے کا کوئی طریقہ نہیں ہوتا۔ میں امید کرتا ہوں کہ میرے قارئین اُن نتائج کو پڑھیں اور سمجھیں جو میں نے اس میں پیش کیے ہیں۔ اگر آپکو کسی دلیل کا سامنا ہو تو آپکے پاس طریقہ کار موجود ہیں:

طریقہ اول: آپ دلیل کو پڑھیں، اسکی بنیاد اور اسکے نتیجے کو پڑھیں اور تنقیدی انداز سے سوچے بغیر اسے قبول کرلیں کیونکہ آپ اس پہ پہلے سے یقین رکھتے ہیں یا اسے رد کردیں کیونکہ یہ بلواسطہ آپ کی رائے کی تردید کرتی ہے یا

طریقہ دوئم: آپ دلیل کو پڑھیں، اسکی بنیاد کو سمجھیں اور فرض کریں کہ اس کا حاصل کردہ نتیجہ درست ہے پھر اپنا تنقیدی ذہن استعمال کرتے ہوئے نتیجے کو پرکھیں اور پھر خود کسی نتیجے پر پہنچیں کہ اسے قبول کرنا چاہیئے یا رد کرنا چاہیئے۔

مجھے اپنے قارئین سے توقع ہے کہ وہ اس کتاب کو پڑھتے وقت طریقہ دوئم اپنائیں گے۔ میں سمجھ سکتا ہوں کہ کتنا مشکل اور مایوس کن ہوتا ہے اُن خیالات کو سننا جو آپکے اُن عقائد کی خلاف ورزی کرتے ہیں جن کی آپ ساری زندگی پیروی کرتے آرہے ہوں لیکن آپکو اپنے آپ سے ایک سوال کرنا چاہیئے کہ "کیا میں واقعی ایک تنگ نظر، بے صبر اور مغرور انسان ہوں؟ کیا میں واقعی ایک ایسا انسان رہنا چاہتا ہوں جو ایک مخصوص رائے رکھتا ہے اور نہیں چاہتا ہے کہ کوئی اس کے بارے میں مجھ سے بات یا سوال کرے؟" مجھے یقین ہے کہ اگر آپ آئی ایس آئی کے رکن یا طالبان نہیں ہیں تو آپ کا جواب نا ہو گا۔ میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ آپ ہر اس بات میں صرف یقین کر لیں جو میں آپ کو بتا رہا ہوں بلکہ میں اس بات کی حوصلہ افزائی کروں گا کہ آپ اس کتاب کو ایک غیر جانبدار ذہن سے پڑھیں اور اس میں اٹھائی گئی کسی بھی دلیل کو چنیں اور اپنا **تنقیدی** شعور استعمال کریں اور اُس پر سوال کریں۔

تنقیدی شعور شعورِ عام کا متضاد ہے۔ حالانکہ شعورِ عام سے چیزوں کو دیکھنا ایک اچھا طریقہ ہے لیکن تنقیدی شعور زیادہ اہم ہوتا ہے۔ کسی بھی دی گئی وضاحت کو تنقیدی انداز سے سوچنا تنقیدی شعور کہلاتا ہے۔ تنقیدی شعور شعورِ عام سے زیادہ اہم اس لئے ہوتا ہے کیونکہ شعورِ عام موجودہ علم پر مبنی ہوتا ہے۔ عام شعور یہ کہتا ہے کہ جو موجودہ علم آج ہمارے پاس ہے وہ مطلق حقیقت ہے لیکن چونکہ یہ قدرتی دنیا ایسی حیرت انگیز چیزوں سے بھری ہوئی ہے جنہیں ہم سمجھ نہیں پاتے تو ان میں سے عام شعور اخذ کرنا فضول ہے۔

مثال کے طور پر ایک وقت تھا جب ہم سب اس بات میں یقین رکھتے تھے کہ زمین چپٹی ہے تو یہ ایک شعورِ عام تھا کہ دنیا کے آخری کونے تک سفر نا کیا جائے ورنہ ہم اپنی موت تک پہنچ جائیں گے۔ اس وقت کے تنقیدی مفکرین کو اس خیال میں کچھ مسائل نظر آئے اور وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ زمین درحقیقت گول ہے اس بات سے صاف ظاہر ہے کہ شعورِ عام نے مطلق حقیقت کے ساتھ انصاف نہیں کیا تھا۔ اس معاملے میں لوگوں نے ثبوت تلاش کیے اور اس نتیجے پر پہنچے کہ زمین واقعی گول تھی۔ جو ثبوت ان لوگوں نے جمع کیے وہ آخر کار دوسرے لوگوں کو قائل کرنے کے لئے بھی کافی تھے تو آج یہ شعورِ عام ہے کہ زمین گول ہے۔

طریقہ اول کے اوپر طریقہ دوئم کی اہمیت پر زور دینے کے لئے فرض کر لیتے ہیں کہ ہم چھٹی صدی قبلِ مسیح کے قدیم یونان میں ہیں جب زمین چپٹی ہے والا خیال بہت مشہور تھا۔ اب ہم ان دونوں مفروضوں کو ایک ایک کر کے دیکھتے ہیں اور سچ کی تلاش کے لئے اپنا تنقیدی شعور استعمال کرتے ہیں۔

مفروضہ اول: زمین چپٹی ہے کیونکہ یہ چپٹی نظر آتی ہے:

طریقہ اول اس مفروضے کو بغیر کسی شک و شبہات کے اسی طرح قبول کر لیتا ہے۔ جبکہ طریقہ دوئم چاہتا ہے کہ ہم فرض کریں کہ یہ نظریہ درست ہے لیکن پھر بھی ہمیں سوال کرنا چاہیئے اور ثبوت دیکھنے چاہیئے۔ مثال کے طور پر جن لوگوں نے دور دراز سفر کیا ہوا ہے وہ کبھی زمین کے آخری کونے تک کیوں نہیں پہنچے؟ اس کی دو ممکنہ وجوہات ہو سکتی ہیں:

الف) زمین کا کوئی کنارہ یا کونا نہیں ہے اور یہ ہمیشہ کے لئے جاری ہے یا

ب) کوئی بھی متلاشی کبھی کنارے تک پہنچا ہی نہیں یا جو لوگ واپس نہیں آئے وہ سب مر گئے ہیں۔

ہم پہلے والے امکان کو خارج کر دیتے ہیں کیوں کہ ہم ہر اگلے دن سورج کو طلوع اور غروب ہوتا ہوا دیکھ سکتے ہیں۔ تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ زمین کتنی بڑی ہے کیونکہ سورج اس کے گرد گھومتا ہے تو وہ غیر محدود طور پر بڑی نہیں ہو سکتی۔ اب ہم دوسرے امکان کی طرف توجہ مرکوز کریں گے۔ لوگوں کی قبول کی ہوئی تمام تلاش کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ فرض کر لینا غیر نقصان دہ ہو گا کہ ایسا کوئی کنارہ نہیں ہے۔ صریحاً یہ مفروضہ مطلق حقیقت نہیں ہے لیکن یہ ہمیں اُس کے قریب لے جاتا ہے اور اس فریضہ پر شک کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

سچ کے اور بھی زیادہ قریب پہنچنے کے لئے ہم ساحل کے ایک چٹانی ٹیلے پر کھڑے ہو کر نزدیک آتے ہوئے بحری جہازوں کا مشاہدہ کر کے ایک سادہ سا تجربہ تعمیل کر سکتے ہیں۔ جب جہاز فاصلے پر ہوتا ہے تو پہلے صرف اُس کی بلند ترین سطح نمودار ہوتی ہے لیکن جیسے جیسے وہ نزدیک آتا جاتا ہے ہمیں وہ پورا نظر آنے لگتا ہے۔ اگر زمین چپٹی ہوتی تو پہلی ہی دفعہ میں پورا جہاز صاف ظاہر ہونا چاہیئے تھا لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ یہ مشاہدہ ضروری طور پر اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ زمین گول ہے لیکن یہ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ زمین چپٹی نہیں ہو سکتی۔

ہزاروں سال سے لوگ چاند گرہن کا بھی مشاہدہ کرتے آرہے ہیں اور ایک مکاتب فکر کے مطابق چاند گرہن نے لوگوں کو یہ سوال کرنے پر مجبور کیا کہ زمین چپٹی ہے یا نہیں۔ جب چاند گرہن واقع ہوتا ہے تو زمین سورج اور چاند کے درمیان میں آجاتی ہے اور اپنا سایہ چاند پر ڈالتی ہے۔ اگر آپ اپنے سائے پر نظر ڈالیں تو آپکو اپنی بناوٹ کا خود اندازہ ہو جائے گا۔ مندرجہ ذیل تصویر کی طرف غور کریں جو اگست ۲۰۱۰ کے چاند گرہن کے دوران لی گئی تھی۔ آپ چاند پر زمین کا سایہ صاف دیکھ سکتے ہیں اور یہ بھی دیکھ سکتے ہیں کہ سائے کا کنارہ ایک قوس کی طرح ہے جو کہ زمین کی بناوٹ کو صاف ظاہر کر رہا ہے۔

تصویر نمبر ۱.۱

علاوہ ازیں ہم مختلف لوگوں کو خاطر خواہ اشیاءِ خورد و نوش کے ساتھ جس سے اُن کا مہینوں یا سال بھر سمندر میں گزارا ہو سکے اس طرح کے خاص تحقیقی مقاصد پر بھی بھیج سکتے ہیں۔ اگر وہ مشرق سے سمندر میں چلتے ہیں اور مغرب سے واپس آتے ہیں تو اس کا مطلب ہو گا کہ زمین چپٹی نہیں ہے۔ اصل میں ۱۵۱۹-۱۵۲۲ میں فرڈینینڈ میگیلان اور جُو آن سیباسچیان ایلکانو نے بھی اس کو اسی طرح سے ثابت کیا تھا۔ اگر آپ اپنی آنکھوں سے ثبوت دیکھنا چاہتے ہیں تو آپ اکیلے نہیں ہیں۔ کچھ لوگ جیسے کہ امریکی چپٹی زمین والے مائیک ہیوز اس چیز کو خود دیکھنے کے لئے بہت پُر عزم ہیں۔ جس وقت میں یہ کتاب لکھ رہا تھا وہ یہ دیکھنے کے لئے کہ زمین میں خم ہے یا نہیں خود کو ایک گھر کے بنے ہوئے راکٹ میں ۱۸۰۰ افیٹ تک بھیجنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ۱۸۰۰ افیٹ (جو مشکل سے ۵۵۰ میٹر ہے۔ اس سے زیادہ اونچی عمارتیں بھی موجود ہیں!) تو اُنہیں خم نظر آنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ آخری دفعہ جب میں نے جائزہ لیا تھا تو مقامی حکومت نے حفاظتی اقدامات کی وجہ سے اُن کو اس کام سے روک دیا تھا۔

تو اگر ہمیں ایسا لگتا کہ ہم نے اس بات پر شک کرنا شروع کر دیا ہے کہ زمین چپٹی ہے تو اس بناء پر ہمیں یہ نیا مفروضہ آزمانا چاہیئے کہ زمین گول ہے۔

مفروضہ دوئم: تمام آسمانی چیزیں جو ہم آسمان میں دیکھ سکتے ہیں اُن کی طرح زمین گول ہے:

اس مفروضے کو آزمانے کے لئے اب ہم فرض کریں گے کہ یہ درست ہے اور سوال کریں گے۔ اگر زمین گول ہے تو چپٹی کیوں نظر آتی ہے؟ تصور کریں کہ آپ کسی دوسرے سیارے کی سطح پر چل رہے ہیں تو کیا تب آپکو زمین واضح طور پر گول نظر آئے گی یا تب بھی چپٹی ہی نظر آئے گی؟ ایک خیالی تجربہ کرتے ہیں: اگر آپ یہ فرض کرتے ہیں کہ سورج ہماری جسامت سے زیادہ بڑا ہے تو یقیناً یہ آپکو چپٹا نظر آئے گا۔ اگر ہم یہ پوچھیں کہ زمین گول ہوتی تو کیسی نظر آتی؟ کیا یہ چپٹی لگتی یا ایسا لگتا کہ ہم ایک بڑی سی گیند پر چل رہے ہیں؟ اب آپ اس گیند کی جسامت بڑھانا شروع کریں جس پر آپ چل رہے ہیں آپ خود محسوس کریں گے کہ جیسے جیسے گیند کی جسامت بڑھتی جائے گی آپکو زمین چپٹی محسوس ہوتی جائے گی۔ اگر یہ خیالی تجربہ آپ کے لئے کام نہیں کرتا تو آپ وہ پہلا بحری جہاز والا تجربہ کر سکتے ہیں کہ اگر زمین گول ہوتی تو بحری جہاز مشرق سے چلتے اور مغرب سے واپس آتے۔ چونکہ ایسا ہی ہوتا ہے تو ہم زمین گول ہے والے مفروضے سے اتفاق کر سکتے ہیں۔

مجھے امید ہے کہ آپ واضح طور پر سمجھ چکے ہونگے کہ کس طرح ہمیں طریقہ دوئم کا انتخاب کر کے کسی بھی مفروضہ، نظریہ حتیٰ کہ دلیل کو آزمانا چاہیئے۔

بیشک کچھ مطلق حقائق کو تلاش کرنا زمین گول ہے یا نہیں سے بہت زیادہ مشکل ہے۔ جیسے کہ ہمارا موجودہ علم ہمیں نہیں بتاتا کہ بِگ بینگ سے پہلے کیا ہوا تھا اور فلسفیانہ طور پر اس بات سے متعلق تقریباً ہر نظریہ میں ہمیں بہت ساری مشکلات کا سامنا ہے۔ حالانکہ ہم نے بہت سارے مطلق حقائق کا تعین کر لیا ہے لیکن ابھی مزید کچھ حقائق تلاش کرنا باقی ہیں۔ چونکہ ہم یہ جھٹلا نہیں سکتے کہ یہ کائنات حتمی طور پر خدا یا خداؤں نے تخلیق کی ہے تو میں اس بات کا دعویٰ نہیں کروں گا کہ خواہ کیسا ہی ہو کوئی خدا نہیں ہے لیکن یہ کتاب بہت سارے ایسے مختلف دلائل پیش کرے گی جو یہ دلیل دیں گے کہ ہمارے (معتقد خداؤں) کا تقریباً کوئی حتمی وجود نہیں ہے۔ میں مانتا ہوں کہ یہ جھٹلانا ناممکن ہے کہ یہ کائنات کسی بہت بڑی ہستی (صوفیانہ خدا) نے تخلیق کی ہے لیکن مجھے پورا یقین ہے کہ اس بڑی ہستی کو اب تک کسی بھی مشہور مذہب میں بیان نہیں کیا گیا۔ معتقد خدا بہت ہی چھوٹے، خود غرض، غصیل اور غیر سائنسی لگتے ہیں جبکہ اگر کسی ہستی نے پوری کائنات تخلیق کی ہے تو وہ بہت اعلیٰ ہو گی اور اس سے بھی

بڑھ کر وہ ان تمام جذبات جیسے کہ غصہ، خوشی، دکھ، کینہ پروری وغیرہ کی توثیق اپنے تخلیق کیے ہوئے انسانوں پر نہیں کرے گی۔ جیسے کہ پیچھے کیے ہوئے خیالی تجربہ نے ہمیں کوئی فیصلہ کُن جواب نہیں دیا لیکن مباحثے کے ایک پہلو کی دوسرے سے زیادہ حمایت کی اسی طرح اس کتاب میں موجود بہت سارے خیالی تجربات اور دلائل یہ تجویز کریں گے کہ جس خدا یا خداؤں سے انسانیت نے ہمیں متعارف کروایا ہے وہ حقیقی خدا سے بہت دور ہے۔ صرف اس لئے کیونکہ ہم مکمل طور پر خدا کے وجود کو جھٹلا نہیں سکتے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خدا کا وجود ہے اور چونکہ ہم خدا کے وجود کو جھٹلا نہیں سکتے چاہے یہ کتنا بھی بعید العقل ہو تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم خدا کے وجود کو مکمل طور پر نامنظور نہیں کر سکتے۔

اگر مذاہب کو پڑھتے ہوئے ہم طریقہ دوئم اختیار کریں تو ہم پوری طرح ان خداؤں کو جھٹلا سکتے ہیں جو انسانی اذہان نے اب تک تصور کیے ہوئے ہیں۔ اگر ہم کھلے ذہن سے مذاہب کو پڑھیں تو پہلے کی تعلیمات میں موجود دراڑوں کو دیکھنا آسان ہو گا۔ یہ کتاب زیادہ تر نوع انسان کے جنگلی تخیل سے تخلیق کردہ روایتی خدا جیسے کہ اپالو، زیوس، یحیٰ اور اللہ وغیرہ کے خلاف دلائل پیش کرے گی لیکن یہ صوفیانہ خدا کے عدم امکان کو بھی نمایاں کرے گی۔ وہ خدا جس نے یہ پوری کائنات تخلیق کی ہے لیکن وہ انسانوں یا کسی دوسرے سیارے پر رہنے والے کسی نوع کے ادنیٰ معاملات میں مداخلت نہیں کرتا ہے۔ آسان الفاظ میں کہیں تو صوفیانہ خدا نے یہ کائنات تخلیق کی اور پھر اسے چھوڑ دیا۔ میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ صوفیانہ خدا کو جھٹلانا اُن مشہور خداؤں کو جھٹلانے سے زیادہ مشکل ہے جو ہماری روزمرہ زندگی میں مداخلت کرتے ہیں اور ہماری دعائیں سنتے ہیں لیکن ہمیں جن خداؤں سے سروکار ہے وہ وہ خدا ہیں جن کے لئے لوگ جنگیں لڑ رہے ہیں۔ یقیناً یہ معتقد خدا ہے، صوفیانہ نہیں ہے۔

ذہن کا بدلنا

مذہبی حمایتی خاص طور پر مسلمان بڑے شوق سے یہ بات کہتے ہیں کہ "تم ملحد ہمیشہ بدلتے رہتے ہو جیسے سائنس ہمیشہ بدلتے رہتی ہے لیکن ہمارے پاس اپنی ایک کتاب ہے جو بدلتی نہیں ہے تو ہم اپنے عقائد میں مستقل مزاج ہیں۔" یہ بات سچ ہے کہ ہم بہتر ثبوت اور وجوہات کی روشنی میں اپنا ذہن بدلتے رہتے ہیں لیکن یہ ہمارے حق میں بہتر ہے۔ خدا کے الفاظ کے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ اگر آپ اس کی نشاندہی کر چکے ہیں تو بھی آپ ان کو بدل نہیں سکتے اور آپ اُنہی ناقص خیالات میں الجھے رہتے ہیں۔ کوئی بھی صحیح العقل انسان بہتر ثبوت اور وجوہات کی روشنی میں بدل جاتا ہے لیکن توحید پرست اپنی قدیم کتاب کو باہر پھینک دینے کے بجائے زمانہ قدیم کے اُن افسانوں اور خیالات کے انبار کے ساتھ جڑے رہتے ہیں جن کے پول پہلے سے کھولے جا چکے ہیں۔

انسانیت کی عظیم خصلتوں میں سے ایک خصلت ذہن کو بدلنے کی صلاحیت ہے۔ ابھی بھی کچھ لوگ خاص طور پر سیاستدان اور وکلاء اپنا ذہن بدلنے پر پکڑے جانے کے بارے میں پریشان رہتے ہیں۔ اگر آپ بہتر ثبوت اور منطق سے آگاہ ہو جاتے ہیں تو اپنا ذہن بدلنے میں کیا برائی ہے؟ یہ لوگ خوفزدہ ہوتے ہیں کہ اگر کسی کو پتہ چل گیا کہ انہوں نے کسی مضمون پر اپنا نظریہ بدل لیا ہے تو لوگ انہیں غیر مستقیم الرائے سمجھ کر ان کی تضحیک کریں گے اور انہیں سنجیدگی سے نہیں لیں گے۔ یہ ہمارے

معاشرے کی ایک دکھی حالت ہے جہاں ہم اُن لوگوں کی مذمت کرتے ہیں جو بہتر حقائق کی روشنی میں اپنا انداز ِفکر بدل لیتے ہیں اور اُن لوگوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو اپنے متروکہ خیالات کے خلاف ثبوت ہونے کے باوجود اُن کے ساتھ سختی سے جڑے رہتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ مجھے قدامت پسند لوگوں پر اعتراض ہوتا ہے کیونکہ بنیادی طور پر یہ لوگ تبدیلی کے خلاف ہوتے ہیں اور اپنے روایتی اقدار کو تھامے رہتے ہیں۔ تبدیلی کے بغیر آپ اپنی موجودہ حالت میں ترقی کیسے کر سکتے ہیں؟ چاہے ہمیں پسند ہو یا نہیں ہم سب حتی کہ قدامت پسند لوگ بھی بدلتے رہتے ہیں۔ اگر ہم سب بشمول مسلمان اور عیسائی بدلے نا ہوتے تو ہمارے پاس آج بھی غلام موجود ہوتے کیونکہ قرآن اور انجیل ان کی اجازت دیتے ہے۔ میں اُن لوگوں کا شکر گزار ہوں جن لوگوں نے اپنا ذہن بدل لیا اور آج ہمارے پاس غلامی سے پاک دنیا ہے۔

مسلمان حمایتیوں والی دلیل کی طرف واپس چلتے ہیں جس کہ مطابق ان کی کتاب درست ہے کیونکہ وہ بدلتی نہیں ہے اور سائنس غلط ہے کیونکہ وہ بدلتی رہتی ہے۔ یہ لوگ عموماً اس دلیل کو نظریہ ارتقاء کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے چونکہ سائنس میں بعض نظریات وقت کے ساتھ بدل جاتے ہیں تو شاید نظریہ ارتقاء کو بھی ایک دن جھٹلا دیا جائے گا اس لئے ہم اپنی کتاب میں لکھے ہوئے آدم اور حوا والے مفروضے کے ساتھ جڑے رہنا چاہتے ہیں کیونکہ ہماری کتاب میں لکھے ہوئے نظریات بدلتے نہیں ہیں۔

بعض حقائق بغیر کسی شک وشبہات کے قائم ہو چکے ہیں جیسے کہ سورج کا چاند سے بڑا ہونا۔ نظریہ ارتقاء بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔ صرف فوسیل ریکارڈ ہی نظریہ ارتقاء کو ثابت نہیں کرتے جیسا کہ ڈارون جانتا تھا جینیاتی سطح پر بھی اس کو ثابت کیا جاتا ہے۔ زندگی کے خاندانی درخت میں تمام نوع مکمل طور پر موافق / مناسب ہیں۔ نظریہ ارتقاء کہیں نہیں جا رہا ہے تو نظریہ ارتقاء کی حمایت میں موجود بہتر حقائق کی روشنی میں اپنا ذہن بدل لینا ایک بہتر خیال ہے بجائے اس کے کہ آپ آدم اور حوا والے مفروضے سے جڑے رہیں جس کا سراسر کوئی ثبوت نہیں ہے۔

مذہبی حمایتیوں کے بہت سارے دعووں کی طرح یہ بھی ایک جھوٹا دعوی ہے کہ یہ اس لئے نہیں بدلتے کیونکہ ان کے پاس خدا کے الفاظ ہیں۔ مثال کے طور پر آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے اسلامی دنیا میں کوئی بھی جنسی غلامی سے متعلق قرآنی آیات کی نئی یا اضافی تشریح نہیں کر رہا تھا لیکن بالآخر انہوں نے اس میں ردوبدل کر کے اللہ کے الفاظ کو بدل دیا ہے یعنی کہ بہتر توجیہ اور منطق کی روشنی میں یہ بدل جاتے ہیں۔

آج کل مسلمان عالموں کی دنیا میں اس بات پر کہ اسلام کم عمر بچوں کے ساتھ شادی کی اجازت دیتا ہے یا نہیں ایک غضب ناک بحث چلتی ہے۔ وہ اس بات پر بحث اُن احادیث کی اضافی تشریح کر کے کر رہے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ عائشہ نو برس کی تھیں جب محمد نے اُن کے ساتھ اپنی شادی کو تکمیل کیا۔ یہ بلاتضنع ان احادیث کو مسترد کر رہے ہیں کیونکہ یہ بدلنے کی اہمیت سمجھتے ہیں۔ بیوی کو مارنا اسلام میں بحث کا ایک دوسرا سرگرم مضمون ہے۔ اللہ نے واضح طور پر کہا ہے کہ آپ اپنی نافرمان بیوی کو مار سکتے ہیں۔ پچاس سال پہلے یہ کوئی مسئلہ نہیں تھا اور اس کے لئے اپنا ذہن بدلنے کی یا اس کی اضافی تشریح کرنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ آج مغربی لوگوں کی

خاص طور پر سابقہ مسلمانوں کی مستقل تضحیک کی وجہ سے یہ لوگ خدا کے الفاظ بدل رہے ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ محمد نے کبھی اپنی بیوی کو نہیں مارا (حالانکہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے عائشہ کو مارا ہو) تو اس لئے ہمیں بھی اپنی بیویوں کو نہیں مارنا چاہیئے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ آپ تھوڑا سا مار سکتے ہیں لیکن اُس کی ہڈیاں مت توڑیں۔ کچھ لوگ اشارتی یا علاماتی طور پر مارنے کا کہتے ہیں۔ یہ سب خدا کے الفاظ کے گرد دماغی کلابازیاں ہیں۔ یہ جانتے ہیں کہ آجکل کے معاشرے میں یہ چیز ناقابل قبول ہے تو اللہ کے الفاظ میں ترمیم کر کے ان کو اپنا اور اپنے ماننے والوں کا ذہن بدلنا ہو گا۔

یہی وجہ ہے کہ ترقی پسند لوگ مذہب کو ناپسند کرتے ہیں کیونکہ درحقیقت یہ ترقی کرنے والی سوچ کو روک دیتا ہیں۔ اگر آپ کے پاس یہ کتاب نا ہوتی جو کہتی ہے کہ آدم اور حوا دنیا کے پہلے انسان تھے تو جدید ادویات کی ایجاد میں آپ پیچھے نا رہتے جو نظریہ ارتقاء کو سمجھے بغیر نہیں بنائی جا سکتی تھیں۔ اگر آپ کے پاس کوئی کتاب نا ہوتی جو یہ کہتی ہے کہ آپ "اپنی بیوی کو مار سکتے ہیں" تو آپ کبھی ایسا نا سوچتے کہ بیوی کو کیسے مارنا چاہیئے۔

میں امید کرتا ہوں کہ اگر اب آپکو اس بات کا احساس ہو چکا ہے کہ بہتر توجیہات اور اثبات کی بناء پر اپنی رائے بدل لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے تو آپ طریقہ "ب" اختیار کریں گے۔ چلیں آئیں پھر مذہب پر دخل در معقولات کرتے ہیں اور اپنا ذہن بدلنے سے گھبرائیگا نہیں۔

باب نمبر ۲: مذہب کی ضرورت

"کرسٹوفر ہچنس کو لگتا تھا کہ کائنات کو ہمارے وجود اور ہماری زندگی کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ ہماری زندگی اُتنی ہی معنی خیز ہے جتنا ہم اسے سمجھتے ہیں۔"

—ڈاکٹر لارینس کراؤس کی رائے کرسٹوفر ہچنس کے بارے میں ۲۰۱۲ کے سالانہ ملحد کنونشن میں

مذہب کے طرف داروں کی ایک سب سے پسندیدہ دلیل یہ ہے کہ معاشرے کو ترتیب میں رکھنے کے لئے مذہب ضروری ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر خدا نہیں ہو گا تو یہ دنیا ایک بھیانک جگہ بن جائے گی۔ جہاں زیادتی، قتل اور لوٹ مار معمول ہو گا اور کوئی اُسے روک نہیں پائے گا۔ اُنہیں لگتا ہے چونکہ مذہب لوگوں کو امید اور تسلی دیتا ہے تو یہ ذہنی تسکین کے لئے ضروری ہے۔ ایسے اور ہزارہا دلائل موجود ہیں جن میں مذہب کے طرف دار یہ کہتے ہیں کہ مذہب معاشرے کے لئے ضروری ہے۔ لیکن درخت بچانے کے لئے میں اُن میں سے صرف مشہور دلائل کو ہی چُن کر پیش کروں گا۔

ایک دفعہ میں اپنے ایک مسلمان دوست سے گفتگو کر رہا تھا جس کا ماننا تھا کہ مذہب ضروری ہے کیونکہ یہ ہمیں نیکی اور بدی میں تمیز سکھاتا ہے۔ حیران کُن بات یہ تھی کہ مذہب کی اَخلاقی بڑائی بیان کرنے کے لئے اُس نے سب سے کم پُراسرار مثال چنی جو اس باب کے لئے فائدہ مند اور میری پسندیدہ مثال ہے۔ اُس نے کہا کہ مذہب ہمیں رشتوں کے درمیان تفریق کرنے میں مدد دیتا ہے۔ جیسے کہ مذہب ہمیں بتاتا ہے کہ ہمیں اپنی ماؤں اور بہنوں اور بیٹیوں کے ساتھ مباشرت نہیں کرنی چاہیئے۔ یعنی کہ اگر مذہب نہ ہوتا تو ہم سب کے حرام کار رشتے ہوتے۔ میں اس مثال سے تھوڑا چکرا گیا تھا لیکن مجھے اس خام دلیل کا مقابلہ کر کے بڑا مزہ آیا۔ میں جانتا تھا کہ میرے دوست کو نظریہ ارتقاء کا بالکل بھی علم نہیں تھا اس لئے اُسے لگتا تھا کہ قرآن خدا کے الفاظ ہیں۔

نظریہ ارتقاء "جہدِ للبقا" کا تصور پیش کرتا ہے کہ تمام نوع کا سلسلہ حیات قدرتی طور پر چلتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر تیندوے کو درخت پر چڑھنا نہ آتا تو اُسے شیر اور تڑس کے مقابلے میں اپنی بقا میں بڑی دقت ہوتی۔ تیندوا چونکہ درخت پر چڑھنے میں بہتر تھا اس لئے اُس کی بقا آسان تھی۔ اسی لئے اُس کی افزائش نسل بھی زیادہ ہے۔ ہم ہمیشہ سے دیکھتے آرہے ہیں کہ جانوروں کی سلطنت کی تمام تر تاریخ میں جو بھی جانور اپنے ماحول کا مقابلہ نہیں کرپاتا اُسکی جگہ دوسرا مضبوط اور تیز تر جانور لے لیتا ہے۔ لیکن نظریہ ارتقاء ضروری طور پر مضبوط ترین ہونا نہیں ہے کیونکہ ڈائنا سورز کے خاتمے کے بعد چھوٹے بل کھودنے والے پستان دار جانوروں نے باہر آنا اور دنیا کو دریافت کرنا شروع کر دیا تھا اگر وہ ایسا نہ کرتے تو اب تک کسی کے کھانے کے ٹیبل پر ہوتے۔

دوسرے الفاظ میں (کچھ خلائے بسیط کی مدد سے) یہ چھوٹے پستان دار جانور ٹائرانا سارس ریکس سے زیادہ مضبوط تھے اور انہوں نے دنیا پر قبضہ کر لیا۔ اگر یہ پستان دار جانور سطح پر نہ رہ رہے ہوتے تو یہ بھی ڈائنا سورز کے ساتھ ہی مر چکے ہوتے اور انسانوں کا کبھی کوئی وجود ہی نہ ہوتا۔ اب چھ کروڑ تیس لاکھ سال آگے چلتے ہیں جب نوع انسان کا پہلا رُکن نمودار ہوا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کو یہ سب کچھ سمجھنے میں بہت مشکل پیش آرہی ہو گی لیکن طریقہ ب پر عمل کرتے ہوئے ابھی کے لئے چلتے رہیں۔

ایک اور بات یہاں جان لیں کہ ڈارون کا نظریہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ قدرت جہدِ لبقا پر کام کرتی ہے۔ لیکن نظریہ ارتقاء کے حمایتی یہ نہیں سمجھتے کہ ہمیں اپنے معاشرتی نظام چلانے کے لئے قدرت کی نقل کرنی چاہیئے۔ مثال کے طور پر قدرتی نظام میں اگر ایک ماں کے بہت سارے بچے ہوتے ہیں تو وہ اُن میں سے کمزور کو مار کر کھا جاتی ہے تا کہ مضبوط کی بقا کو یقینی بنایا جاسکے۔ ہم اس بات کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے کہ اگر ہم اپنے بچے پال نہیں سکتے یا ہم بھوکے ہوں تو ہمیں انہیں کھالینا چاہیئے۔ حالانکہ قدرت ایسے ہی کام کرتی ہے لیکن ہم بھی ایسے کریں یہ ضروری نہیں ہے۔ ملحد یہ نہیں کہتے کہ ایک معاشرے میں جنگل کا قانون ہونا چاہیئے۔ جس میں طاقتور کمزور کو کھا جاتا ہے بلکہ وہ یہ اصرار کرتے ہیں کہ (غیر قدرتی) توجیہات کی بناء پر ہم ایک بہتر معاشرہ تشکیل دے سکتے ہیں۔

اُس بحث کی طرف واپس آتے ہیں جہاں میں اور میرا دوست یہ بات کر رہے تھے کہ داخلی تولید کرنا اچھا ہے یا برا؟ کیا یہ ایک سائنسی سوال ہے یا فلسفیانہ؟ اگر شروعات میں انسانوں کو اس بات کا احساس نہ ہوتا کہ داخلی تولید سے مسائل پیدا ہو رہے ہیں تو تمام انسان مر چکے ہوتے۔ جیسا کہ اب ہم یہاں موجود ہیں تو ہم آرام سے یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ پہلے کے لوگ داخلی تولید نہیں کر رہے تھے۔ یا کم از کم جو کر رہے تھے وہ زیادہ وقت تک زندہ نہیں رہے۔ اس علم کے ساتھ میں نے اپنے دوست کو جواب دیا کہ ایک جدت پسند انسان ہونے کے ناطے میں جانتا ہوں کہ اگر خونی رشتہ دار آپس میں زناکاری شروع کر دیں تو نوع انسانی کا اختتام ہو جائے گا۔ اس لئے ہم آرام سے فرض کر سکتے ہیں کہ شروعاتی انسانوں کو داخلی تولید کے نتائج کا علم ہو گا۔ اگر مذاہب نے ہمیں یہ بتایا کہ داخلی تولید نہیں کرنی چاہیئے تو اس کا مطلب ہے کہ اسلام، عیسائیت اور یہودیت سے پہلے لوگ یہ کام کرتے آرہے تھے (لیکن انسانی تہذیب تو مذاہب سے بہت پرانی ہے) اگر واقعی ایسا ہو رہا ہوتا تو انسانیت محمد اور عیسیٰ کی پیدائش سے بہت پہلے ختم ہو چکی ہوتی۔ یہ سچ ہے کہ بہت ساری ثقافتوں جیسے کہ مصر اور روم میں داخلی تولید کی جاتی تھی لیکن یہ زیادہ تر صرف اعلیٰ خاندانوں میں ہوا کرتا تھا۔ عام رعایا میں نہیں۔

مجھے پتہ ہے کچھ عیسائی اور مسلمان یہاں کہیں گے کہ میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ انسان محمد اور عیسیٰ کے ظاہر ہونے سے ہزاروں لاکھوں سال پہلے سے موجود تھے۔ یہ بات بالکل درست ہے! کیونکہ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے ہمارے پاس فاسیل ریکارڈ کی شکل میں بے شمار ثبوت موجود ہیں۔

چلیں میں یہ نہیں کہتا کہ انسان ہزاروں سال سے موجود ہیں بلکہ عیسائی وضاحت کے مطابق یہ مان لیتے ہیں کہ زمین چھ ہزار سال پہلے سے موجود ہے۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ شروعاتی انسان جیسے کہ نوح اور آدم (اسلامی اور عیسائی عقیدے کے مطابق) کم از کم ایک ہزار سال تک زندہ رہے اور عیسیٰ دو ہزار سال پہلے تک زندہ تھے۔ تو کیا زمین اور آدم کی تخلیق اور عیسیٰ کی پیدائش کے درمیان صرف چار ہزار سال تھے؟ اگر ہم اس کو مزید کم کر دیں تو ان چار ہزار سالوں میں سے پہلے دو ہزار سال تو آدم اور نوح کی زندگیوں پر مبنی ہیں۔ یعنی ہمارے پاس صرف دو ہزار سال بچتے ہیں۔ تو کیا مذاہب کے مطابق تمام پیغمبر جیسے کہ یعقوب، ابراہیم اور تمام قدیم یونانی، رومی اور مصری ثقافتیں صرف دو ہزار سال کی تھیں؟ کسی بھی تفصیل میں جائے بغیر فی الحال صرف یہ بتائیں کہ کیا ظاہری طور پر آپ کو اس نتیجے میں کوئی مسئلہ نظر نہیں آتا؟

یہودی و عیسائی (بشمول اسلامی) تاریخ کے مطابق آدم اور حوا کے بچے آپس میں بہن بھائی تھے اور ان سب نے آپس میں شادیاں بھی کی تھیں اور داخلی تولید بھی کی تھی۔ چونکہ یہ خدا کا بنایا ہوا پہلا انسانی جوڑا تھا تو ظاہر سی بات ہے تب خدا نے داخلی تولید کی حوصلہ افزائی کی ہو گی۔ اگر آپ یہ کہیں گے خدا کو بعد میں پتہ چلا کہ داخلی تولید نوع

کی جہد البقا کے لئے خطرناک ہے تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کا خدا بالکل بھی ذہین نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اس بات کا پتہ انسانی جینوم کو دیکھ کر آرام سے لگا سکتا تھا (جو کہ مبینہ طور پر اُسی نے تخلیق کیا ہے) کہ جب بھائی بہن مل کر بچے پیدا کرتے ہیں تو کیا ہوتا ہے۔ میں حیران ہوں کہ خدا نے انسانوں کے دو جوڑے کیوں نہیں بنائے؟ تاکہ یہ سارے مسائل ہی نہ ہوتے۔ شاید خدا دور اندیش نہیں ہے! چلو اگر خدا کسی بھی وجہ سے دو جوڑے نہیں بنانا چاہتا تھا تو کوئی بات نہیں لیکن پھر اُس نے داخلی تولید کے ساتھ اتنے جینیاتی مسائل کیوں منسلک کر دیئے؟ ایک دفعہ پھر ایسا لگتا ہے کہ خدا یا تو دور اندیش نہیں ہے یا تمام علم نہیں رکھتا۔

میں حرام کاری کی وکالت نہیں کر رہا صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اسے برا صرف جینیاتی مسائل کی بنا پر سمجھا جاتا ہے۔ ہندوستان میں "گیر" نامی شیر موجود ہیں۔ جن کی نسل صرف داخلی تولید کی وجہ سے ختم ہو رہی ہے اور ایک سائنسدان کے مطابق "تسمانیہ ڈیول فیشل ٹیومر" بھی جزوی طور پر داخلی تولید کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اگر جینیاتی فرق ضروری نہ ہوتا تو داخلی تولید قابلِ قبول ہوتی، تو اگر ہم اپنے مُتصل گھر والوں کے ساتھ جماع نہیں کرتے تو اُس کی وجہ سائنس ہے، اخلاقیات نہیں ہے۔ مسلمان اپنے کزنز کے ساتھ شادی کرنا اور بچے پیدا کرنا مناسب سمجھتے ہیں جبکہ مغرب میں لوگ اس چیز کو غضب ناک اور قابلِ نفرت سمجھتے ہیں۔ اگر ہمیں داخلی تولید میں مسائل نظر نہ آتے تو جیسے مسلمانوں میں کزن سے شادی کرنا قابلِ قبول ہے یہ بھی ہمارے معاشرے میں قابلِ قبول ہوتا۔

میں نے اپنے دوست سے پوچھا کہ کیا صرف مذہب کی وجہ سے وہ اپنی بہنوں اور بیٹیوں کے ساتھ مباشرت کرنے کے بارے میں نہیں سوچتا اور اپنی دلیل کے جال میں خود ہی پھنس کر اس نے کہا "ہاں"! اُس کی ماں، بہنوں اور بیٹیوں کی خاطر میں امید کرتا ہوں کہ وہ کبھی مذہب نہ چھوڑے۔ یا پھر وہ یہ سمجھ جائے کہ داخلی تولید خطرناک ہے اس لئے نہیں کہ اُس کے خدا نے بتایا ہے بلکہ اس لئے کیونکہ ہمارے پاس موجود سائنسی علوم سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔ مختصراً نوع کے لئے کیا اچھا ہے اور کیا برا یہ جاننے کے لئے آپکو کسی ایسی پرانی دینی کتاب کی ضرورت نہیں ہے جس میں پریوں کی کہانیاں، پروں والے گھوڑوں کے قصے، پانی پر چلتے ہوئے آدمی اور پانی کو شراب میں بدل دینے والے آدمی کی کہانیاں بھری پڑی ہوں۔ اس کے بجائے سائنسی معلومات کے ذریعے آپ جان سکتے ہیں اور سیکھ سکتے ہیں کہ زمین چھ ہزار سال پہلے تخلیق نہیں کی گئی تھی اور داخلی تولید کرنا کیوں صحیح نہیں ہے۔ بنی نوع انسان نے بڑا لمبا سفر طے کیا ہے، جیسے کہ پہلے چند میلوں کا سفر کئی دنوں تک پیدل چل کر طے کیا جاتا تھا اور اب ہزاروں میل دور کا سفر چند گھنٹوں میں اُڑ کر طے کر لیا جاتا ہے۔ یہ سب ہم نے بھوتوں اور فرشتوں کی کہانیوں کی وجہ سے نہیں بلکہ انسانی تیز فہمی اور قوتِ تخلیق کی وجہ سے حاصل کیا ہے۔

یہ صرف ایک چھوٹی سی مثال تھی جس میں آپ نے دیکھا کہ کس طرح بے ایمانی سے ایک اخلاقی رویے کا سہرا مذہب کو چلا جاتا ہے۔ ایسی اور بے شمار اخلاقی اقدار کی مثالیں موجود ہیں۔ جن کا سہرا مذہب نے اپنے سر پر لیا ہوا ہے۔ جیسے کہ خدا نے چوری، زیادتی اور قتل سے منع کیا ہے۔ کیا مذہبی لوگوں کو واقعی لگتا ہے کہ اگر آسمان میں کوئی خیالی پولیس والا نہ ہوتا تو ساری دنیا قتل و غارت، زیادتی اور لوٹ مار کر رہی ہوتی؟ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارے پاس ایسے معاشرے موجود ہیں جن کا مذہبی رجحان کم ہے لیکن پھر بھی وہ کسی خوف یا تشدد کے بغیر اخلاقیات کے پابند ہیں اور اُن معاشروں میں جرائم کی شرح مذہبی معاشروں کی نسبت کم ہے۔ مصنف گریگوری سینٹ پال نے اپنے جرنل "مذہب اور معاشرہ" میں اٹھارہ کامیاب جمہوریتوں کا موازنہ کیا تو اُنہیں پتا چلا کہ عقیدت پسند معاشروں میں جرائم کی شرح، کم مذہبی معاشروں سے زیادہ

ہے۔اس فہرست میں سب سے اوپر جاپان ہے۔ جہاں کی ۷۰٪ آبادی نظریہ ارتقاء میں یقین رکھتی ہے اور صرف ۱۰٪ آبادی کسی قسم کے خدا میں یقین رکھتی ہے۔ جاپان کا بنیادی مذہب بُدھ مَت ہے۔ لیکن وِن گیلپ کے ۲۰۱۷ کے جائزے کے مطابق جاپان میں صرف ۱۳٪ لوگ مذہبی ہیں۔ اعداد و شمار کے مطابق جاپان کا شمار دنیا کے اُن ممالک میں ہوتا ہے جن میں جرائم کی شرح کم "ترین" ہے۔ اس فہرست میں آگے ناروے، برطانیہ، جرمنی اور ڈینمارک شامل ہیں۔ جہاں ۶۰٪ آبادی نظریہ ارتقاء میں یقین رکھتی ہے جبکہ ایک تہائی سے بھی کم آبادی مذہبی ہے۔ ان ممالک میں قتل کی شرح اتنی کم ہے کہ سالانہ ایک لاکھ لوگوں میں سے ۱-۲ ہے۔ میں اس بات کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتا کہ میرا ملکِ پیدائش پاکستان اپنے قتل وغارت، زیادتی اور خود کش حملوں کے اندھا دھند اعداد و شمار کی وجہ سے اس فہرست میں کتنا نیچے ہوگا۔ دوسری جانب دنیا کی سب سے طاقتور قوم، ریاست ہائے متحدہ امریکہ ہے۔ جہاں ۵۰٪ فیصد لوگ خدا میں یقین رکھتے ہیں اور ۴۰٪ سے کم لوگ نظریہ ارتقاء کو مانتے ہیں۔ صرف مذہبی لوگوں کی برتری کی وجہ سے اس ملک میں خود کشی کی شرح جاپان سے دس اور اوپر بتائے ہوئے ممالک سے پانچ گُنا زیادہ ہے۔ رابرٹ پٹنم اور ڈیوڈ کیمپبل کی کتاب "امریکن گریس: ہاؤ ریلیجن ڈِوائڈز اَس" کے مطابق امریکہ میں ۸۳٪ لوگ کسی نا کسی قسم کے خدا میں یقین رکھتے ہیں۔ ۶۰ سے ۷۰٪ لوگ عیسائی ہیں جبکہ ۱۵٪ لوگ کسی بھی مذہب سے تعلق نہیں رکھتے۔ یعنی امریکی ریاست اور وفاقی جیلوں میں موجود ۷۵٪ قیدی عیسائی ہیں۔ لیکن ۱۵٪ ملحدین میں سے صرف ۰.۲٪ ہی قیدی کیوں ہیں؟ پورے ۱۵٪ ملحدین ہی وہاں قیدی کیوں نہیں ہیں؟ اس کا مطلب ہے کہ مذہبی لوگوں میں جرم کی شرح غیر مذہبی لوگوں سے دوگنی ہے۔ میں یہ نہیں کہنا چاہتا کہ امریکی جیلوں میں موجود قیدیوں نے وہ تمام جرائم مذہبی عقائد کی وجہ سے کیے بلکہ صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپکا مذہبی عقیدہ آپکو کسی بھی غلط کام سے روک نہیں سکتا۔ یہ خوف کہ کوئی خدائی مخلوق آسمان سے آپکو دیکھ رہی ہے آپکو کسی بھی غلط کام کو سرانجام دینے سے روکتا نہیں ہے۔

بلک بہت دفعہ مذہب کی وجہ سے لوگ بہت ہی خوفناک کام کر جاتے ہیں۔ اسلامی دنیا میں مذہبی اختلافات کی وجہ سے سیاسی اختلافات پروان چڑھتے ہیں۔ بلک بہت دفعہ مذہب کی وجہ سے لوگ بہت ہی خوفناک کام کر جاتے ہیں۔ اسلامی دنیا میں مذہبی اختلافات کی وجہ سے سیاسی اختلافات پروان چڑھتے ہیں۔ مسلمان عیسائیوں کا طرزِ زندگی پسند نہیں کرتے۔ سُنی شیوں کے مقابلے اپنا اندازِ اسلام پسند کرتے ہیں۔ تمام سیاسی اختلافات مذہب کی وجہ سے نہیں ہوتے لیکن پھر بھی پوری دنیا میں مذہب سیاسی اختلافات کی ایک بنیادی وجہ ہے۔ سعودی عرب جیسے ممالک کو ابھی بہت وقت چاہیئے کہ انہیں ایک "معاشرہ" کہا جاسکے۔ خوف اور غنڈہ گردی کا استعمال کر کہ (جیسے کہ لوگوں کے ہاتھ کاٹ دینا اور سر قلم کر دینا) آپ جرائم میں کمی لا سکتے ہیں لیکن ایک پُرامن معاشرہ قائم نہیں کر سکتے ایسا معاشرہ جس میں میں رہنا چاہوں۔ جس کو بھی ایسا لگتا ہے کہ سعودی عرب جیسے ممالک بہت کامل ہیں اپنے کم مذہبی اور معیوب معاشرے کو چھوڑے اور سعودی عرب جا کہ رہنا شروع کر دے۔

یہ دلیل کہ مذہب اس لئے ضروری ہے کہ یہ لوگوں کو برائی سے روکتا ہے اس وقت ناکام ہو جاتی ہے جب مذہبی لوگ غلط کام کرتے ہیں۔ چلو اگر اس دلیل کو سچ مان بھی لیں کہ مذہب واقعی امن کو فروغ دیتا ہے تو اوپر بتائے گئے اعداد و شمار کے مطابق تو ایسا کچھ نہیں ہو رہا۔ مذہب اپنی بات پر پورا نہیں اتر رہا اور کوئی بھی چیز جب اپنی بات پر پوری نہیں اترتی تو ہم اُس کے ساتھ کیا کرتے ہیں؟ ہم اُس کو ہٹا کر اُس کی جگہ کوئی بہتر اور پُر اثر چیز لے آتے ہیں۔ یہ واضح ہے کہ مذہب سے جرائم میں کمی نہیں آرہی، جبکہ الحاد سے آرہی ہے۔ میں نے اسی لئے "کم" کا لفظ استعمال کیا ہے کیونکہ کوئی بھی ملحد یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اگر تمام معاشرے مکمل طور پر ملحدین ہو جائیں تو جرم کی

شرح صفر ہو جائے گی لیکن اوپر دیے گئے اعداد و شمار کے مطابق میں بڑے آرام سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ جرم کی شرح اب سے کم ضرور ہو جائے گی۔ کیا آپ ایک ایسی دنیا کا تصور کر سکتے ہیں جس میں جرم کی شرح پہلے سے آدھی ہو؟

میں کبھی بھی اس دلیل کو سنجیدگی سے نہیں لیتا کہ مذہب سے ہماری زندگیوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا اس لئے لوگ جس چیز پر بھی یقین رکھتے ہیں اُنہیں رکھنے دینا چاہئیے۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ ہمیں لوگوں کے سروں پر بندوق تان کر اُنہیں یہ کہنا چاہئیے کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ دیں۔ حالانکہ مذاہب میں ایسا ہی کیا جاتا ہے، میں بس اس معلومات کو جتنا ہو سکے اُتنے لوگوں کے تک پہنچانے کو اپنی اخلاقی زمہ داری سمجھتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ ہم عنقریب آسمان میں موجود اس بیکار، نااہل پولیس آفیسر کو نکال سکتے ہیں۔

مذہبی حمایتی اس بات کا بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ مذہب اس لئے ضروری ہے کیونکہ یہ لوگوں کو دریادل بناتا ہے۔ میں دنیا میں کیے جانے والے عظیم خیراتی کام جو بہت سارے انسان دوست کر رہے ہیں ان سے انکاری نہیں ہوں، لیکن مجھے اس بات پہ اعتراض ہے کہ خدمتِ خلق صرف مذہبی لوگوں تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ اگر آپ کوئی اچھا کام صرف یہ سوچ کہ کرتے ہیں کہ آپ کو آخرت میں اس کا انعام ملے گا تو یہ کوئی قابلِ تعریف بات نہیں ہے۔ خیرات ایک اور وہ چیز ہے جس پر مذہب نے قبضہ کیا ہوا ہے۔ دنیا میں اب تک سب سے زیادہ ۲۸ ارب ڈالرز کا چندہ بل گیٹس نامی شخص نے اپنے خیراتی ادارے کے ذریعے دیا ہے جو کہ ایک ملحد ہے۔ دوسرا سب سے بڑا دوستِ خلق وارن بوفے ہے جس نے تقریباً ۲ ارب ڈالرز کا چندہ دیا ہے اور وہ بھی ایک ملحد ہے۔ میں یہ دعویٰ نہیں کر رہا کہ الحاد آپ کو زیادہ انسان دوست بنا دیتا ہے، لیکن اوپر بتائی گئی دونوں مثالوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خیرات صرف مذہبی لوگوں تک محدود نہیں ہے۔ بہت سارے ارب پتی جو کہ نامی گرامی انسان دوست ہیں آخر کار اپنے آباؤاجداد کے خیالات کی تقلید کرتے ہیں، جیسے کہ اگر اُن کا گھرانہ عیسائی تھا تو وہ بھی عیسائی ہی رہتے ہیں۔ لیکن اگر کل کو دنیا سے مذہب کا خاتمہ بھی ہو جائے تو بھی خدمتِ خلق ختم نہیں ہو گی بلکہ اُس پر کوئی اثر بھی نہیں پڑے گا۔

اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ مذہبی لوگوں کو مذہب کتنی تسکین بخشتا ہے۔ سوچیں جب ایک ہرن کا بچہ جنگل میں پیدا ہوتا ہے تو اپنی پیدائش کے پہلے لمحے سے جب وہ بھاگنا شروع کرتا ہے وہ کتنا پُر امید ہوتا ہو گا۔ اُس ہرن کے لئے زندہ رہنے کی جدوجہد تب سے شروع ہو جاتی ہے جب وہ اپنی ماں کے پیٹ میں آیا تھا۔ کسی ہرن کو یہ بتایا نہیں جاتا کہ اگر تم خدا پر یقین رکھو گے تو تمہیں ایک بہتر زندگی ملے گی۔ اگر کسی چیتے نے اُسے دیکھ لیا تو کسی بھی لمحے اُس کی زندگی ختم ہو سکتی ہے۔ تو انسان میں ایسی کیا خاصیت ہے کہ اسے تسکین اور امید کی ضرورت ہے؟ پروفیسر رچرڈ ڈاکنز کہتے ہیں کہ: "انسانوں کی کائنات سے کوئی امید واجب نہیں ہے!" میری والدہ بھی یہی کہتی ہیں کہ یہ احساس اُنہیں اچھا لگتا ہے کہ خدا انہیں دیکھ رہا ہے اور دکھ اور تکلیف میں اُن کا حامی و ناصر ہے۔ وہ اس بات میں بھی یقین رکھتی ہیں کہ جب یہ زندگی ختم ہو جائے گی تو وہ جنت میں جائیں گی اور پھر وہاں ہمیشہ خوشی خوشی رہیں گی۔ قدرتی طور پر ہمیں 'تسلی بخش' کہانیاں اچھی لگتی ہیں جن سے ہماری حوصلہ افزائی ہوتی ہو۔ جیسے کہ ایکیلز (Achilles) کی کہانی نے عظیم الیگزینڈر کو جنگجو بننے کے لئے متاثر کیا۔ لیکن جیسے ایکیلز کا تاثر جنگجو بننے کے لئے الیگزینڈر کے کام آیا میرا نہیں خیال کہ یہ اُن سب لوگوں کے بھی اُتنا ہی کام آیا جنہیں اُس نے جنگوں میں مار گرایا۔ اسی طرح اللہ پر ایمان کی وجہ سے اُسامہ بن لادن نے کچھ لوگ تیار کیے اور ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر جہاز گرا

دیئے، اب ایک آدمی کے اپنے تصوراتی دوست پر عقیدے نے اُس سے جو کام کروایا اُس سے اُس کو تو شاید تسلی ملی ہو گی، لیکن اُن معصوم لوگوں کا کیا بھلا ہوا جو اُس حادثے میں مارے گئے ؟ بھرتی ہوئی امید اور تشویق اچھی ہوتی ہے۔۔۔۔ لیکن تب نہیں جب لوگ اسے کسی بھیانک کام کا جواز بنا کر پیش کرتے ہیں۔

یہ صاف ظاہر ہے کہ امید کا خیال انسانوں کے لئے بڑا منفرد ہے، تو جو باقی اور لاکھوں نوع اس سیارے پر موجود ہیں وہ اس کے بارے میں کیوں نہیں جانتے؟ آپ کہہ سکتے ہیں کیونکہ وہ سوچ نہیں سکتے، اس لئے اُنہیں تسکین کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن کیا ایک بھالو کی ماں اپنے بچے کو بچانے کے لیے آخری حد تک نہیں جاتی؟ کیا شیرنیاں صرف اپنے بچوں کی جان بچانے کے لیے اپنا غرور چھوڑ کر بھوکی نہیں رہتیں؟ انسان منفرد ہے کیونکہ وہ موت کو دیکھ سکتا ہے اور اس خوف سے بچنے کے لئے اُس نے حیاتِ مابعد بنائی ہوئی ہے۔ اس یقین سے کچھ لوگوں کو ایک قسم کی راحت اور موت سے لڑنے کا راستہ ملتا ہے۔ میں ہر کسی کی بات نہیں کر رہا لیکن مذہبی لوگوں کو بھی مرنے سے ڈر لگتا ہے۔ ایک مزاحیہ لیکن آنکھیں کھولنے والی ڈاکومینٹری فلم "Religulous" میں امریکی مزاح نگار بل مہر ایک عقیدت مند سے پوچھتا ہے کہ اگر حیاتِ مابعد اتنی ہی خوبصورت ہے تو وہ خودکشی کر کہ وہاں کیوں نہیں چلا جاتا؟ ظاہر سی بات ہے اُس شخص کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا، لیکن یہ ایک بہت ہی سادہ اور آسانی سے سمجھ میں آنے والا سوال تھا۔ اگر میں جانتا ہوں کہ کسی جگہ جا کر میں ایک اچھی زندگی گزاروں گا تو کیا مجھے وہاں جانے کی جلدی نہیں ہو گی؟ جب میں پاکستان میں تھا تو میں ہمیشہ کسی مغربی ملک میں جا کر زندگی گزارنا چاہتا تھا۔ میں نے امریکہ میں ویزا کے لئے درخواست دی لیکن بدقسمتی سے ۹/۱۱ کے دہشت گرد حملے کی وجہ سے ایک نوجوان مسلمان کا امریکی ریاست میں داخلہ مشکل تھا۔ پھر میں نے اسٹریلیا میں ویزا کی درخواست دی، آسٹریلیا نے میرا داخلہ قبول کر لیا اور مجھے یہاں آکر کبھی پچھتاوا نہیں ہوا۔ میں نے مغربی ملک میں آنے کے خواب دیکھے اور دن رات محنت کی، آخر کار میں کسی ایک میں آ گیا۔ تو ایک مذہبی انسان جو یہ سوچتا ہے کہ زندگی جنت میں بہت حسین ہو گی، اُسے وہاں جانے کی جلدی کیوں نہیں ہے؟ میں نے یہ سوال اپنی ماں اور ہر مذہبی انسان سے پوچھا جسے میں جانتا ہوں لیکن کسی کے پاس بھی کوئی واضح منطقی جواب نہیں تھا۔

تو اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ مذہبی لوگ مرنے سے ڈرتے ہیں اور جنت میں جانے کے کوئی خاص شوقین نہیں ہیں۔ اگر اُنہیں لگتا کہ زندگی وہاں بہتر ہے، تو اُنہیں جنت میں جانے کی جلدی ہوتی (یہ بات اُن معصوم مسلمان نوجوانوں کو سکھائی پڑھائی جاتی ہے جو اپنے آپ کو خدا کے نام پہ بم سے اُڑا دیتے ہیں۔ لیکن زیادہ تر مسلمان اس بات کو نہیں مانتے)۔ اس بات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کہ مذہبی لوگ واقعی حیاتِ مابعد میں یقین رکھتے ہیں، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر مذہبی دنیا میں بڑے پیمانے پر خودکشی کیوں نہیں کی جاتی، اس کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں:

۱: انہیں زمین پر اپنی یہ زندگی اتنی پسند ہے کہ وہ اسے ختم نہیں کرنا چاہتے، اس لئے وہ یقین رکھتے ہیں کہ یہ کسی اور شکل میں ان کے مرنے کے بعد بھی جاری رہے گی۔ یہ جنت کا تصور ہے۔

۲: انہیں لگتا ہے کہ انہوں نے اپنی زندگیاں اپنی کتاب کی ہدایات کے مطابق نہیں گزاریں ہیں۔ یہاں جہنم کا تصور ہے۔

دونوں امکانات کو ذہن میں رکھتے ہوئے، میرے لئے اسے "سکون" کہنا بڑا مشکل ہے۔ پہلے امکان سے تو یہ لگتا ہے کہ ان لوگوں کو اپنا ذہنی معائنہ کروانے کی ضرورت ہے کیونکہ انہوں نے زمین پر اپنی زندگی کی حفاظت کے لئے ایک فریب تخلیق کیا ہوا ہے۔ تصوریت میں کوئی برائی نہیں لیکن اگر وہ ہمیشہ تصور ہی رہے اور حقیقت سے اُس کا کوئی ملاپ ہی نہ ہو تو یہ غلط ہے۔ جب میں نے اپنے لڑکپن میں جراسک پارک فلم دیکھی تو وہ مجھے بہت اچھی لگی اور میں یہ سوچنے لگا کہ شاید اس دنیا میں کوئی ایسی جگہ ہو گی جہاں ڈائناسور ابھی بھی رہتے ہونگے۔ مجھے یہ خیال اتنا پسند تھا کہ میں نے ایک تصوراتی دنیا بنالی جہاں مجھے لگتا تھا کہ بڑے بڑے ٹی ریکس میرا پیچھا کر رہے ہیں اور میں اپنی جان بچانے کے لئے بھاگ رہا ہوں۔ اس وقت یہ کتاب لکھتے ہوئے میں ۳۴ برس کا ہوں اور میں آج بھی یہ کھیل اپنی بیوی کے ساتھ کھیلتا ہوں۔ میں اُسے کہتا ہوں کہ جلدی جلدی بھاگ کر گاڑی میں بیٹھ جاؤ! ایک ٹی ریکس ہمارا پیچھا کر رہا ہے! اُس کا ردعمل بڑا مزاحیہ ہوتا ہے جس طرح وہ بھاگتے ہوئے، چلاتے ہوئے گاڑی میں جا کر بیٹھ جاتی ہے اور میں گاڑی بھگاتا ہوں۔ ٹی ریکس ہی کیوں کسی دوسری دنیا سے آئی ہوئی کوئی خلائی مخلوق ہمارا پیچھا کیوں نہیں کرتی؟ ظاہر سی بات ہے کیونکہ اس کا لینا دینا ڈائنا سور کے ساتھ میری دلچسپی سے ہے۔ جب میں نے صحیح طریقے سے سوچنا شروع کیا تو مجھے سمجھ آ گیا کہ ایسی کوئی دنیا نہیں ہے جس میں کوئی ٹی ریکس ابھی بھی گھوم رہا ہو گا اور سڑکوں پر گاڑی والوں کو ڈرا رہا ہو گا۔ تو اُن بالغ افراد کا کیا جو واقعی اُس دنیا میں یقین رکھتے ہیں جو اُنہوں نے اپنے ذہن میں تخلیق کی ہوئی ہوتی ہیں؟ کیا وہ بڑے ہو کر اپنے اُس تصوراتی دوست کے خیال سے باہر نہیں آئے؟

ظاہر سی بات ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہی نہیں ہیں کہ یہ ایک تصوراتی دنیا ہے، جیسے مجھے لگتا تھا کہ میری ڈائناسور کی دنیا خیالی نہیں ہے۔ سادہ سی بات یہ ہے کہ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ جنت ہے، لیکن ممکنہ طور پر کوئی جنت نہیں ہے، جیسے کہ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ شاید کوئی ٹی ریکس زمین کے کسی غیر دریافت شدہ خطے میں موجود ہوں۔ اس حساب سے میں پہلے والے امکان کو سکون نہیں ذہنی پریشانی کہوں گا اور اگر آپ اس چیز کا شکار ہیں تو جتنا جلدی ہو سکے اُتنا جلدی کسی قریبی ماہرِ نفسیات سے رجوع کریں۔ میں دنیا بھر کے ماہرینِ نفسیات سے بہت سارے "شکرانے" کے خطوط کی امید رکھتا ہوں، لیکن اس بات کا انحصار اس چیز پر ہے کہ آپ میں سے کتنے لوگوں نے واقعی میرے پیغام کو سنجیدگی سے سمجھا۔

دوسرا امکان تو سکون سے بھی آگے ہے۔ ایک بچے کو یہ بتایا جاتا ہے اگر آپ 'الف' کا انتخاب کریں گے، تو آپ جنت میں جائیں گے، لیکن اگر آپ 'ب' کا انتخاب کریں گے تو آپ جہنم میں جائیں گے۔ اگر یہ اتنا ہی آسان ہوتا تو بھی پریشانی کی کوئی بات نہیں تھی، لیکن چونکہ مذہب بہت سارے ساز و سامان کے ساتھ آتا ہے تو اس چیز کے بارے میں پریشان ہوئے بغیر زندہ رہنا بہت مشکل ہے۔ مثال کے طور پر تمام ابراہیمی مذاہب میں اگر آپ خدا پر یقین نہیں رکھتے، تو آپ جہنم میں جائیں گے۔ اسلام میں اگر آپ شراب پیتے ہیں، ہم جنس پرست ہیں، یا حرام چیزیں کھاتے ہیں، تو آپ جہنم میں جائیں گے اور شادی کیے بغیر جنسی تعلقات قائم کرنا بھی جہنم میں داخل ہونے کا فوری پاسپورٹ ہے۔ حالانکہ آپ جنسی تعلقات قائم کرنے کے لئے غلام یا باندھیاں رکھ سکتے ہیں۔ ہمارے ہاں بہت سارے ایسے لوگ ہیں جو یہ سارے کام کرتے ہیں اور اس خیال سے بہت پریشان رہتے ہیں کہ وہ جہنم میں جائیں گے۔ اور اگر وہ نہیں جاتے تو شاید وہ اپنے مذہب پر اتنی سنجیدگی سے یقین نہیں رکھتے۔

میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ میں ایک مسلمان کی طرح بڑا کیا گیا، جب پہلی دفع میرے ذہن میں اسلامی کہانیوں پر سوال اٹھنا شروع ہوئے تو جہنم کی آگ کے خوف سے میں نے اُن خیالات کو روک لیا۔ رچرڈ ڈاکنز اس چیز کو بچوں کے ساتھ زیادتی کے مترادف سمجھتے ہیں اور جن جذبات اور خوف سے میں گزر رہا تھا مجھے لگتا ہے کہ وہ صحیح سمجھتے ہیں۔ یہ بات ابھی بھی مجھے خوف زدہ کر دیتی ہے کہ ایک مذہبی بچے کے دل پہ کیا گزرتی ہوگی جب وہ یہ سوچتا ہوگا کہ اگر اُس نے لیڈی گاگا یا کسی اور موسیقار کو سُنا تو اُسے ہمیشہ کے لئے جہنم کی آگ میں جلایا جائے گا۔ کون سا صحیح العقل دماغ اسے سکون کہے گا؟ یہ کچھ بھی ہو سکتا ہے لیکن سکون نہیں۔ لیکن کم شدت پسند معاشروں جیسے کہ پاکستان اور ترکی میں مسلمانوں نے اب اپنے مذہب کو اتنا بدل دیا ہے کہ موسیقی اور فن کو انہوں نے اپنی زندگی کا حصہ بنا لیا ہے۔ میں اس قسم کے مسلمانوں کے بارے میں آگے لکھوں گا، لیکن ہم اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ تقریباً ہر مذہبی بچہ اور بالغ انسان جہنم کی آگ سے سنگین خوف زدہ ہوتا ہے۔

اُس فیس بک پیج کے ذریعے جو میں (Ex-Muslim Atheist کے نام سے) چلاتا ہوں، میں بے شمار لوگوں سے ملا جو اپنے عقیدے پر بہت سارے سوال اٹھاتے ہیں، لیکن جہنم کی آگ کے خوف کی وجہ سے وہ مستقل ذہنی دباؤ کا شکار رہتے ہیں۔ ایک خاتون جن کو میں ایک فرضی نام 'ہوپ' دوں گا (کیونکہ وہ پہچانے جانے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتیں اور انتقامی کارروائی سے خوف زدہ ہیں) انہوں نے مجھ سے رابطہ کیا۔ جس مذہب کے بارے میں انہیں سکھایا پڑھایا گیا تھا اُسے اور عقلیت کو لے کر وہ بہت الجھن کا شکار تھیں۔ بچپن میں وہ جہنم کی آگ کو لے کر بیحد پریشان رہتی تھیں۔

یہ ان کے بھیجے ہوئے پیغامات میں سے ایک پیغام ہے:

"ہائے حارث اور تمام ایڈمن۔

جواب دینے کا شکریہ۔ میں جواب میں تاخیر کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ یہ ہفتہ جذباتی اور روحانی اعتبار سے میری زندگی کا سب سے مشکل ہفتہ رہا۔ میں کل بالکل بھی "ٹھیک" نہیں تھی۔ اسی لئے میں نے کل جواب نہیں دیا۔ تمھارے پیج کے لئے کچھ لکھنا مجھے اندر تک ہلا دیتا ہے۔

کافی ساری چیزیں اب سمجھ آ چکی ہیں، لیکن کافی ساری باتوں کو سمجھنا ابھی بھی مشکل ہے۔

تم سے بات کیے ہوئے دو دن ہو چکے ہیں اور میں اپنے جینے کی چاہ کھو چکی ہوں۔ درد بہت زیادہ ہے اور الجھن بہت بڑی ہے۔ کل میں اپنے معمول کے کام بھی نہیں کر سکی۔ آج میں فجر کے لیے اٹھی جیسے کہ ہمیشہ اٹھتی ہوں اور بجائے نماز پڑھنے کے میں پڑوسیوں کے گھر چلی گئی۔ شاید میں کچھ فرق محسوس کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

ہم سب موت کی طرف رواں دواں ہیں۔ شاید میرے دکھ کی سب سے پہلی وجہ علیحدگی کا خوف ہے۔ مجھے اپنی گھڑی کی ٹک ٹک پہلے سے زیادہ اونچی سنائی دیتی ہے۔ میری آنکھوں سے آنسوں سارا دن زار و قطار جاری رہتے ہیں اور رات میں کئی دفع میرا دم گھٹنے لگتا ہے اور میں جاگ جاتی ہوں۔ یہ ذہنی دباؤ میرے اعصاب پر ہو جاتا ہے۔

میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اب میں دکھ اور تکلیف میں تم لوگوں سے کوئی بات نہیں کروں گی کیونکہ میں تمھیں اور مزید ڈراما نہیں دینا چاہتی۔ تمھارے پاس میرے جیسے لوگوں کی مدد کرنے کے علاوہ اپنے بھی بہت کام ہوتے ہوں گے۔"

میں نے ان خاتون کے لئے ایک خاص ویڈیو بنائی جس سے اُسے اس غیر معقول المیہ سے نمٹنے میں مدد مل سکے۔ میں نے انہیں کچھ یوں جواب دیا:

"میں جانتا ہوں کہ ہوپ ڈری ہوئی اور اداس ہیں کیونکہ اُنہیں یہ بات ماننے میں دقت پیش آ رہی ہے کہ زندگی بس یہی ہے جو یہاں ہے۔ مذہبی حمایتی اکثر ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ اگر جنت اور جہنم نہ ہو تو زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہے۔ میں نے تب تک اس دعوے کو کبھی سنجیدگی سے نہیں لیا جب تک مجھے یہ احساس نہیں ہوا کہ یہ بات کچھ لوگوں کی زندگی پر کتنا گہرا اثر ڈالتی ہے۔

آخر کار ہم یہاں کیوں ہیں؟ ہم بغیر کسی اختیار کے ایک ملک، مذہب، اور نسل میں پیدا ہوئے ہیں۔ ہمیں نام بھی کسی اختیار کے ہمارے والدین کی طرف سے دیے گئے ہیں۔ پھر اگر ہم خوش نصیب ہیں تو ہم اسکول جاتے ہیں، بڑے ہو جاتے ہیں، بچے پیدا کرتے ہیں، بوڑھے ہو جاتے ہیں اور پھر مر جاتے ہیں۔ ہمم، یہ سب بہت ہی بیکار سی مشقت لگتا ہے، خاص طور پر تب جب ہم سے پوچھا بھی نہ گیا ہو۔ شاید ہم ملحدین کی زندگی کے بارے میں مذہبی لوگوں کا یہی نظریہ ہے۔

ایک چیز جو الحاد ہمیں سکھاتا ہے وہ عاجزی ہے۔ زرا ایک لمحے کے لئے سوچیں، یہ کائنات ہمارے لئے نہیں بنائی گئی۔ ہم کوئی خاص نہیں ہیں۔ ہم ایک سو عرب کہکشاؤں یا اُس سے بھی زیادہ میں سے کسی ایک کہکشاں کے مضافات میں ایک معمولی سے ستارے کے گرد ایک چھوٹے سے سیارے پر رہ رہے ہیں۔ اگر یہ خیال آپ کو عاجزی نہیں بخشتا تو مجھے نہیں معلوم کیا چیز بخشتی ہے۔

ہم مر جاتے ہیں۔۔۔ تو کیا ہوا؟ اوپر کوئی بھی بڑی مخلوق ہمیں نہیں دیکھ رہی۔۔ تو کیا ہوا؟ کیا ہوا اگر ہمیں ہمارے اچھے کاموں کا صلہ نہیں ملتا تو، اور کیا ہوا اگر کچھ لوگ برا کام کر کہ بھی بچ نکلتے ہیں تو؟

ہم کیوں ہر وقت خاص محسوس کرتے رہنا چاہتے ہیں؟ اُس زیبرا کے بارے میں سوچیں جو ایک دہشت بھری دنیا میں پیدا ہوتا ہے۔ جیسے ہی وہ اس خوبصورت سیارے پر پہلا قدم رکھتا ہے اُسے شیر اور چیتوں سے بچنے کے لئے بھاگنا پڑتا ہے۔ ان میں سے زیادہ تر اپنی پہلی سالگرہ سے بھی کھا لیے جاتے ہیں۔ وہ بھی اپنی مرضی کے خلاف پیدا ہوئے تھے۔ اُنہوں نے بھی اپنے نوع کا انتخاب خود نہیں کیا تھا، لیکن وہ جینا چاہتے تھے۔ بدقسمتی سے وہ اپنی مرضی کے خلاف مر جاتے ہیں اور اُنہیں کھا لیا جاتا ہے۔ کئی سو اور ہزاروں سال زیادہ تر انسانوں نے ایسی ہی زندگی گزاری ہے۔ میں بہت دلیری سے یہ کہتا ہوں کہ ہم بہت خوش نصیب ہیں کہ ہم اس دور اور وقت میں پیدا ہوئے، جہاں ہم امید رکھ سکتے ہیں کہ ہم ۷۰ یا ۸۰ سال تک جی سکتے ہیں، رشتوں، دوستی، اچھے کھانوں، سیاحت، موسیقی اور فن کا مزہ لے سکتے ہیں۔ کیا یہ سب جینے کے لئے کافی نہیں ہے؟

وہ تمام لوگ جو دکھی محسوس کرتے ہیں کیونکہ اُنہیں لگتا ہے کہ زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہے، اُنہیں یہ سوچنا چاہیئے کہ اگر آپ آسمان میں موجود خیالی دوستوں کو اپنی زندگی سے نکال دیتے ہیں، تو آخر کار آپ آزاد ہو جاتے ہیں۔ یہ ایسا ہے جیسے کہ ایک بچہ بڑا ہو جائے۔ اب آپ کو اپنے ماں باپ کا ہاتھ پکڑنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ آپ اس سب کو جانے دے کر باہر نکل کر اس وسیع دنیا کو آزادی سے دریافت کر سکتے ہیں۔ کم از کم آپ کے ماں باپ اصلی ہیں تو آپ کو اُنہیں نہیں بھولنا چاہیئے۔ لیکن یہ آسمان میں

موجود اُس خیالی باپ کے لئے نہیں کہا جا سکتا جو اپنے وجود کا کوئی ثبوت نہیں دیتا۔ اُس کے تصوراتی ہاتھ کو جانے دینا آپ کے لئے خوشی اور آزادی کا بہترین ذریعہ ہونا چاہیئے۔

ہاں ہم سب مر جائیں گے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ وہ تیس سال یا اس سے زیادہ جیے گا؟ سائنس بھی ہماری مدتِ حیات کو ۸۰ یا ۲۰۰ سال سے زیادہ نہیں بڑھا سکتی یا ہمیں لافانی نہیں بنا سکتی۔ ہمیشہ جیتے رہنا زندگی کا مقصد نہیں ہوتا۔ تو آپ کیوں اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جب آپ زمین پر مر جائیں گے تو آپ جنت میں چلے جائیں گے اور وہاں آپ ہمیشہ خوشی خوشی رہیں گے؟ آپ وہاں کیا کریں گے؟ اٹھیں گے، کھائیں گے، مباشرت کریں گے، سو جائیں گے، اور پھر دوبارہ عربوں سال تک یہی سب کچھ کرتے رہیں گے؟ مجھے تو یہ سب کچھ افسردہ سا لگتا ہے۔ جو بھی ہو یہ بات ایک دن بوڑھے ہو کر مر جانے سے زیادہ بے معنی اور بے مقصد ہے۔

ہمیں زندگی کا یہ خاص تحفہ قدرت کی طرف سے ملا ہے، اتفاق سے ملا ہے اور ہماری مرضی کے بغیر ملا ہے۔۔۔ لیکن بہر حال یہ ایک تحفہ ہے۔ ہم ہر روز صبح اٹھ کر کسی ایسے کام پر جا سکتے ہیں جس سے ہمیں مقصد ملتا ہو۔ آپ ڈاکٹر بن کر اذیت میں مبتلا لوگوں کا درد کم کرنے میں کی تک اُن کی مدد کر سکتے ہیں یا آپ انسان دوست بن کر اُن تکلیف میں مبتلا لوگوں کی مدد کر سکتے ہیں جن کے پاس وہ تمام آسائشات موجود نہیں ہوتیں جو ہمارے پاس ہوتیں ہیں لیکن ہم اُن کی قدر نہیں کرتے۔ آپ اپنی زندگی کا جو چاہے وہ مقصد متعین کر سکتے ہیں۔ اپنی زندگی کی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر آپ بیٹھے ہوئے ہیں! ذاتی طور پر مجھے بے انتہا خوشی اور اطمینان محسوس ہوتا ہے جب میں کسی ایک بھی بے گھر انسان کی ایک بر گریا ایک کمبل سے مدد کرتا ہوں۔ میں جب بھی کسی کی مدد کرتا ہوں مجھے کئی دنوں تک خوشی محسوس ہوتی رہتی ہے۔ میں یہ اس لئے کر رہا ہوں کیونکہ مجھے بہت اچھا لگتا ہے آپ جیسے لوگوں سے باتیں کرنا اور آپ کے مسائل سننا اور اپنی صلاحیتوں کے مطابق اُن کے بارے میں بات چیت کرنا۔

یہ پیج آپ کے جیسے لوگوں کے لئے ایک مددگار گروہ کی طرح ہے۔ آپ میں سے کچھ لوگ میری ذاتی فیس بک اکاؤنٹ میں بھی شامل ہیں تاکہ ہم اپنی زندگی کسی دوسری شکل وصورت میں ایک دوسرے کے ساتھ بانٹ سکیں۔ ہمارے پیج کو لکھنے کے لئے دوبارہ کبھی دوسری دفعہ مت سوچنا۔ ہمارے پاس تین ایڈمن ہیں جو اپنے وقت کا ایک بڑا حصہ اس پیج کو دیتے ہیں تاکہ ہم اپنے ساتھی ملحدین جو مشکل میں ہیں اُن سے بات کر سکیں۔ ہم سب کچھ نہیں کر سکتے، لیکن آپ جو کہنا چاہتے ہیں ہم وہ سن سکتے ہیں۔

ایک چیز بالکل یقینی ہے کہ سب سے بڑے ستارے سے لے کر سب سے چھوٹے ایٹم تک کچھ بھی ہمیشہ باقی نہیں رہتا۔ ایٹم عمومی طور پر کبھی مرتے نہیں لیکن اگر آنے والے کھربوں سالوں میں یہ کائنات ختم ہوگئی تو تو وہ بھی مر جائیں گے۔ ہمیں خاص ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں ہمیشہ زندہ رہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ خوشی، غصہ، اداسی، حسد یہ تمام جذبات ہمیشہ نہیں رہتے۔ کچھ لوگوں میں یہ جذبات زیادہ دیر تک قائم رہتے ہیں لیکن پھر بھی یہ ہمیشہ نہیں رہ سکتے۔ غصہ اور وہ چیزیں جو آپ کو دکھی کرتی ہیں اُن کو جانے دینا غیر جانبداری حاصل کرنے کی طرف پہلا قدم ہو سکتا ہے۔ ہم مختلف وجوہات کی بنا پر خوش ہو جاتے ہیں، لیکن وہ وجوہات بھی ختم ہو جاتی ہیں اور ہم پھر دوبارہ ذہن کی اُسی غیر جانبدار حالت میں چلے جاتے ہیں۔ ہم مختلف وجوہات کی وجہ سے دکھی ہو جاتے ہیں، جیسے کہ پیار یا دوستی میں ہار، مالی تناؤ، کام میں تنگی،

وغیرہ وغیرہ۔ آپ اُس وقت جتنا مرضی یہ سوچیں کہ اس دکھ کا کوئی علاج نہیں، لیکن میرا یقین کریں کہ ہوتا ہے۔ بس آپ کو لڑتے رہنا چاہئیے اور "ہار نہیں ماننی چاہئیے!"

اس ویڈیو کو بنانے اور اس کو ہوپ کو سرشار کرنے کے بعد ہم بہت اچھے دوست بن گئے اور اب وہ بالکل ٹھیک ہے۔ اب اُسے اپنی زندگی کو مقصد دینے کے لئے کسی خدا کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ وہ مختلف ممالک گھومی، نئے دوست بنائے اور اب اپنی زندگی سے مکمل طور پر لطف اندوز ہو رہی ہے۔

جب میری ماں نے مجھ سے یہ کہا کہ وہ اس بات کو سوچ کر بڑا پُرسکون محسوس کرتی ہیں کہ وہ ایک دن جنت میں جائیں گی، تو میں نے اُن سے کہا کہ آپ موویز دیکھتی ہیں، موسیقی سنتی ہیں اور ایسا نہیں سوچتی کہ ہم جنس پرستوں اور مرتدین کو مار دینا چاہئیے تو ممکنہ طور پر آپ جہنم میں جائیں گی۔ میں نے اُن کے چہرے کا رنگ خوف سے بدلتے ہوئے دیکھا اور اپنی سگی ماں کو اس طرح پریشان کر کے مجھے بہت برا لگا۔

جب میں اس عقیدے کی گرفت سے باہر آیا، تو میں اکثر یہ سوچ کر حیران ہوتا تھا کہ آخر یہ جنت اور جہنم کا تصور آیا کہاں سے ہو گا۔ مجھے یہ سمجھ آیا کہ جیسے ہم اپنے بچوں کو کسی چیز سے روکنے کے لئے خیالی جن بھوت یا سزاؤں سے ڈراتے دھمکاتے ہیں اور یہ سوچتے ہیں کہ وہ ہماری بات مان لیں گے اور اُس کام سے بعض آجائیں گے، یہ بالکل ویسا ہی ہے۔ جیسے کہ میری ماں مجھے کہا کرتی تھیں کہ جنگلی مرغ کی طرح مت بھاگو اور باہر مت جاؤ ورنہ اللہ میاں رات کو آئیں گے اور تمہارے پاؤں لے جائیں گے۔ میں ڈر جاتا تھا، لیکن بعد میں باہر بھی جاتا تھا، کھیلتا بھی تھا، اور ایسے بھاگتا تھا جیسے کبھی کل نہیں آئے گا۔ غرض کہ وہ سب کچھ کرتا تھا جو میرا دل چاہتا تھا۔ اسی طرح چھوٹے بچوں کو سکھایا جاتا ہے کہ اگر وہ خدا پر یقین نہیں رکھیں گے، تو وہ ہمیشہ جہنم کی آگ میں جلیں گے۔ یہ طنز آمیز بات ہے کہ میرے اور میری ماں کہ دھمکیوں کی طرح مذہبی لوگ بھی اپنے خدا کی دھمکیوں کو نظر انداز کر کے اپنے کام کرتے رہتے ہیں۔ ہر قسم کے جرائم اور گناہ کرتے رہتے ہیں۔ لیکن میرے برعکس یہ لوگ بڑے ہو کر بھی جنت اور جہنم کی آگ پر سچ میں یقین رکھتے ہیں۔ میں دوبارہ کہوں گا کہ یہ باتیں بمشکل ہی سکون کا باعث ہو سکتی ہیں۔ میں یہ بات مانتا ہوں کہ میرے معاملے میں مشاہدہ آسان تھا کیونکہ دونوں پاؤں کے ساتھ اٹھنا یہ معلوم کرنے سے زیادہ آسان ہے کہ مرنے کے بعد آپ کے ساتھ کیا ہوتا ہے، لیکن اُن عقلی تجربات کا کیا جو روزانہ ہماری زندگیوں میں ہوتے ہیں؟ جیسے کہ جب ہماری گاڑی خراب ہو جاتی ہے تو ہم یہ امید نہیں رکھتے کہ کوئی غیبی ہاتھ آئے گا اور اس کو ٹھیک کر دے گا، ہم اُسے مرمت کے لیے مستری کے پاس لے کر جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس قسم کے تجربات بھی لوگوں کو جادو اور فرشتوں پر ایمان کے اوپر سوال اٹھانے پر مجبور نہیں کرتے۔

اسلامی عقیدے کے مطابق گناہ گاروں کو دنیا اور آخرت دونوں میں سزا ملتی ہے، تو پھر بہت سارے بدکار لوگ بغیر دنیاوی سزا کے کیوں مر جاتے ہیں؟ ہمیں کیسے پتہ چلے گا کہ وہ جہنم میں جل رہے ہیں؟ ایک دفعہ میں Q&A کی ایک قسط دیکھ رہا تھا جس میں کارڈینل جارج پیل نے رچرڈ ڈاکنز کو کہا کہ مجھے یہ سوچ کر بڑی خوشی ہوتی ہے کہ ہٹلر اب جہنم میں جل رہا ہے۔ کارڈینل کو لگتا ہے چونکہ ہٹلر کو دنیا میں کوئی خاص سزا نہیں ملی تو یہ اُن پچاس عرب مظلوموں کے ساتھ ناانصافی ہے جنہیں اُس نے مارا۔ تو وہ اب ضرور جہنم میں جل رہا ہو گا۔ ظاہر ہے یہ سوچ کر بڑی خوشی ہوتی ہے کہ ہٹلر اور سٹالن ابھی بھی اُن جرائم کا خمیازہ بھگت رہے ہیں جو اُنہوں نے کوئی سات سے آٹھ دہائیوں پہلے کیے تھے، لیکن کیا ہمارا زمین سے کسی بھی قسم کے سکون کی امید رکھنا واقعی واجب ہے؟ کیونکہ یہ سوچ کر اچھا لگتا ہے کہ ہٹلر جہنم میں جل رہا ہے، تو کیا اس

بات سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ واقعی جل رہا ہے؟ اُس شیر کے بچے کا کیا جسے شیر پیدا ہونے کے فوراً بعد مار دیتا ہے؟ کیونکہ وہ چاہتا ہے کہ شیرنی صرف اُس کے پاس رہے۔ کیا وہ شیر چھوٹے شیروں کو مارنے کے جرم میں ہمیشہ کے لئے جہنم میں جلے گا؟ کیوں ہم انسان اپنے آپ کو اتنا خاص سمجھتے ہیں کہ ہمیں قدرتی ناانصافی کے ردعمل میں کسی قسم کی تسکین چاہیئے ہوتی ہے؟ یہ بڑی عجیب بات ہے! کیونکہ ہم یہ سیارہ لاکھوں دوسرے نوع کے ساتھ بانٹ رہے ہیں جنہیں اُس قدرتی ظلم وستم کے بدلے میں بھی کوئی تسلی یا تسکین نہیں ملتی جس پر قابو اُن کی دسترس سے باہر ہے۔ نہیں، مجھے نہیں لگتا کہ یہاں کوئی جہنم ہے۔

اب جنت کی بات کرتے ہیں، جہاں ہمارے لئے دودھ اور شراب کے دریا ہیں اور ہماری سپردگی میں بہتر کنواری لڑکیاں ہیں (اس بات کا ذکر کیے بغیر کہ جو خواتین جنت میں جائیں گی اُن کے لیے وہاں بھی صرف ایک ہی خاوند ہو گا)، جہاں ہم کبھی نہیں مریں گے اور ہمارے پاس وہ سب کچھ ہو گا جو ہم چاہتے ہیں۔ واہ کیا یہ ایک خوبصورت خواب نہیں لگتا؟ کوئی ثبوت ہے آپ کے پاس؟ ثبوت اس کا صفر ہے اور امکان صفر سے بھی زیادہ ہے۔ کیا آپ اپنی پوری زندگی ایک شدید ناممکن خواب کے پیچھے موسیقی نہ سن کر، فن سے لطف اندوز ہوئے بغیر یا خواتین کو اُن کے مساوی حقوق دیے بغیر ضائع کر دینا چاہتے ہیں؟ زمین کی تقریباً ۵۰٪ فیصد آبادی کو آپ اُس کے بنیادی حقوق سے محروم رکھنا چاہتے ہیں کیونکہ شاید جنت واقعی ہو۔ میں اپنی زندگی بالکل بھی اس ناممکن خواب کے اوپر ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ جنت اور جہنم کے امکان کی وجہ سے یہ سکھایا جاتا ہے کہ عقیدہ رکھنا نیکی ہے، لیکن بھلے آپ ان پر کتنا بھی اندھا یقین کرتے ہوں ان کی موجودگی پر سوال اٹھانا چاہیئے۔ مذہبی لوگوں کے ذہنوں کی اس مستقل جدوجہد کو بمشکل ہی سکون سمجھا جا سکتا ہے۔

آخر میں مجھے یہ بتایئے کہ کسی چیز میں کوئی عقیدہ چاہے کتنا ہی پُرسکون کیوں نہ ہو کیا اُس چیز کی حقیقت کو واضح کرتا ہے؟ جیسے کہ میرا یہ ماننا کہ ڈائناسور دنیا کے کسی غیر دریافت شدہ حصے میں موجود ہیں مجھے بہت خوشی اور راحت دیتا تھا لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ یہ حقیقت ہے۔ اسی طرح حیاتِ مابعد میں آپ کا ایمان آپ کو راحت دیتا ہے لیکن اس کا قطعی یہ مطلب نہیں کہ یہ سچ ہو۔

یہ تمام خیالات انسانی نسل کی ترقی کے لئے خطرناک ہیں۔ تمام تر "زمانہ جاہلیت" میں کیتھولک چرچ (عیسائی گرجاگر) ایک مضبوط تنظیم تھا۔ جس نے سائنس اور سائنسدانوں کو اپنے ذاتی اثاثوں کی طرح قبضے میں کیا ہوا تھا۔ اُن کا یہ ماننا تھا کہ زمین کائنات کے بیچوں بیچ ہے جس کی وجہ سے کیتھولک چرچ اور اس کے باشندوں کو زمین پر ایک خاص مقام ملتا ہے۔ یہ بات سوچ کر چرچ کو خوشی ملتی تھی کہ زمین کائنات کے مرکز میں ہے اور جتنی بھی چیزیں کائنات میں موجود ہیں وہ ہمارے اردگرد گھوم رہی ہیں۔ کتنا خوبصورت احساس ہے نا یہ کہ ہم اتنے خاص ہیں کہ کھربوں ستاروں کے ساتھ عربوں کہکشائیں صرف ہمارے لئے بنائی گئی ہیں؟ ایک اور دل کو بہلانے والا خیال یہ تھا کہ زمین ایک واحد سیارہ ہے جس پر زندگی پھل پھول سکتی ہے، مطلب ہم بہت ہی خاص ہیں۔ یہ خیال اتنا تسلی بخش تھا کہ جب ایک شاندار فلسفہ دان جورڈانو برونو نے یہ تجویز کیا کہ دنیا میں اور ستارے بھی موجود ہیں، جیسے کہ ہمارے پاس سورج ہے، اور کہیں زمین کے جیسے سیارے بھی موجود ہوں گے، تو اُسے اس بات پر زندہ جلا دیا گیا۔ وہ بالکل صحیح کہہ رہا تھا کیونکہ یکم جنوری ۲۰۱۸ کو دنیا میں ۳،۷۲۶ سیارے دریافت کیے جا چکے ہیں۔ پھر بعد میں جوہانس کاپرنیکس۔۔۔۔ اور گیلیلیو گیلیلی۔۔۔۔ نے اس بات کی بھی تصدیق کر دی کہ زمین کائنات کا مرکز نہیں ہے۔ کائنات کے راز دریافت کرنے پر چرچ نے ان تینوں شاندار آدمیوں کو بہت ستایا جس کی وجہ سے انسانی

ترقی کی شرح میں کمی واقعہ ہوئی۔ ہم جنس پرستوں میں امتیاز اور مانعیت حمل پر اعتراض کر کے چرچ آج بھی یہ کام کر رہا ہے۔ حالانکہ برونو کے وقت سے لے کر اب تک کیتھولک چرچ بڑا لمبا راستہ طے کر کے بہت آگے آ چکا ہے۔ اب اس نے سرکاری طور پر نظریہ ارتقاء کو قبول کر لیا ہے، لیکن اسلام کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا۔ تو کیا یہ تسلی بخش خیال کہ انسان اتنے خاص ہیں کہ کائنات کی ہر چیز ان کے ارد گرد گھومتی ہے، سچ ثابت ہوا؟ صاف ظاہر ہے کہ نہیں۔ سچ کڑوا ہوتا ہے لیکن سکون اور بے چینی کے درمیان امتیاز نہیں کرتا۔ سچ کسی ناچیز سی کہکشاں کے ناچیز سے حصے کے کسی چھوٹے سے سیارے پر رہنے والے ادنہ سے نوع کے کسی بھی تسلی بخش خیال سے بہت بڑا ہے۔ کیا انسانی معاشرہ ختم ہو گیا، جب اسے یہ پتہ چلا کہ اُس کا تسلی بخش خیال اصل میں ایک جھوٹ ہے؟ نہیں ایسا نہیں ہوا۔ تو جب یہ مذہبی لوگ یہ کہتے ہیں کہ "لوگوں کو مذہب کی ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ اس سے انہیں تسلی ملتی ہے" تو اس بات میں کتنی صداقت ہوتی ہے؟ میں ایک پیشین گوئی کرتا ہوں (جو کہ در حقیقت پیشین گوئی نہیں بلکہ تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے) کہ اگر ہم کسی ایسے تسلی بخش خیال کہ "کوئی خدا اوپر آسمان میں موجود ہے" کو بر طرف بھی کر دیں، تو نہ تو ہمارا معاشرہ درہم برہم ہو گا نہ ہی نوعِ انسانی ختم ہو گی۔

ایک بڑا ہی مشہور طبی مظہر ہے جسے "پلیسیبو اثر" کہا جاتا ہے۔ اُس کے مطابق اگر لوگوں کو یہ بتایا جائے کہ اُن کی تکلیف کا علاج کر دیا گیا ہے، تو وہ بہتر محسوس کرنے لگتے ہیں۔ اگر کینسر کے کسی مریض کو دوا دی جائے اور یہ کہا جائے کہ اُس کا کینسر ٹھیک ہو چکا ہے، تو وہ واقعی اچھا محسوس کرنے لگتا ہے اور اُسے لگتا ہے کہ واقعی اُس کے اندر سے کینسر ختم ہو چکا ہے۔ لیکن چونکہ مریض بہتر محسوس کر رہا ہے، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ کینسر واقعی ختم ہو چکا ہے۔ اسی طرح اگر ایسا لگتا ہے کہ مذہب سے لوگوں کو تسلی ملتی ہے تو ضروری نہیں کہ یہ حقیقت ہو، ایسا صرف اُنہیں محسوس ہوتا ہے۔ تو خدا اور حیاتِ مابعد میں یقین بہت ہی تسلی بخش چیز ہے اس بات کو حقیقت بنا کر پیش نہیں کیا جا سکتا۔

ڈاکٹر میچوں کاکو ایک بہترین طبیعیات دان ہیں، جن کی میں بہت عزت کرتا ہوں اور اُنہیں بہت سراہتا ہوں۔ وہ ایک مباحثے میں موجود تھے جس کا نام تھا "کیا کائنات کا کوئی مقصد ہے؟" اُنہوں نے اُس میں کہا کہ "خدا کا وجود ہے یا نہیں یہ ایک سائنسی سوال نہیں ہے۔" اس بات سے زیادہ اختلافِ رائے مجھے آج تک کسی اور بات سے نہیں ہوا؟ ڈاکٹر کاکو کا مزید کہنا تھا کہ "یہ بات پوچھنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ ہم آنے والے کئی سو سالوں تک اس سوال پر بحث کرتے رہیں گے۔" کیا انسان ہزاروں سال سے اس بات پر حیران ہوتے نہیں آرہے کہ وہ کہاں سے آئے ہیں؟ یا ہم اس بات پر آج تک حیران نہیں ہوتے کہ یہ کائنات کیسے بنی؟ اگر کسی چیز کا جواب ڈھونڈنا مشکل ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جواب ڈھونڈنا ہی بیکار ہے یا اُسے ڈھونڈنا ہی نہیں چاہیئے۔ اس کے برعکس ہم نے اب تک بہت سارے نامور خداؤں کو غلط ثابت کر دیا ہے۔ جس واحد چیز کو غلط ثابت کرنا مشکل ہے وہ ایک غیر واضح صوفیانہ خدا ہے، جس کے ہونے نہ ہونے سے ویسے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ اُسے اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ ہم اپنی زندگی کیسے گزارتے ہیں۔

ڈاکٹر کاکو نے مزید بات کرتے ہوئے کہا کہ "کچھ لوگوں کو لگتا ہے کہ ہمارے اندر اصل میں ایک "گاڈ جین" (خدائی نسبہ) ہے۔ ایک ایسا جین جو چاہتا ہے، کہ ہم کسی اعلیٰ طاقت میں یقین رکھیں۔" میں پہلے ہی ثابت کر چکا ہوں کہ ایسا ضروری نہیں کہ اگر آپ کسی چیز میں یقین رکھتے ہوں تو وہ سچ ہو۔ لیکن ہم یہ سوال کیوں پوچھ رہے ہیں؟

جب ہمارے اندر ایک جین موجود ہے جو ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم کسی اعلیٰ طاقت میں یقین رکھیں، تو ہم اس بات پر بحث ہی کیوں کر رہے ہیں کہ خدا کا وجود ہے یا نہیں؟ اگر ہمارے اندر ایسا کوئی جین موجود ہے تو ہمیں اسے سائنس کے ذریعے نکلوا دینا چاہئیے۔ جیسے کہ اب ہماری دم نہیں ہوتی کیونکہ اب ہمیں اُس کی ضرورت نہیں ہے، تو ہمیں اس بیکار جین سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے بھی کام کرنا چاہئیے۔

اس بات کی وضاحت کے بعد کے مذہب انسانی تہذیب کے لئے ضروری نہیں ہے، اب میں اس بات کی دلیل دوں گا کہ اس سے چھٹکارا حاصل کرنا کتنا ضروری ہے۔ مذہب آپ کی سوچ کو وسیع ہونے سے روکتا ہے۔ چونکہ مذہبی معاشرے بھی اب مستقل ترقی کر رہے ہیں تو ہمیں چاہئیے کہ ہم ان کے ارتقاء کی رفتار پر غور کریں اور اس کا موازنہ کم مذہبی معاشروں سے کریں۔ مذہب خصوصاً اسلام سوچ بدلنے پر حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ ذہن کے بدلنے کو بہت برا سمجھا جاتا ہے اس لئے سیاست دان، وکلاء اور عام لوگ اس بات کا دعویٰ کرنے کے لئے آخری حد تک چلے جاتے ہیں کہ وہ ابھی بھی اپنے ابتدائی نقطہ ء نظر پر قائم ودائم ہیں۔ اپنے عقائد پر قائم رہنا اچھی بات ہے لیکن آپ کو گفتگو کے لئے اپنا ذہن ہمیشہ کشادہ رکھنا چاہئیے۔ مثال کے طور پر اگر آپ سزائے موت کے حامی ہیں تو آپ کو اس کے فائدے اور نقصانات کے بارے میں بات چیت کرنے کے لئے بھی تیار ہونا چاہئیے۔ اور جب آپ کو کبھی کسی بہتر جوابی دلیل کا سامنا ہو تو آپ کو اپنا نقطہ ء نظر بدلنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرنی چاہئیے۔ مذہب اس بحث کو روک دیتا ہے اور آپ کو مجبور کرتا ہے کہ آپ اُن عقائد کے ساتھ چپکے رہیں جو اُس مذہب کے حساب سے صحیح ہیں اور اس طرح آپ کو ترقی کے خلاف لڑنے کے لئے مجبور کرتا ہے۔ جیسے کہ اسلام میں ہم جنس پرستی، خواتین کے ساتھ برابری اور زنا کو کبھی قبول نہیں کیا جا سکتا، لیکن مسلمان ممالک اب آہستہ آہستہ ان چیزوں کو قبول کرتے جا رہے ہیں۔ دو سو سال پہلے مسلمانوں کی دنیا میں کسی نے بھی کبھی غلامی کی مذمّت نہیں کی ہو گی کیونکہ اسلام نے اس کی اجازت دی ہوئی تھی۔ لیکن جن معاشروں نے غلامی سے نجات حاصل کی انہوں نے مسلمانوں کو بھی بدلنے پر مجبور کر دیا۔ حالانکہ ابھی بھی ترقی ہو رہی ہے، لیکن مذہب کے بغیر یہ اور تیزی سے ہوتی۔

میری بیوی کی والدہ ایلین ایک متقی کیتھولک اور ایک بہترین انسان تھیں۔ اُنہوں نے ایک اچھی اور صحت مند زندگی گزاری۔ وہ ایک مضبوط اور خود مختار خاتون تھیں۔ ایک محنتی نرس کی حیثیت سے کام کرتی تھیں۔ بیماروں کی دیکھ بھال کی اور چار بچے پیدا کیے جو بڑے ہو کر ایک اچھے اخلاقی شہری بنے۔ ۲۰۱۵ میں اُن میں ایک موٹر نیورون بیماری کی تشخیص ہوئی اور ڈاکٹر نے کہا کہ یہ زیادہ سے زیادہ دو سے تین سال زندہ رہیں گی۔ کچھ ہی مہینوں میں ایک صحت مند اور مضبوط انسان کو ہم نے اپنی آنکھوں کے سامنے ختم ہوتے ہوئے دیکھا۔ یہ اُن کے بچوں کے لئے خاص طور پر ایک مشکل وقت تھا کیونکہ وہ اپنی مضبوط اور خود مختار ماں کو اس طرح زندگی کے بنیادی کاموں کے لئے اُن پر انحصار کرتے ہوئے دیکھنے کے عادی نہیں تھے۔

ایلین یو تھنیزیا (Euthanasia) کے ذریعے ایک آزادانہ اور عزت دار طریقے سے مر جانا چاہتی تھیں۔ اس ملک میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو اپنے مذہبی نظریے دوسروں پر تھوپ دیتے ہیں۔ اس رضاکارانہ یو تھنیزیا تحریک کی راہ میں حائل ایک واحد رکاوٹ آسٹریلیا میں موجود منظم عیسائیت تھی۔ جس مذہب کی ایلین نے ساری زندگی اتنے پیار سے پیروی کی تھی آج وہی اُن کی آزادی اور ذاتی انتخاب کی راہ میں کھڑا تھا۔

وکٹورین وزیر اعظم اور ایک متقی رومانی کیتھولک، ڈینئیل اینڈریوز، رضاکارانہ یوتھنیزیا تحریک کے ایک زبردست تجزیہ نگار تھے۔ چونکہ وہ ایک رومانی کیتھولک تھے اس لئے مضبوط دلائل اور وجوہات ہونے کے باوجود رضاکارانہ یوتھنیزیا کے تنقید نگار تھے۔ اُن کا یہ نظریہ ایک ذاتی دردناک تجربے کے بعد بدل گیا۔ جب اُن کے والد ایک خاص قسم کے کینسر میں مبتلا ہو گئے اور اُس سے ایک لمبی دردناک جنگ کے بعد ۲۰۱۶ میں انتقال کر گئے۔ اپنے والد کو تکلیف میں دیکھ کر اُن کا یہ نظریہ بدل گیا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح مذہب آپ کو اچھے نتائج کے لئے اپنا ذہن بدلنے سے روکتا ہے۔ یہ کتنی ناجائز بات ہے کہ اگر ڈینئیل اینڈریوز کے والد نہ مرتے تو وہ ہمیشہ رضاکارانہ یوتھینیزیا کے ایک کٹر تنقید نگار ہی رہتے۔ رضاکارانہ یوتھینیزیا آسٹریلیا یہاں تک کہ پورے وکٹوریہ میں ابھی بھی غیر قانونی ہے۔ لیکن اب اس معاملے پر بحث شروع ہو چکی ہے اور مجھے امید ہے کہ انسانی معقولیت اور ذہانت ان کٹر عقائد پر فوقیت حاصل کر لے گی۔ مذہب کس طرح معاشرے پر قبضہ کرنا چاہتا ہے یہ سوچ کر میں چکرا جاتا ہوں۔ ٹھیک ہے اگر آپ اپنے مذہب کی وجہ سے یوتھنیزیا کے حامی نہیں ہیں تو مت رہیں۔ لیکن جن لوگوں کا آپ کے مذہب سے کوئی لینا دینا نہیں ہے اُن کے ساتھ زبردستی کیوں کی جاتی ہے؟ اگر میں کسی لاغر کر دینے والی بیماری میں مبتلا ہو جاؤں اور مجھے یہ کہا جائے کہ اگلے چھ ماہ میں شدید اذیت میں رہوں گا، تو کیوں مجھے اس بات کا حق نہیں کہ میں جیسے چاہوں ویسے اپنی زندگی کو ختم کر دوں؟ میرا اسلام اور عیسائیت سے کوئی لینا دینا نہیں ہے تو ان مذاہب کے اصول مجھ پر کیوں عائد ہوں؟

آپ کو لگ رہا ہو گا کہ اس بات کی طرف اشارہ کر کہ کہ "مذہبی معاشرے اور لوگ اب بدل رہے ہیں" میں اپنے ہی ایک بیان کی تردید کر رہا ہوں، لیکن میں اسے مذہب کی ایک اور ناکامی سمجھتا ہوں۔ جیسے کہ اگر محمد آج آ جائیں تو وہ مسلمانوں کی ہم جنس پرستوں، کافروں: خاص طور پر ملحدین کے ساتھ دوستی اور بے تعصب رویہ دیکھ کر، اور خواتین کو اپنی مرضی سے باہر جانے کی اجازت وغیرہ دیتے ہوئے دیکھ کر حیران رہ جائیں گے۔ اگر آپ سوچیں تو یہ اسلام کی ناکامی ہے کہ وہ مسلمانوں کو ساتویں صدی کی اسلامی دنیا کے حساب سے رکھنا چاہتا ہے۔ مذہب کی ہر ممکن کوشش کے باوجود، انسانی اخلاقیات ترقی کرتی رہتی ہے، لیکن اسلام نے ایک ضابطہ اخلاق دیا ہوا ہے اور وہ کہتا ہے کہ اسے توڑا نہ جائے۔ اگر اسلام، عیسائیت اور دوسرے مذاہب میں غلامی کی کھلی چھوٹ نہیں ہوتی، تو ہم اس سے بہت پہلے شاید احیائے ثانیہ (چودھویں سے سولھویں صدی تک کا زمانہ) میں ہی نجات پا چکے ہوتے۔ اگر اسلام میں یہ حکم نہیں ہوتا کہ عورتوں کو مردوں کے تابع ہونا چاہئیے، تو سعودی عرب میں عورتوں کو گاڑی چلانے کے لئے ۲۰۱۷ تک کا انتظار نہیں کرنا پڑتا۔ اگر ہم جنس پرستی کو ایک معیوب عمل نہ سمجھا جاتا، تو آسٹریلیا جیسا ایک ترقی پسند ملک مساوی شادی کی اجازت دینے کے لئے ۲۰۱۷ تک کا انتظار نا کرتا یا جیسے مسلمان ممالک کو ابھی بھی اس چیز کے لئے اگلے پچاس یا شاید سو سال کا انتظار کرنا پڑے، وہ نہ کرنا پڑتا۔ یہ سب کچھ بدل جاتا ہے، لیکن مذہب اس ترقی کے عمل کو سست کر دیتا ہے۔ یہ وہ تمام وجوہات ہیں جن کی وجہ سے مذہب سے چھٹکارا حاصل کرنا ضروری ہے۔

افسردگی

چاہے آپ ملحد ہوں، مسلمان ہوں یا عیسائی آپ نے یا تو یہ دعویٰ کیا ہو گا یا سنا ہو گا کہ ملحدین صرف افسردہ افراد کا ایک جھنڈ ہیں۔ ملحدین اور کافروں کے لئے یہ دعویٰ زیادہ تر مسلمانوں میں مشہور ہے۔ اس دعوے کا مرکزی خیال یہ ہے: "چونکہ دکھ اور پریشانی میں ملحدین کے پاس ایسی کوئی چیز نہیں ہوتی جس کا وہ سہارا لے سکیں یا جس کی مدد طلب کر سکیں، تو اس لئے وہ بہت افسردہ لوگ ہوتے ہیں۔"

یاد رکھیئے گا کہ میں یہ بات اس باب میں پہلے ہی واضح طور پر کہہ چکا ہوں کہ میں خودکشی کرنے کے عمل کو مذہب سے منسوب نہیں کر رہا، بلکہ میں تو ان دونوں خیالات کو الگ کر رہا ہوں، لیکن کیونکہ اس بات کو لے کر دلائل سامنے آتے رہتے ہیں تو اُن کا اظہار ضروری ہے۔ بہت سارے مسلمان اس دعوے کا جواب بڑی لاپرواہی سے ترقی یافتہ ممالک جیسے کہ جاپان، جنوبی کوریا، امریکہ میں خودکشی کی تعداد کا حوالہ دیتے ہوئے کرتے ہیں اور پھر اُس کا موازنہ مسلمان ممالک جیسے کہ پاکستان، سعودی عرب اور ایران میں خودکشی کی تعداد سے کرتے ہیں۔

آئیں ان میں سے چند ممالک اٹھا کر دیکھتے ہیں:

ملک	خودکشی فی ۱۰۰،۰۰۰
کازخستان*	۲۷.۵
جنوبی کوریا	۲۴.۱
جاپان	۱۵.۴
نائجیریا*	۱۵.۱
امریکہ	۱۲.۶
سوڈان*	۱۱.۴
آسٹریلیا	۱۰.۴
جنوبی سوڈان	۹.۶
سعودی عرب*	۳.۹
ایران*	۳.۶
پاکستان*	۲.۵

جن ممالک پر * کا نشان بنا ہوا ہے اُن میں مسلمانوں کی آبادی کی اکثریت ہے۔

سری لنکا، گویانا اور منگولیا کے بعد مسلمانوں کی سب سے زیادہ آبادی کے ساتھ کازخستان چوتھے نمبر پر آتا ہے۔ حالانکہ شروع کے ان تینوں ممالک میں سے کوئی بھی بنیادی طور پر الحاد پرست ملک نہیں ہے۔

یہ سچ ہے کہ خود کشی کی شرح پاکستان، ایران اور سعودی عرب جیسے مسلمان ممالک میں نسبتاً کم ہے، لیکن ایران اور سعودی عرب جابرانہ ممالک ہیں۔ جس کے برعکس پاکستان پھر بھی مالی طور پر کمزور ہے لیکن اُس میں ان دونوں جتنی جابریت نہیں ہے۔ تو ان مسلمان ممالک میں خود کشی کی شرح اتنی کم کیوں ہے؟ خود کشی اسلام میں حرام ہے، شاید یہ ایک وجہ ہو سکتی ہے، لیکن کہانی یہاں ختم نہیں ہوتی۔ ایک پاکستانی ہونے کے ناطے میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں کہ کس منظم طریقے سے خود کشی کو سرکاری ریکارڈ میں آنے سے بچایا جاتا ہے، کیونکہ اسے خاندان والوں کے لئے کلنگ کا ٹیکہ اور ایک شرمناک عمل سمجھا جاتا ہے۔ پاکستان میں خود کشی اور زیادتی دو سب سے بڑے ایسے مظاہر ہیں جن کی اطلاع درج کروانے کو بہت معیوب سمجھا جاتا ہے۔ جس طرح سعودی عرب اور جیسے ممالک سے آپ انسانی حقوق کے مطابق کوئی اطلاع نہیں سنتے اسی طرح آپ پاکستان میں خود کشی کے ریکارڈ پر یقین نہیں کر سکتے۔ خود کشی کا تعلق خدا پر ایمان یا کافر ہونے سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق انسان کی ذہنی حالت پر زیادہ ہے۔ خود کشی کرنے کی اس کے علاوہ بھی بہت ساری وجوہات ہوتی ہیں۔ اگر صرف خدا پر ایمان کسی کو خود کشی کرنے سے تو روک پاتا تو کازخستان جیسے زیادہ مسلمان آبادی والے ملک میں اس کی شرح اتنی زیادہ نہ ہوتی۔

ذہنی دباؤ اداسی کی ایک طویل حالت ہے، جس کا شکار انسان بہت ساری وجوہات کی بنا پر ہو جاتا ہے، جیسے کہ مالی پریشانی، کام کی پریشانی یا کسی عزیز کو کھو دینا وغیرہ۔ یہ جسم میں کسی حیاتیاتی یا کیمیائی عدم توازن کی وجہ سے بھی ہو جاتا ہے جو ہمارے قابو میں نہیں ہوتا۔ لیکن جیسے ہم بات کر رہے ہیں کہ انسان یہ دنیاوی مسائل اور رویوں کی وجہ سے بھی ہو جاتا ہو تو ابھی ہم کیمیائی عدم توازن والے نہیں بلکہ صرف طویل اداسی والے معاملے کے بارے میں بات کریں گے۔ جس طرح ہم خوشی، غصہ، پیار، نفرت اور حسد محسوس کرتے ہیں اُسی طرح ہم اداسی بھی محسوس کرتے ہیں۔ اداسی بھی زندگی کا ایک حصہ ہے۔ ہمیں زندگی کی اچھی چیزوں کی طرح اسے بھی قبول کرنا چاہیئے۔
ایک امریکی مسلمان نبیل قریشی نے عیسائیت قبول کرلی تو مسلمانوں نے اُسے بہت برا بھلا کہا۔ جب تیس سال جیسی کم عمر میں اُس میں معدے کے کینسر کی تشخیص ہوئی تو مسلمان بہت خوش ہوئے اور مسلمان حمایتیوں نے انٹرنیٹ پر بھر بھر کر خبریں لگائیں کہ اس کا یہ معدے کا کینسر دراصل خدا کی طرف سے اسے اسلام جیسا سچا مذہب چھوڑنے کی سزا ہے۔

یہ کام صرف مسلمان ہی نہیں کرتے۔ ایک مسلمان مولوی، احمد دیدات، جس نے عیسائیت کو نیچا دکھانے کا کبھی کوئی موقع ضائع نہیں کیا تھا۔ جب ۲۰۰۵ میں اس کی ایک دردناک موت واقع ہوئی تو عیسائیوں نے بھی یہی کہا کہ یہ خدا کی طرف سے اس کی سزا تھی۔ اسے فالج ہو گیا جس کی وجہ اس کا پورا جسم مفلوج ہو گیا اور وہ اپنی آنکھوں کے علاوہ اپنے جسم کے کسی بھی حصے کو ہلا نہیں سکتا تھا۔ اس نے اپنی زندگی کے آخری نو سال ایک اسپتال کے بستر پر گزارے اور اکئی دفع اسے آنکھیں ہلاتے ہوئے ویڈیوز میں دیکھا گیا۔ وہ شدید اذیت میں مبتلا تھا لیکن وہ غالباً صرف مفلوج تھا اور اس کا رویہ بالکل ویسا ہی تھا جیسے کسے بھی غیر مسلمان کا ایسی کیفیت میں ہوتا۔ عیسائی حمایتیوں نے کسی کی بدقسمتی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کو ایک خدائی سزا کا نام دیا۔ یہ مذہبی اخلاقیات کا ایک اور بھیانک نمونہ ہے، جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کس طرح مذہبی اخلاقیات اچھے لوگوں کو غیر انسانی رویے اختیار کر لینے پر مجبور کرتی ہے۔ جو نبیل قریشی اور احمد دیدات کے ساتھ ہوا وہ کسی کے بھی ساتھ ہو سکتا ہے۔ بلکہ عقیدت مند اور غیر عقیدت مند تمام قسم کے لوگوں کے ساتھ ہو چکا ہے۔ ان دوغلے لوگوں کو یہ بات سمجھنی چاہیئے کہ اگر یہ سب غلط عقیدے میں ایمان رکھنے والے لوگوں کو خدا

کی طرف سے سزائیں ہیں، تو پھر یہ تمام بیماریاں ان کے اپنے عقیدے والے لوگوں کو نہیں ہونی چاہیئے۔ میں ایک ملحد ہوں اور ایک انسان ہوں، اور مجھے بھی زندگی میں کسی بھی وقت کینسر، فالج یا دل کے دورے جیسی کوئی بھی تکلیف لاحق ہو سکتی ہے۔ میں بھی ایک دن مر جاؤں گا اور شاید یہ عمل دردناک ہو۔ مجھے پتہ ہے کہ میں حیاتیاتی طور پر کسی انسان سے مختلف نہیں ہوں اور مجھ میں ایسی کوئی خاص بات نہیں ہے کہ مجھے زندہ رہنا چاہیئے۔ جیسے کہ کوئی بھی بیماری کسی کو بھی لگ سکتی ہے اسی طرح ذہنی دباؤ بھی کسی کو بھی ہو سکتا ہے۔

لیکن اس سے زیادہ منحوس اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ مذہبی حمایتی ایک مرتے ہوئے انسان کی بدقسمتی کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں، اور اُس کو اُس کے بستر مرگ پر اپنے پسندیدہ مذہب میں تبدیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ کہہ کر کہ "آؤ یسوع مسیح کے پاس اور خود کو دوزخ کی آگ سے بچالو۔" اور اگر کوئی امام ہو آپ کے پاس تو وہ میں ایک دفع کہا کہ "اپنے بستر Q&A کے ABC کہے گا" کہو کہ اللہ ایک ہے اور محمد اس کے آخری پیغمبر ہیں"۔ ایک مشہور آسٹریلین مسلمان حمایتی، ولید آلے، نے مرگ پہ خدا پر ایمان لے آنا بالکل صحیح ہے، کیونکہ اس سے آپ کا کچھ نہیں جاتا۔" آپ ایک مذہبی حمایتی سے اور کیا امید رکھ سکتے ہیں؟ میں اپنی ساری زندگی عقلیت اور ثبوت کے اصول پر گزاروں اور مرتے وقت اس کو چھوڑ دوں؟ کیا یہ غیر اخلاقیات اور دوغلے پن کا ایک گھناؤنا نمونہ نہیں ہوگا؟ نہیں ولید آلے، ہم جیسے لوگ اصولوں کے ساتھ جیتے ہیں اور انہی اصولوں کے ساتھ عزت سے مرنا پسند کرتے ہیں۔ اور جب ہم نے تمہاری مذہبی بکواس کو زندہ رہتے ہوئے قبول نہیں کیا تو ہم اسے مرتے وقت بھی قبول نہیں کریں گے۔ کسی کو ولید آلے سے پوچھنا چاہیئے کہ مرتے ہوئے کس خدا پر مرتے ہوئے ایمان لے آنا چاہیئے؟ اللہ اور یحوے؟ تھوریا زیوس؟ کرشا یا بدھا؟ نہیں، آپ کو ان میں سے کسی پر بھی ایمان نہیں لانا چاہیئے کیونکہ ان میں سے کون سا خدا واقعی صحیح ہے اس بات کا امکان دس ہزار میں سے ایک ہے۔ میں نے اپنی بیوی کو کہہ دیا ہے کہ اگر میری موت کے وقت وہ میرے آس پاس ہو، اور کوئی پادری یا امام میرے نزدیک آکر مجھے اپنے مذہب پر لانے کی کوشش کرے، تو وہ اسے ہٹا دے، کیونکہ مجھ میں خود اُس کو ہٹانے کی جسمانی طاقت شاید نہ ہو۔ بلکہ میں نے اپنی بیوی سے کہا ہے کہ وہ میرے آخری لمحات کیمرے سے ریکارڈ کر لے تا کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے "اس نے مرنے سے پہلے اسلام یا عیسائیت قبول کر لی تھی"۔ میں نے اسے یہ بھی کہا ہے کہ وہ میرے خاندان کے دباؤ میں آکر میرا جنازہ اسلامی طریقے سے نہ ہونے دے کیونکہ میں تو اُس وقت مر چکا ہوں گا اور احتجاج نہیں کر پاؤں گا۔

مذہبی حمایتیوں کو یہ دعویٰ کرنا بہت پسند ہے کہ فلاں شخص کو اپنی زندگی کے تاریک لمحوں میں خدا مل گیا تھا۔ مجھے یہ بات کبھی سمجھ نہیں آئی۔ ہم سب کے اوپر برا وقت آتا ہے۔ اپنے والدین کی موت اور محبت میں رسوائی کا سامنا زندگی میں ہم سب کرتے ہیں لیکن یہ دعویٰ کہ خدا نے مجھے اُس مشکل سے نکالا صحیح نہیں ہے۔ اُنہیں لگتا ہے کہ خدا پر ان کے یقین کی وجہ سے وہ اُس ذہنی دباؤ سے باہر آئیں ہیں لیکن وہ اس کے بغیر بھی اس سے باہر آسکتے تھے۔ ملحدین بھی تو برے وقتوں کا سامنا کرتے ہیں، اور بغیر کسی خدا کے وجود کے اُس ذہنی دباؤ سے باہر آجاتے ہیں۔

ابھی کچھ عرصہ پہلے تک کی بات ہے کہ میں ایک طویل اداسی کا شکار تھا اور میں نے خود اس ذہنی دباؤ کو محسوس کیا۔ ایک وقت تھا جب نہ مجھے دوستوں سے بات چیت میں کوئی دلچسپی رہی تھی، نہ موسیقی سے سکون ملتا تھا، کتابیں بھی غیر دلچسپ لگتی تھیں اور یہاں تک کہ اپنے جسم پر سورج کی روشنی کا احساس بھی مجھے خوشی نہیں دیتا تھا۔

اداسی میرا پیچھا نہیں چھوڑتی تھی۔ جتنی زیادہ میں اُس کیفیت سے باہر آنے کی کوشش کرتا تھا، وہ اتنا زیادہ ہی مشکل ہوتا جاتا تھا۔ فطرتاً تجرباتی ہونے کی وجہ سے میں نے فیصلہ کیا کہ میں اللہ کو ایک اور موقع دیتا ہوں اور اس سے بات کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ میں نے اللہ سے بات چیت کی جب اس سے کچھ نہیں ہوا تو پھر میں نے یسوع سے بات کرنے کی کوشش کی۔ جیسے ڈوبتے ہوئے کو تنکے کا سہارا ہوتا ہے، اُسی طرح میں بھی اُس احساس سے باہر آنے کے لئے کسی بھی خدا کو ماننے کے لئے تیار تھا۔ میری تمام تر کوششوں کے باوجود بھی مجھے دوسری جانب سے کوئی جواب نہیں ملا۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے میں اپنے آپ سے باتیں کر رہا ہوں، اور آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ میرا ایمان پختہ نہیں تھا اس لیے مجھے کوئی جواب نہیں ملا کیونکہ میں ایمان لانے کے لئے سو فیصد تیار تھا۔ میں اتنا مجبور، بے بس اور دکھی تھا کہ میں کسی بھی خیال میں یقین کرنے کو تیار تھا جو مجھے اُس دکھ اور پریشانی سے باہر نکال دے۔

میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ کس طرح لوگ برے وقت میں خدا پر ایمان لے آتے ہیں۔ یہ کائنات ایک بہت بڑی اور ڈراونی جگہ ہے۔ صرف ہماری اپنی ہی کہکشاں میں عربوں ستارے ہیں، اور کون جانتا ہے کہ اُن ستاروں کے گرد موجود سیاروں میں کیا ہو رہا ہے؟ کیا اُن سیاروں پر بھی لوگ رہتے ہیں؟ کیا وہ بھی خوشی اور دکھ محسوس کر سکتے ہیں؟ کیا وہ بھی جس پریوں کی کہانی میں یقین رکھتے ہیں اس کے لیے ایک دوسرے کو مار دیتے ہیں؟ یہ بہت آسان سوالات ہیں، لیکن ان کے جوابات آسان نہیں ہیں۔ ہمارے پاس ان کے جوابات حاصل کرنے کی تکنیکی صلاحیت نہیں ہے، یہ بات انسانوں کو مایوس کر دیتی ہے۔ جس کی وجہ سے پھر وہ کچھ کہانیاں اور فرضی داستانیں ایجاد کر لیتے ہیں جو ان کے مسائل کے لئے مرہم پٹی کا کام کریں۔ کسی بھی وقت کوئی بلیک ہول گھومتا پھرتا ہوا ہماری کہکشاں کی طرف آ سکتا ہے اور ہمارے سارے سیاروں اور ہمارے سورج کو نگل سکتا ہے اور ہم سب ختم ہو جائیں گے۔ پھر جہاں ہمارا شمسی نظام تھا اگر وہاں سے کبھی کوئی خلائی مخلوق بھی گزرے گی تو اسے پتہ بھی نہیں چلے گا یہاں کبھی کچھ تھا۔ اسے پتہ نہیں چلے گا کہ یہاں کبھی کوئی جولیس سیزر تھی جس نے روبیکن دریا پار کیا تھا یا کوئی مارٹن لوتھر کنگ جونیئر تھا جس نے شہری حقوق کی تحریک شروع کی تھی اور نہ ہی اسے ان عظیم جنگوں کا پتہ چلے گا جو ہم نے خیالات اور وسائل کے لئے لڑیں۔ پھر بھی ہم یہاں ہیں اور یہ سب کچھ کر رہے ہیں جب تک ہم زندہ ہیں۔ تکوینیاتی پیمانے پر یہ ساری جنگیں اور تحریکیں بہت بے معنی سی نہیں لگتیں؟ یقیناً لگتی ہیں۔ لیکن چونکہ کائنات کے لیے یہ بہت ہی معمولی سی بات ہے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ ہمیں اچھائی اور انصاف کے لئے لڑنا چھوڑ دینا چاہئیے۔ ہم اپنے لیے اہم ہیں۔ جس طرح ایک چیونٹیوں کی بستی ہم انسانوں کے لئے ایک معمولی سی چیز ہوتی ہے، اسی طرح ہم کائنات کے لیے ہم ایک معمولی سی چیز ہیں۔ لیکن آپ دیکھیں کہ چیونٹیاں لاکھوں سالوں سے پھر بھی اپنا کام کرتی آ رہی ہیں اور اپنی بستیاں بناتی آ رہی ہیں۔ کیونکہ وہ انسانوں کے لئے ایک معمولی سی چیز ہیں اس لئے انہیں جینا نہیں چھوڑنا چاہئیے۔

اس بات میں یقین رکھنا آسان ہے کہ ہم بس یہاں ہیں، اور ہمارے پاس ایک باپ جیسی ہستی موجود ہے، جو ہمیں دیکھ رہی ہے اور ہماری دیکھ بھال کر رہی ہے۔ جب اس کائنات کا بادشاہ، خدا تمہیں دیکھ رہا ہے، تو پھر اس وسیع و عریض کائنات سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے؟ کوئی بلیک ہول نزدیک آ رہا ہے؟ کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ دعا کریں گے اور کائنات کا بادشاہ اُس کو دور کر دے گا۔ یہ سب چاہے سچ ہو یا نہ ہو لیکن دیکھنے میں تسلی بخش لگتا ہے۔ جیسے میں اگر ایک جنگل میں کھو جاؤں اور میرے پاس نہ پانی ہو، نہ کھانا ہو اور نہ پہننے کے لیے گرم کپڑے ہوں تو مجھے ایسا کوئی دوست بہت اچھا لگے گا جو اُس خطرناک صورتحال سے باہر نکلنے میں میری مدد کرے۔ لیکن پھر بھی میری بقاء

کادارومدار سچ پر ہو گا۔ اگر ایسا کوئی دوست واقعی میں ہو تو یہ بہت اچھی بات ہے لیکن اگر نہیں ہے تو ایسے دوست کا صرف خیال یا خواہش میری بقاء میں مددگار ثابت نہیں ہو گا۔ پھر مجھے وہاں سے باہر آنے کے لیے کچھ نا کچھ خود ہی کرنا پڑے گا۔ اسی طرح میں نے ہمیشہ اپنے آپ کو پریشانی سے نکالا۔ میں نے خدا سے بات کی لیکن چونکہ اس کا کوئی وجود ہے ہی نہیں تو مجھے اس سے کبھی کوئی مدد نہیں ملی۔ میں لڑا میں نے جنگ کی اور میں اپنے ذہنی دباؤ سے باہر آ گیا۔ میں اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ آپ کو اس کی کوئی تکنیک بتاؤں لیکن اگر آپ ذہنی دباؤ سے گزر رہے ہیں تو پیشہ ورانہ مدد حاصل کریں۔ کیونکہ دعا سے نہیں لیکن ذاتی لگن اور مدد سے کوئی نہ کوئی راستہ ضرور نکل آتا ہے۔

تو اگر ہم دعا سے نہیں بلکہ خود پر تھوڑی سی محنت کر کہ ذہنی دباؤ سے باہر آسکتے ہیں تو پھر ایسے جھوٹے عقیدوں پر یقین کیوں رکھیں؟ حالانکہ ہم کبھی کبھی بہت بے معنی سا محسوس کرتے ہیں لیکن بجائے اس کے کہ ہم مستقل وہ محسوس کرتے رہیں کیوں نہ ہم کوئی ذمہ داری اٹھائیں اور اُس کے لیے کچھ عمل کریں؟ ملحدین ذہنی دباؤ کا شکار لوگوں کا کوئی جھنڈ نہیں ہے۔ ہم بھی دوسروں کی طرح انسان ہیں۔ ہمیں بھی دوسروں کی طرح بیمار اور دکھی ہو جاتے ہیں۔ لیکن ہم میں فرق صرف اتنا ہے کہ ہم ان سب چیزوں کا حل کسی غائبانہ دوست سے دعا کر کہ نہیں بلکہ حقیقت سے ڈھونڈتے ہیں۔

میں اس باب کا اختتام نوبل انعام جیتنے والے ایک عظیم فرانسیسی ادیب، اینٹول فرانس، کے ایک قول سے کرتا ہوں، وہ کہتا ہے کہ "اگر ایک بے وقوفانہ بات پچاس لاکھ لوگ کہہ رہے ہیں، تب بھی وہ ایک بے وقوفانہ بات ہی رہے گی۔"

باب نمبر ۳: مذہب کا ساز و سامان

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمیں مذہب کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟ جیسا کہ سابقہ باب میں بھی ذکر کیا گیا کہ کہ مذہب سے لوگوں کی اخلاقیات بہتر نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ ہمارے پاس ایسے ہزاروں لوگوں کی مثالیں موجود ہیں جو کہ اخلاقی طور پر بہتر ہیں جبکہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق نہیں رکھتے۔ مذاہب کی اخلاقیات اب فرسودہ ہو چکی ہیں اور جو بھی معاشرے ابھی تک قرآن یا قدیم عہد ناموں میں سے اخلاقیات اخذ کر رہے ہیں ان میں بہت مسائل پائے جاتے ہیں۔ البتہ اس باب میں، نہ صرف میں چند بنیادی مذاہب کی اخلاقیات میں موجود مسائل کی طرف اشارہ کروں گا بلکہ اُس عام ساز و سامان کی طرف بھی توجہ مرکوز کروں گا جو مذہب کے ساتھ آتا ہے۔

میں اکثر سوچتا ہوں کہ اگر ہمارے پاس توہم پرستی نہ ہوتی تو ہماری دنیا کیسی ہوتی؟ جب بھی ہم کچھ سمجھنے میں ناکام ہوتے اور ہمارے پاس اُس کے لیے کوئی کہانی نہیں ہوتی تو ہم کیا کرتے؟ زرا سوچیئے اگر ہم ان کہانیوں کی وجہ سے جن پر ہم یقین کرتے ہیں ایک دوسرے کو ذبح نہیں کر رہے ہوتے تو یہ دنیا کیسی ہوتی؟ یقیناً، مذہب ہی انسانوں میں تفریق کا واحد ذریعہ نہیں ہے۔ ہاں دوسری وجوہات بھی ہیں جو ہمیں تقسیم کرتی ہیں۔ جیسے کہ نسل، صنف، قوم پرستی، لالچ، ہماری پسندیدہ کھیل کی ٹیم، وغیرہ وغیرہ۔ لیکن آپ کو قبول کرنا ہوگا کہ مذہب سب سے خطرناک تفریق کار ہے۔ مجھے نہیں لگتا کہ ایک ملحد معاشرے میں صنفی اور جنسی ترجیحات کی بنیادوں پر منظم امتیازی سلوک ہو سکتا ہے۔ کیا کوئی غیر مسلم پاکستانی ریاست کا سربراہ ہو سکتا ہے؟ بالکل نہیں۔ اصل میں پاکستان کا آئین مذہب کی بنیاد پر عوامی طور پر امتیاز برتتا ہے۔ اگر پاکستان ایک انسان دوست ملک ہوتا یا اگر ہماری دنیا میں کوئی مذہب نہ ہوتا تو مجھے نہیں لگتا کہ حکومتیں یہ حکم جاری کرتیں کہ کوئی غیر مسلمان اس ریاست کا سربراہ نہیں ہو سکتا۔

نومبر ۲۰۱۷ میں پاکستانی حکومت نے اُن پارلیمنٹیرین کے لئے جو ختم نبوت پر یقین نہیں رکھتے ایک حلف لانے کی کوشش کی۔ اس معمولی سی تبدیلی نے مسلمانوں کے ایک فرقے احمدی کو (جسے اسلام کے دوسرے فرقے سنی اور شیعہ وغیرہ مسلمان نہیں مانتے) مخصوص مذہبی اقلیتوں والی نشستوں میں رہنے کی بجائے کھلے عام انتخابات لڑنے کی اجازت دے دی۔ ملاؤں اور بنیاد پرستوں نے بہت وبال مچایا اور اُس وزارت کے سربراہ جس نے یہ تبدیلی لانے کی کوشش کی تھی اُس کا مطالبہ کیا۔ اس بات پر ملک بھر میں بہت احتجاج ہوئے جس میں متعدد افراد اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے اور سرکاری اور نجی املاک کو نمایاں نقصان پہنچا۔ اگر مذہب نہ ہوتا، تو یہ سب نہ ہوتا۔

مذہب نہ صرف خطرناک ہے، بلکہ بیکار بھی ہے۔ ایسا کونسا اچھا کام ہے جو ممکنہ طور پر صرف ایک مذہبی انسان کر سکتا ہے اور غیر مذہبی نہیں؟ خیرات ہو یا محبت، بدعت ہو یا وفاداری؟ مجھے تو ایسا کوئی بھی کام نظر نہیں آتا جو انسان اپنے لئے مذہبی وابستگی کے بغیر نہیں کر سکتا۔ ملحدین بھی بہت صدقہ خیرات کرتے ہیں اور عام لوگوں کی طرح محبت بھی کرتے ہیں۔ وہ ایجاد بھی کرتے ہیں اور اختراع بھی کرتے ہیں۔ البتہ دنیا میں ایسا کوئی بھی کام نہیں ہے (قتل کی اعلی شرحوں کے مالک اور مختلف عقائد اور ہم جنس پرستی وغیرہ کی بنیاد پر لوگوں کے ساتھ امتیازی سلوک کرنے کے علاوہ) جو صرف مذہبی لوگ ہی کر سکتے ہیں، اور باقی دوسرے لوگ نہیں کر سکتے۔ جب تک کوئی مجھے اس بات کا حتمی ثبوت نہیں دے دیتا کہ ملحد اخلاقی طور پر خراب لوگ ہیں، تب تک میں یہ بات زور دے کر کہتا رہوں گا کہ ہم مذہب کے بغیر بہت اچھی زندگی گزار سکتے ہیں۔

اخلاق کے علاوہ مذہب کے محافظ ایک اور جواز پیش کرتے ہیں۔ چونکہ خدا نے سب کچھ پیدا کیا ہے تو ہمیں اس کے قواعد کے مطابق چلنا ہے، اور اس کے احکامات میں سے ایک اس کی عبادت اور اسے تسلیم کرنا ہے۔ اور یہ کہانی یہاں ختم نہیں ہوتی بلکہ خدا کے قواعد کے مطابق زندگی گزارنے کے اصولوں کے صفحات موجود ہیں۔ یاد رکھیں زندگی گزارنے کے یہ سارے قواعد اور طریقے تب سامنے آتے ہیں جب ہم یہ فرض کرتے ہیں کہ سب کچھ خدا نے تخلیق کیا ہے۔ لیکن طریقہ دوئم کی خاطر ہم اس قیاس کو قبول کریں گے۔ خدا ان باتوں پر سخت شرائط رکھتا ہے کہ ہم کس طرح سے جنسی تعلقات قائم کرتے ہیں، اپنے بچوں اور بیویوں کے ساتھ کس طرح کا سلوک کرتے ہیں (ہم یہاں شوہروں کا تذکرہ نہیں کریں گے کیونکہ اسلام میں خواتین کو اپنے شوہروں کو قابو میں رکھنے کی اجازت نہیں دی گئی ہے) ہم ممالک پر کس طرح حکومت کرتے ہیں، ہم اپنے ارد گرد کی قدرتی دنیا کو کیسے دیکھتے ہیں، اور یہاں تک کہ ہم معیشت کو کیسے چلاتے ہیں۔ اس لئے میں ان سب اصولوں کو مذہب کا "سازو سامان" کہتا ہوں کیونکہ مذہب کے محافظوں کو اس کے بارے میں سوال کرنے یا انہیں تبدیل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ چونکہ ہم نے طریقہ دوئم اپنایا ہے تو اب بجائے اس کے کہ خدا موجود ہے یا نہیں، ہم 'دین کے اس سازو سامان' پر سوال کریں گے۔ ہم ان اصولوں اور قوانین پر غور کریں گے اور دیکھیں گے کہ ان میں کوئی خرابی ہے۔

اب میں اس دلیل کو سترہویں صدی میں واپس لانا چاہتا ہوں، جہاں ایک فرانسیسی ریاضی دان اور فلسفی بلیے پاسکل نے تجویز پیش کی جسے پاسکل کی داؤ یا پاسکل کے گیمبٹ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ پاسکل نے اُس میں یہ تجویز کیا کہ "خدا پر یقین کرنا، خدا پر یقین نہ کرنے سے بہتر ہے" گویا تم خدا پر یقین رکھو، چاہے وہ موجود ہے یا نہیں کیونکہ اس میں آپ کا کچھ نہیں جا رہا، لیکن اگر آپ خدا پر یقین نہ کریں اور آپ غلط نکلے وہ واقعی میں موجود ہوا تو مرنے کے بعد آپ ہمیشہ کے لئے جہنم میں جلیں گے۔ پروفیسر رچرڈ ڈاکنز نے اپنی کتاب "دی گاڈ ڈیلیوژن" میں پاسکل کے اس داؤ میں موجود مسائل کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ ہم شعوری طور پر یقین کرنے یا انکار کرنے کا انتخاب نہیں کرسکتے ہیں۔ ہم صرف کسی ایسی چیز میں یقین کرسکتے ہیں جس کے پیچھے ثبوت ہوں۔ مثال کے طور پر میں شواہد کی وجہ سے اس پر یقین کرتا ہوں کہ زمین گول ہے اور چپٹی نہیں ہے۔ اگر عیسیٰ آئے اور اس بات پر زور دے کہ آپ اس بات پر یقین کریں کہ زمین چپٹی ہے ورنہ آپ ہمیشہ کے لئے جہنم میں جلائے جائیں گے، تو یہ کہنا اس بات پر یقین کرلینے کے لئے کافی نہیں ہے۔ پاسکل کے منطق کے مطابق ہمیں یہ یقین کرنا چاہیئے کہ زمین چپٹی ہے کیونکہ اگر ہم غلط ہیں تو اس سے زیادہ فرق نہیں پڑے گا، لیکن اگر ہم صحیح ہیں تو، کنارے سے گریں گے نہیں۔ دوسری طرف اگر ہم یہ یقین نہ کریں کہ زمین چپٹی ہے تو اگر ہم صحیح نکلے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا، لیکن اگر ہم غلط نکلے تو ہم کنارے سے گرنے کا خطرہ چلتا رہے گا۔ اگر ماضی میں چپٹی زمین کے ماننے والے پاسکل کے منطق کی پیروی کرتے، تو خلا سے زمین کی تصویر لیے بغیر ہمیں کبھی یہ معلوم نہیں ہوسکتا تھا کہ زمین گول ہے۔ اگرچہ یسوع نے زمین چپٹی تھی یا گول اس بات پر کبھی زور نہیں دیا تھا لیکن آپ دیکھ سکتے ہیں کہ کسی چیز پر اندھا یقین کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ وہ ہمیں حقیقت سے مزید دور کردیتا ہے۔

پاسکل کے دعوی کی توسیع کرتے ہوئے میں اس منطق کے اوپر اب مزید سوال کرنا چاہتا ہوں۔ پاسکل کا دعوی ہے کہ اگر ہم خدا پر یقین رکھتے ہیں اور اس کا نتیجہ صحیح نکلا تو یہ ہمیں ابدی عذاب سے بچالے گا، لیکن اگر ہم غلط نکلے، تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ پاسکل یہ دعویٰ کیسے کرسکتا ہے کہ اپنے پسندیدہ مذہب کے نظریے پر یقین

رکھتے ہوئے اگر آپ غلط ثابت ہو جائیں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا؟ پاسکل کی دانو نے واقعتا نظریہ کو نہیں چھوا، لیکن ان لوگوں کا کیا جنہوں نے اپنے خدا پر یقین رکھتے ہوئے ان کے اعتقادات سے متاثر ہو کر مختلف قسم کے جرائم کا ارتکاب کیا؟ مجھے نہیں لگتا کہ مذہب کے کسی بھی محافظ کے لیے یہ بات سمجھانا کچھ مشکل ہو گا کہ تمام خودکش حملہ آوروں کو یہ خود کو بم سے اڑانے کی حوصلہ افزائی آتی کہاں سے ہے۔ میں دعوی نہیں کروں گا کہ قرآن نے خودکش بم دھماکے کے خیال کی حوصلہ افزائی کرتا ہے کیونکہ محمد کے وقت میں خودکش بم دھماکے کرنے کی صلاحیت ہی موجود نہیں تھی لیکن میں یہ بیان کروں گا کہ قرآن اور انجیل میں اپنے مذہب کے دفاع کے لئے مرنے کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ بیشک ہمارے پاس بہادر ہیرو وہیں جو اپنے ملک کے دفاع میں مر جاتے ہیں، لیکن آپ ملک سے مذہب کا موازنہ نہیں کر سکتے۔ آپ کا ملک حقیقی ہے۔ وہ آپ کا دفاع کرتا ہے اور آپ کو پناہ دیتا ہے، لیکن مذہب ایسا نہیں کرتا ہے۔ ہم مذہبی عقائد کے ساتھ آنے والی ہولناکیوں جیسے کہ صحیفے سے متاثر ہو کر بڑے پیمانے پر ہونے والی انسانی حقوق کی پامالی کو واضح طور پر دیکھ سکتے ہیں۔ مرنے کے بعد اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن جب تک آپ زندہ ہیں اس سے آپ کو اور آپ کے آس پاس کے لوگوں کے لئے بہت فرق پڑتا ہے۔

اس کے علاوہ بھی پاسکل کی تجویز غلط ہے کیونکہ وہ یہ مانتا ہے کہ اس کا خدا ہی واحد صحیح خدا ہے۔ لیکن کچھ اندازوں کے مطابق ثقافتوں اور تاریخ میں ہمارے پاس انسانوں کے ذریعہ ایجاد کردہ تقریباًدس ہزار خدا موجود ہیں۔ یہ اتنا آسان نہیں ہے جتنا پاسکل نے اسے سمجھا تھا۔ یا شاید اگر پوری دنیا صرف ایک ہی خدا اور مذہب پر یقین رکھتی تو یہ ایک زیادہ بہتر دانو ہوتا۔ اگر ہم پاسکل کی تجویز پر عمل کریں تو وہ کہہ رہا ہے کہ "دس ہزار خداؤں میں سے ایک خدا پر بھروسہ کریں اور امید رکھیں کہ آپ درست ہیں۔ بصورت دیگر آپ جہنم میں جائیں گے۔" میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ اگر کوئی خدا ہے تو ملحدین کے جہنم سے بچنے کی کوئی امید نہیں ہے کیونکہ ملحد کے صحیح ہونے کا دس ہزار میں سے صفر امکان ہے۔ لیکن اگر آپ پاسکل کی تجویز پر عمل کرتے ہیں اور اپنے خدا کے ساتھ قائم رہتے ہیں اور آخر میں اصلی خدا مشتری نکلتا ہے، تو آپ بھی پاسکل کے ساتھ جہنم میں جائیں گے، لہذا اس طرح اس کا دانو ناکام ہے۔ ہم محض ایک جنگلی کھیل کے اوپر اپنی زندگی نہیں گزار سکتے کیونکہ ہمارے پاس صحیح ہونے کا امکان دس ہزار میں سے صرف ایک ہے، اور آپ کو اپنی ساری زندگی اُن قواعد وضوابط کے مجموعے کے تحت گزارنی ہو گی جو کہ شاید صحیح نہ ہو—یہ کتنی بیکار بات ہے!

آیئے دین کے ساز و سامان کو سمجھتے ہوئے 'کوئی فرق نہیں پڑتا' والے اس دعوے پر تھوڑا اور تفصیلی تبادلہ خیال کرتے ہیں۔ اگر ہم طریقہ دوئم اختیار کریں اور فرض کریں کہ پاسکل کی دانو درست ہے تو ہمیں اپنے آپ کو ہمیشہ کے لئے جہنم کی آگ میں جلنے سے بچانے کے لئے خدا پر یقین رکھنا ہو گا اور اس کے قواعد کی پابندی کرنی ہو گی۔ باقی کی بحث میں، میں صرف اسلامی خدا کے بارے میں گفتگو کروں گا، لیکن یہ اسلامی خدا یہودی و مسیحی خدا سے مختلف نہیں ہے۔ اسلامی خدا پر یقین کر کے مجھے بھی یقین کرنا ہے کہ مجھ موسیقی نہیں سننی چاہیئے، قرآن کی سائنسی تعلیمات پر سوال کرنا چاہیئے، میرے گھر کی خواتین کو مرد رشتے دار کے بغیر باہر جانے کی اجازت نہیں دینی، ہم جنس پرستوں سے امتیازی سلوک کرنا ہے، چوروں کے ہاتھ کاٹ ڈالنے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ مسلمان علماء کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ موسیقی اور زندہ مخلوق کی تصاویر شیطان کے کام ہیں اور اللہ ان کو پسند نہیں کرتا ہے۔ جدید مسلمان اس اتفاق رائے سے متفق نہیں ہیں۔ اس لیے میرے مطابق یہ تمام جدید مسلمان دوغلے اور صرف طالبان ہی سچے مسلمان ہیں۔ دراصل صرف طالبان اسلام پر اس کی حقیقی شکل میں عمل پیرا ہیں۔ انہوں نے موسیقی، فلموں اور تصاویر پر پابندی عائد کر دی تھی، زنا

کاروں، ہم جنس پرستوں یہاں تک کہ عصمت دری کے متاثرین کو بھی ہلاک کر دیتے تھے۔ آپ کو بہت سارے جدید مسلمان نظر آتے ہوں گے جو طالبان کی مذمت کرتے ہیں اور یہ دعوی کر کے اسلام کا دفاع کرتے ہیں کہ کہ طالبان کا اسلام صحیح اسلام نہیں ہے۔ ایسے دوغلے مسلمان جو اسلام میں سے صرف اپنے فائدے کی باتیں نکال کر اُن کا استعمال کرتے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ وہ مندرجہ ذیل احادیث کو ایک دفعہ پڑھ لیں:

"میرے پیروکاروں میں سے کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو غیر قانونی جنسی عمل کریں گے، ریشمی کپڑے پہنا کریں گے، شراب نوشی کریں گے اور بطور حلال موسیقی کے آلات کا استعمال کریں گے۔"

(صحیح بخاری)

اگرچہ ہمارے پاس کچھ ایسے مسلمان علماء ہیں جو ایسے معاملات پر بھی بحث کرتے ہیں کہ کس قسم کی موسیقی سننے کی اجازت ہے؟ یہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ مرد سامعین کے سامنے کوئی خاتون گانے نہیں گا سکتی۔ کوئی بھی ایسے گانے جن میں غیر مذہبی رومانویت پسندی شامل ہو اُن کی اجازت نہیں ہے کیونکہ وہ بے حیائی کی ترغیب دیتے ہیں۔ اگر آپ نے مشہور پاکستانی گلوکارہ، نور جہاں، کے بارے میں سنا ہوا ہے تو وہ سیدھا جہنم میں گئی ہوں گی کیوں کہ انہوں نے بہت سارے رومانوی گانے مردوں کے سامنے گائے تھے۔ چونکہ میں اب پاسکل کے خدا پر اُس کے تمام قواعد کے ساتھ یقین رکھنے والے خیال پر عمل کر رہا ہوں تو مجھے کسی بھی قسم کی موسیقی کے بغیر زندگی گزارنی ہو گی۔ میں کوئی بھی رومانوی گانا نہیں سن سکتا جو کسی خاتون یا مرد گلوکار نے گایا ہو۔

تو پاسکل کی دانو کی بدولت میں اب اللہ اور اس کے تمام اصولوں پر یقین کرتا ہوں اور جانتا ہوں کہ باقی دوسرے ۹۹۹ء۹ خدا دیوتا غلط ہیں۔ میں کسی بھی ہلتی ہوئی یا ساکن تصویر کو نہیں دیکھوں گا جس میں کسی بھی زندہ مخلوق کو دکھایا گیا ہو۔ مندرجہ ذیل احادیث پر غور کریں:

"قیامت کے دن تصویر کشی کرنے والوں کو سخت سزائیں دی جائیں گی۔" (صحیح مسلم اور صحیح بخاری)

"اس کی تخلیق کردہ ہر شبیہہ کے لئے ایک روح تخلیق کی جائے گی اور اسے جہنم کی آگ میں سزا دی جائے گی۔" (صحیح مسلم)

"ہر شبیہ بنانے والا آگ میں ہو گا۔" (صحیح مسلم)

یہی وجہ ہے کہ مسلمان محمد کے مزاحیہ خاکوں کو لے کر اتنے مشتعل ہو جاتے ہیں۔ محمد کو تصویر کشی سے نفرت تھی اور اُس نے کہا کہ یہ کرنے والا جہنم کی آگ میں جلے گا۔ شاید محمد زیادہ تصویر زا نہیں تھا۔ کچھ مسلمان علماء نے ان براہِ راست تعلیمات میں ترمیم کی ہے یہ دلیل دیتے ہوئے کہ ڈرائنگ اور کیمرے کے ذریعہ کھینچی گئی تصاویر کو ایک ہی زمرے میں نہیں ڈال سکتے کیونکہ وہ ایک تصویر دوسری کی عکاسی ہوتی ہے۔ شبیہہ کسی شبیہہ کی تخلیق کے خلاف ہوتی ہے۔ تاہم سلافی علماء کسی بھی قسم کی تصویر پر پابندی لگاتے ہیں چاہے وہ کیمرے سے کھینچی ہو یا ہاتھ سے بنائی گئی ہو۔ لیکن اس کے لئے مزید بحث کی ضرورت نہیں ہے اور یہ بات بالآخر واضح ہے کہ کسی بھی جاندار کی

تصویر حرکت پذیر یا ساکن، کھینچی ہوئی ہو یا بنائی گئی، اسلام میں ممنوع ہے۔ ایک سچا اور غیر منافق مسلمان ہونے کے ناطے نہ تو می ڈاونچی کی تصاویر دیکھ سکتا ہوں نہ اسٹیون اسپیلبرگ کی کوئی ہالی ووڈ فلم اور نہ ہی شاہ رخ خان کی کوئی بالی ووڈ فلم دیکھ سکتا ہوں۔

اگر آپ طریقہ دوئم کی پیروی کرتے ہیں تو آپ اس بارے میں آزادی سے سوال کر سکتے ہیں کہ مصوری کرنے میں یا تصاویر دیکھنے میں کیا غلط ہے؟ ٹھیک ہے، آپ آزاد ہیں آپ کا جو دل چاہتا ہے وہ کریں۔ لیکن چونکہ میں یہاں پاسکل کی تجویز پر عمل کر رہا ہوں، لہذا میں طریقہ اول کا انتخاب کروں گا اور اپنے تنقیدی نظریے کا استعمال نہیں کروں گا ورنہ مجھے ہمیشہ جہنم کی آگ میں جلایا جائے گا۔

ایک سچا مسلمان ہونے کی وجہ سے اب میں اللہ کا یعنی شریعت کا قانون نافذ کروں گا۔ میں تصور بھی نہیں کر سکتا کہ اُس ملک میں رہنا کتنا خوفناک ہو گا جہاں شرعی قانون نافذ ہو۔ لیکن چونکہ اب میں اللہ پر یقین رکھتا ہوں، مجھ پر لازم ہے کہ میں اپنے تمام تر خوف اور ذاتی مفادات کو اللہ اور اس کے قانون کے سپرد کر دوں۔ اگر کوئی عورت دعویٰ کرتی ہے کہ اس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے تو مجھے اُسے سنگسار کرنے میں حصہ لینا چاہیئے۔ ظاہر ہے آج کی دنیا اور عدالتی سائنس میں ترقی کی وجہ سے یہ ثابت کرنا اب آسان ہے کہ کسی کی عصمت ریزی ہوئی ہے، لیکن شرعی قانون کے مطابق عصمت دری کے متاثرہ شخص کو یہ ثابت کرنے کے لئے چار الگ الگ گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ اللہ نے صرف یہ کیوں نہیں کہا کہ اگر یہ غیر واضح ہو تو پھر کسی کو بھی سنگسار نہیں کرنا۔ کیونکہ اگر وہاں چار مرد گواہ یا آٹھ خواتین گواہ (کیونکہ دو خواتین کی گواہی کو ایک مرد کی گواہی کے مترادف سمجھا جاتا ہے، یعنی کہ آدھا) موجود ہوتے تو یقیناً انہوں نے عصمت دری کو روک دیا ہوتا۔

چار گواہوں کی یہ ضرورت اُس وقت سامنے آئی جب محمد کی اہلیہ عائشہ پر محمد کو دھوکہ دینے کا الزام تھا۔ تین گواہ اس بات کی کی تصدیق کے لئے موجود تھے۔ تاہم محمد اس پر یقین نہیں کرنا چاہتے تھے

اس لیے اُنہوں نے کہا کہ چار گواہ لائے جائیں۔ چونکہ وہاں صرف تین گواہ موجود تھے، اس لئے عائشہ کو سنگسار نہیں کیا گیا۔

جب محمد دھوکہ دہی کے الزامات پر عائشہ کی قسمت کا فیصلہ کر رہا تھے تو اچانک جاڑے کے ایک خشک کے دن میں محمد کو پسینہ آنا شروع ہو گیا اور ان پر ایک الہی وحی نازل ہوئی اور اس نے کہا،

"اے عائشہ! اللہ نے آپ کو بے گناہ قرار دے دیا ہے!" (صحیح بخاری)

"جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں پھر چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو انہیں اسی کوڑے لگاؤ اور کبھی بھی ان کی گواہی قبول نہ کرو۔ یہ فاسق لوگ ہیں۔"

(قرآن ۴:۲۴)

محمد اور اس کی پیاری بیوی عائشہ کے معاملے میں اللہ نے ایک نیا قانون بنا دیا اور حقیقت میں عورت کے حق میں چار گواہوں کو استعمال کیا کیونکہ وہ عائشہ کو سنگسار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ آپ ضرور سوچ رہے ہوں گے کہ یہ واقعہ واضح طور پر عورت کے حق میں کام کرتا ہے۔ تاہم اہم نقطہ یہ ہے کہ اس معاملے میں ملوث آدمی سے تصدیق یا تردید کرنے کو کہا ہی نہیں گیا۔

اگر ایک شخص عصمت دری کرنے کا اقرار کرتا ہے، تو اُسے سزا دی جائے گی، لیکن اگر ایک عورت ایک آدمی پر عصمت دری کا الزام لگاتی ہے، لیکن اُس آدمی کا دعویٰ ہے کہ یہ دونوں کی رضامندی سے ہوا ہے، تو دونوں کو سزا دی جائے گی۔ یہاں تک کہ اگر تین گواہ بھی مظلوم کے حق میں ثبوت فراہم کریں تو وہ بھی کافی نہیں ہے۔ کیونکہ مظلوم شخص خود اس جنسی زیادتی کا حصہ تھا اس لئے اس بات کے حساب سے ان دونوں کو سزا دی جانی چاہئیے۔ اور اگر مدعی اور دعویٰ کرنے والا دونوں شادی شدہ ہیں تو انہیں سنگسار کر کہ مار دینا چاہئیے۔ چونکہ میں اللہ اور اس کے قانون کا پاسدار ہوں تو مجھے ان باتوں پر سوال نہیں کرنا چاہیئے اور ان خوفناک گناہ گاروں کو سنگسار کرنے میں جوش و جذبہ سے حصہ لینا چاہئیے۔

اگر کوئی کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کر رہا اور دو لوگ باہمی رضامندی سے جنسی تعلق قائم کرنا چاہتے ہیں تو اس میں خوفناک کیا ہے؟ اگر جنسی تعلقات قائم کرنا اور مباشرت ایسا برا کام تھا تو اللہ نے اس عمل کو بنایا ہی کیوں اور افزائش نسل کے لئے لا جنسی کے عمل کو کیوں نہیں چنا؟

مجھے اُن انسانوں کو بھی مار دینا چاہئیے جو اللہ پر یقین نہیں کرتے اور اگر وہ مندرجہ ذیل کام کرتے ہیں:

الف: وہ میرے ملک پر حملہ کرتے ہیں۔

ب: وہ کسی ایسے معاشرے کے خیالات پھیلا کر جو اللہ کے معزز معاشرے کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا میرے مذہب میں کو خطرے میں ڈالتے ہیں۔

میں حصہ الف کی صورتحال کو سمجھ سکتا ہوں کیونکہ اپنے ملک کے لئے جان دینے کو ہر معاشرے میں فروغ دیا جاتا ہے، لیکن حصہ ب کی صورت حال میں بڑی دشواری ہے۔ مندرجہ ذیل قرآنی آیت پر غور کریں:

"اور تم ان سے اس حد تک لڑو کہ ان میں عقیدہ پر فساد نہ رہے۔ اور دین اللہ ہی کا ہو جائے پھر اگر یہ باز آ جائیں تو اللہ تعالیٰ ان اعمال کو خوب دیکھتا ہے۔" (قرآن ۸:۳۹)

یہ آیت اتنی خطرناک ہے کہ طالبان کو بھی اس پر عمل کرنے میں بہت دشواری ہوتی ہوگی۔ حالانکہ مسلمان علماء کی رائے اس بارے میں مختلف ہے لیکن جیسے کہ میں ایک عقیدت مند مسلمان ہوں تو مجھے ہر طرح سے اسلام کا دفاع کرنا اور اسے فروغ دینا آتا ہے۔

اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟

"ان لوگوں سے لڑو، جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے جو اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ شے کو حرام نہیں جانتے، نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں ان لوگوں میں جنہیں کتاب دی گئی ہے، یہاں تک کہ وہ ذلیل وخوار ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔" (قرآن ۹:۲۹)

جزیہ کفر ٹیکس ہے۔ اگر آپ غیر مسلمان ہیں اور ایک مسلمان ملک میں رہ رہے ہیں تو آپ کو جزیہ دینا پڑے گا۔ ذرا سوچیئے کیا ہوتا اگر آسٹریلیا نے مسلمانوں پر غیر عیسائی ہونے کا ٹیکس نافذ کیا ہوتا۔

میں اپنے بچپن کی ایک کہانی سنانا چاہتا ہوں۔ ایک ایسے شخص کے بارے میں جو اپنی دہشت گردی کی کارروائیوں کے لئے مشہور ہے۔ میری عمر تقریباً ۱۵ سال تھی اور اُس وقت تک حالانکہ میں مسجد جایا کرتا تھا لیکن پھر بھی مجھے مذہب کے اس نظریے میں کچھ سنجیدہ خامیاں نظر آنا شروع ہو گئی تھیں، جس پر یقین کرنے کے لئے مجھے مجبور کیا جا رہا تھا۔ میرے والد ایک اعتدال پسند مسلمان ہیں۔ اُن کے ایک معظم نامی دوست تھے۔ جو اعتدال پسند نظر آتے تھے، لیکن بعد میں ہمیں پتہ چلا اُن کے خیالات طالبان کے نظریہ سے مختلف نہیں تھے۔ وہ دھوکے سے میرے والد کو پاکستان کے ایک شہر آزاد کشمیر لے گئے۔ ہم نے اُس جگہ کی خوبصورتی کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا تھا، لہذا سو اور دوسرے مسافروں کے ساتھ ہم بھی فوری طور پر وہاں جانے کے لئے راضی ہو گئے۔ میرے والد نے بڑی معصومیت سے سوچا کہ یہ ایک عیاشی والی چھٹیوں کا سفر ہو گا، لیکن جیسے ہی ہم بس میں بیٹھے، ہمیں احساس ہوا کہ کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ جیسے جیسے ہم آگے گئے ہم نے محسوس کیا کہ یہ چھٹی نہیں ہے۔ یہ ایک مذہبی تبلیغی سفر ہے، جو جہادی بھرتی کے لیے کیا جا رہا ہے۔

بالآخر ہم غدار خطے اور خوبصورت وادیوں سے ہوتے ہوئے آزاد کشمیر پہنچ گئے۔ جب ہم اپنی منزل پر پہنچے تو تمام مسافروں کو ایک بہت ہی خوبصورت دلکش پہاڑی پر چھینک دیا گیا، جہاں پر سیکڑوں داڑھی والے اسلحہ سے لیس افراد موجود تھے۔ جی پی ایس یا کسی نقشے کے بغیر قطعی طور پر یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ ہم لوگ کہاں تھے لیکن ہمیں بتایا گیا کہ ہم 'لائن آف کنٹرول' یعنی ہندوستانی اور پاکستانی کشمیر کی سرحد
کے بہت قریب تھے۔ جہادی تنظیم لشکر طیبہ کے ساتھ وہ یہ میرا پہلا اور خوش قسمتی سے آخری تجربہ تھا۔ اس تنظیم کا واحد دشمن ہندوستان تھا، اور چونکہ میں ہندوستان کا بہت بڑا پرستار نہیں تھا، تو وہ ساری کہانیاں جن کا ہندوستانی میڈیا یا پاکستانی میڈیا پر پروپیگنڈا کیے جا رہا تھا مجھے اُن کے پاکستانی ترجمے سے زیادہ سچی نظر آنے لگیں۔ اُس وقت میرے والد نے صورتحال کی سنگینی کو سمجھا اور اپنے دوست سے کہا کہ وہ اپنے بیٹے کو واپس لاہور لے جانا چاہتا ہیں کیوں کہ اُنہیں نہیں لگتا کہ ایک پندرہ سالہ بچے کے لئے یہ موزوں ماحول ہے۔ معظم نے میرے والد کو یقین دلایا کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا اور اگلی بس کے آنے سے پہلے وہاں سے جانے کا کوئی راستہ نہیں ہے اور دوسری بس نے اگلے دن روانہ ہونا تھا۔

ہم گرمیوں کے کپڑوں میں ملبوس تھے، لیکن درجہ حرارت قریب صفر ڈگری سیلسیس تک نیچے گر گیا۔ میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ اُن لوگوں نے ہمیں بہت خوش آمدید کیا اور ہمارے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ محدود وسائل ہونے کے باوجود ہمیں گرم کپڑے اور کھانا دیا۔ ہم نے بڑی پلیٹ جس کو پرات یا تھال کہتے ہیں اُس میں ایک ساتھ کھانا کھایا۔ جہاں ایک ہی پرات سے تین چار آدمی اپنے ہاتھوں سے کھانا کھاتے ہیں۔ حالانکہ ایک بڑی پلیٹ میں مل کر کھانے سے اخوت میں اضافہ ہوتا ہے لیکن میرے لئے یہ بہت مشکل تھا اس لیے میں نے اگلے دن تک کچھ نہیں کھایا۔ ہم نے ایک ایسے کمرے میں رات گزاری جو اتنا بڑا نہیں تھ کہ اُس میں سو مردوں کو ایک ساتھ ٹھہرایا جاسکے۔ ہم سب ایک ساتھ فرش پر رضائی لیکر سو گئے۔ مجھے یہ تجربہ بالکل پسند نہیں آیا اور میں نے اپنے والد کو کہہ دیا کہ میں اب مزید اس طرح یہاں بالکل نہیں سوں گا۔ میرے بیچارے والد جانتے تھے کہ اُن کا بیٹا ایسے قدیم اور بدترین حالات میں رہنے کا عادی نہیں ہے لیکن وہ زیادہ کچھ نہیں کر سکے۔ بس مجھے یقین دلایا کہ ہم اگلے دن وہاں سے روانہ ہونے جائیں گے۔

اگلے دن بیلٹوں کے کچھ خوفناک شور سے ہم جاگ گئے۔ ہم نے محسوس کیا کہ کچھ آدمی سوئے ہوئے مردوں کو فجر پڑھنے کے لئے جگا رہے ہیں۔ میرے والد جلدی سے اٹھ گئے اور مجھے بھی ساتھ چلنے کے لئے کہا۔ قد میں چھوٹا ہونے کی وجہ سے میں نے اپنے والد سے کہا کہ میں رضائی کے نیچے چھپ جاؤں گا۔ میرے والد مجھ سے بحث کر کہ کسی کی توجہ مبذول نہیں کرنا چاہتے تھے، تو وہ سیدھے مسجد کی طرف چل پڑے۔ میرے اٹھنے کے بعد ہمیں بتایا گیا کہ لشکرِ طیبہ کا عظیم قائد ہم سے خطاب کرے گا اور ہمارے تمام سوالوں کا جواب دیا جائے گا۔ کچھ قانونی وجوہات کے وجہ سے میں اُس کا نام نہیں لے سکتا لیکن آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ کون ہو گا۔

وہ ایک فوجی ہیلی کاپٹر میں آیا اور کچھ بہت ہی نرم لہجہ اور شائستہ مردوں نے ہمیں سلام کیا۔ چونکہ یہ ایک بہت پرانی بات ہے تو میں اُس کی ساری باتوں کا حوالہ نہیں دے سکتا لیکن اُن کا خلاصہ بتاتا ہوں۔

نوجوان اور بوڑھے مسلمان مردوں کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے بتایا کہ کس طرح پاکستان اور اسلام کو اُن کی ضرورت تھی۔ یہ وہ وقت تھا جب میرے والد کو احساس ہوا کہ یہ تبلیغی اجتماع نہ صرف پیسے بنانے کے لئے ہے بلکہ یہ لشکر درحقیقت نوجوان مسلمان لڑکے بھرتی کرنے کے لئے ہو رہا ہے۔

اُس نے پہلے ہمیں بتایا کہ کیسے کافر ہندو سپاہی بھارت میں ہماری مسلمان بہنوں اور بھائیوں کی عصمت دری کر رہے ہیں اور اُنہیں قتل کر رہے ہیں اور کس طرح یہ ہمارا مذہبی اور قومی فریضہ بنتا ہے کہ ہم اُن کی مدد کریں۔ اُس نے ہمیں بتایا کہ عظیم جنگجوؤں کی اسلام میں کتنی قدر کی جاتی ہے، اور اگر ہم اللہ کی اس لڑائی میں مارے جاتے ہیں تو ہم جنت میں جائیں گے اور وہاں ہمیں خوبصورت کنواری لڑکیاں ملیں گی۔ جیسا کہ میں نے پہلے کہا کہ مجھے مذہب پر شک تھا لیکن خدا کے تصور کے بارے میں میرے پاس کوئی ٹھوس رائے نہیں تھی۔ اُس کے بعد اُس نے مظاہرہ کیا کہ راکٹ سے چلنے والے دستی بم کو کیسے فائر کیا جاتا ہے۔ ہمیں منہ کھلا رکھنے کی ہدایت کی گئی تھی تاکہ آر پی جی کی آواز سے ہمارے کانوں کے پردے نہ پھٹ جائیں۔ پھر ہمیں مجاہدین نامی مقدس جنگجوؤں کی براہ راست تربیت کی مشق دکھائی گئی۔ مشق سے معلوم ہوا کہ اُن مجاہدین نے اپنے ساتھی مجاہدین کو ہندوستانی شیطان فوجیوں کے اغوا کرنے سے کیسے بچایا۔ میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ جو فائر پاور اُنہوں نے استعمال کیا وہ واقعی امتیاز ور دار اور جارحانہ تھا کہ وہ مجھے اچھا لگا۔ ہمیں ہالی ووڈ کی فلمیں دیکھ کر جنگ اور بندوق کی لڑائی بڑی اچھی لگتی ہے، لیکن یہ تجربہ اس سے مختلف تھا۔ اُن گولہ بارود

کی آواز کسی کو بھی مرغوب کرنے کے لئے کافی ہے۔ اس کے بعد اُس نے آخری بار ہم سے خطاب کیا ہمیں اور سامعین سے التجا کی کہ وہ اُس کے کام کا حصہ بن جائیں اور ہندوستان کے خلاف اس مقدس جنگ میں حصہ لیں۔ اس وقت تک میں اُن کی باتوں میں آچکا تھا اور اپنے ملک اور نئے اس نئے عطا کردہ مذہب کے لئے لڑنے اور جان دینے کے لئے تیار تھا۔

جب رجسٹر والا آدمی میرے والد کے پاس آیا تو میرے والد نے اسے کہا کہ وہ اس کے بارے میں سوچیں گے۔ جب بھرتی کرنے والے نے اصرار کیا اور یہ پوچھنے کی کوشش کی کہ اتنے سادہ سے فیصلے کے بارے میں اتنا سوچنے کی کیا ضرورت ہے، تو میرے والد نے اُسے کہا کہ اگر بھارتی فوج سے لڑنا ہی ہے تو وہ مجھے پاک فوج بھیج دیں گے لیکن یہاں نہیں۔ اُس عظیم رہنما نے یہ بات سن لی اور پاکستانی فوج کس طرح غداروں، بزدلوں اور غیر اسلامی، شراب نوشی کرنے والے سپاہیوں سے بھری ہوئی ہے اس بات پر خوب درس دیا۔ اُس نے ہمیں بتایا کہ کس طرح ستر ہزار پاکستانی فوجیوں نے ۱۹۸۱ کے ہندوستان میں ہتھیار ڈال دیئے تھے جو اب بنگلہ دیش ہے۔

مجھے اُس شخص کی یہ بات بہت عجیب لگی کہ وہ ایک فوجی ہیلی کاپٹر میں آیا تھا اور ظاہر ہے کہ اُس کے پاس پاکستانی فوج کی امداد بھی ہو گی لیکن پھر بھی وہ سرعام بری طرح سے اس کی برائیاں کر رہا تھا۔ انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اگر پاکستان کو بھارت سے کشمیر واپس لینا ہے تو یہ کام پاک فوج نہیں بلکہ صرف مجاہدین واپس کر سکتے ہیں۔ یہاں اب میں نے اپنے والد کے ساتھ بحث شروع کر دی کہ میں یہاں رہنا چاہتا ہوں اور اس کام میں حصہ لینا چاہتا ہوں۔ میرے والد اس بات پر بہت ناراض ہوئے اور پہلی دفعہ انہوں نے ہمت کا مظاہرہ کیا اور کہا کہ پاکستانی قانون کے تحت میں ایک بالغ نہیں ہوں تو میں اُن کی نگرانی میں آتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ وہاں سے وہ چلے گئے اور مجھ پر کوئی اور دباؤ نہیں ڈالا۔ لیکن میں نے دیکھا کہ وہاں کے کچھ نوکر دار مجھ پر نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ اس کے بعد جب تک ہم وہاں سے چلے نہیں گئے میرے والد نے مجھے ایک لمحے کے لئے بھی اپنی نگاہوں سے دور نہیں ہونے دیا۔

جب میں واپس لاہور پہنچا اور موسیقی اور فلموں کی طرف دوبارہ گیا تو اس عظیم قائد نے جو جادو مجھ پر کر دیا تھا اُس سے باہر آنے میں مجھے زیادہ وقت نہیں لگا۔ لیکن مجھے اب بھی تعجب ہوتا ہے کہ کیا میں آج زندہ ہوتا اگر میں وہاں بھرتی ہو گیا ہوتا۔ میں آج بھی یہ سوچ کر حیران رہ جاتا ہوں کہ کس طرح ایک جدید تعلیم یافتہ اور خدایا کائنات کی ابتداء کے بارے میں علم سے انکاری ذہن رکھنے والا بچہ کیسے چند لمحوں میں ایک مقدس جنگ میں شامل ہونے کے لیے متاثر ہو گیا تھا۔ تو ایک دینی مدرسے میں پڑھے ہوئے بچے کو ایک مقدس جنگ میں خود کو بم سے اڑانے کے لیے تیار کرنا کتنا آسان ہو گا؟ چونکہ میں نے اس بات کا تجربہ خود کیا ہوا تھا، تو لہذا مجھے حیرت نہیں ہوئی جب میں نے دو سال بعد دو طیاروں کو ورلڈ ٹریڈ سینٹر سے ٹکراتے ہوئے دیکھا۔ میرے بہت سارے دوست اُس وقت یہ بات سوچتے تھے کہ کس طرح کوئی خود کو کسی ایسی چیز کے لیے مار سکتا ہے جس کا حتمی نتیجہ بھی اُنہیں نہیں پتا، لیکن میرے لئے یہ سمجھنا آسان تھا۔ میرا ایک کزن رضاکارانہ طور پر ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے خلاف مقدس جنگ لڑنے کے لئے گھر سے بھاگ گیا تھا۔ ہم نے بعد میں سنا کہ اس نے اپنی والدہ سے ایک دفعہ بات کی تھی اور اُنہیں بتایا کہ اُسے اپنے بھاگ جانے کا کتنا افسوس ہے اور وہ واپس گھر وہ آنا چاہتا ہے لیکن وہ کبھی واپس نہیں آیا۔ لشکر طیبہ کے عظیم قائد کے پیچھے اب ہندوستان اور امریکہ دونوں پڑے ہوئے ہیں اور اُس کے سر پر دس

ملین ڈالر کا انعام ہے۔ اُس شخص کا تجربہ خود کرنے کے بعد جب میں پاکستان کے انتہائی قابل احترام مفکرین اور دانشوروں کو اُسے ایک پُرامن مسلمان کہتے ہوئے سنتا ہوں تو مجھے بہت افسوس ہوتا ہے۔

خوش قسمتی سے میرے والدیا میں نے پاسکل کی دانو کے بارے میں نہیں سنا ہوا تھا، ورنہ دوسری صورت میں اللہ پر ہمارے اندھے یقین کی وجہ سے میں وہاں بھرتی ہو جاتا اور اب تک مجھے مرے ہوئے بھی تقریباً دو دہائیاں بیت چکی ہوتیں۔ بغیر شواہد کے کسی بھی چیز پر یقین رکھنا بے پناہ پریشانیوں کا باعث بنتا ہے۔ جب آپ کسی مذہب پر یقین رکھتے ہیں تو آپ اس سے متعلق کسی بھی چیز پر یقین کرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں بھلے اُس کے پیچھے کوئی ثبوت موجود نہ ہو۔ مشرقی ثقافتوں میں 'نظر بد' کا ایک عقیدہ ہے، جو حسد یا ناپسندیدگی کی نگاہ سے ہوتا ہے۔ لوگوں کا ماننا ہے کہ بے جان چیز کو اگر نظر بد لگ جائے تو وہ خراب ہو جاتی ہے اور جاندار کو چوٹ لگ جاتی ہے یا اُس موت واقع ہو جاتی ہے۔ مختلف ثقافتوں نے اس سے بچاؤ کے مختلف حل بنائے ہوئے ہیں جیسے اسلام میں اس کے لیے دعائیں کی جاتی ہیں اور ہندو ثقافت میں کچھ رسومات کی جاتی ہیں۔

اس یقین کے مطابق اگر آپ نے ایک خوبصورت نئی گاڑی خریدی ہے تو آپ اس کی زیادہ تعریف نہ کریں ورنہ جو لوگ آپ سے حسد کرتے ہیں یا آپ کو ناپسند کرتے ہیں ان کی بری نظر گاڑی کو لگ جائے گی اور آپ کی گاڑی چوری یا تباہ ہو جائے گی۔ مزید یہ کہ انجانے میں آپ کے عزیز و اقارب کی بھی بری نظر آپ کی چیزوں کو لگ سکتی ہے۔ لہٰذا اگر آپ مسلمان ہیں تو آپ کو کسی بھی خوبصورت چیز کو دیکھ کر ماشاءاللہ کہنا چاہیئے یا اُس پر سورت الناس یا سورت الفلق پڑھ کر پھونکنی چاہیئے۔ اور اگر آپ ہندو ہیں تو آپ
کو اس چیز کی آرتی کرنا چاہیئے۔ اگر انسانوں کو کسی کی بری نظر لگ جائے تو ان کے لئے بھی اسی طرح کی دعائیں اور مذہبی سرگرمیاں انجام دی جاتی ہیں۔

ہندو ثقافت میں اس عقیدہ کے پیروکار بھی اس نئی خوبصورت چیز کے ساتھ کوئی بدصورت چیز لٹکا دیتے ہیں۔ ایسا کرنے سے اُن کا مقصد یہ ہے کہ بری نظر اس کے مرکزی ہدف (یعنی وہ خوبصورت شخص یا شے) سے خود ہی تھوڑا سا ہٹ جائے گا کیونکہ اُس کے ساتھ کچھ بدصورتی بھی موجود ہے اور یہ چیز اُسے تباہی سے بچالے گی۔ پاکستان میں ہندو ثقافت سے بہت ساری روایات کو اپنایا گیا ہے کیونکہ مسلمانوں نے ہندوؤں کے ساتھ تقریباً ایک ہزار سال زندگی گزاری ہے۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ بری چیز ہے کیونکہ عربی کے مقابلے میں پاکستانی ثقافت ہندو ثقافت سے اگر زیادہ متاثر ہے تو یہ یقینی طور پر ایک اچھی چیز ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ پاکستانی مسلمانوں کی اکثریت اپنے ملک میں شرعی قانون نافذ نہیں کرنا چاہتی۔

میں ایک مشہور پاکستانی پروگرام "حسبِ حال" دیکھ رہا تھا۔ اُس کی ۳ مئی ۲۰۱۲ والی قسط میں پروگرام کے میزبان نے ایسے لوگوں کے بارے میں بتا کر تفریح کی جو بری نظر سے بچنے کے لیے ہندوؤں کے علاج کے طریقے اپناتے ہیں۔ جیسی کہ نئی کار پر جوتا لٹکا دینا یا کسی کے چہرے پر کالا داغ لگا دینا۔ وہ پھر اس بارے میں لیکچر دینے لگا کہ پاکستانی یہ کیسے مسلمان ہیں انہیں بری نظر سے بچنے کے لیے صرف اللہ سے دعا کرنی چاہیئے۔ اس پورے معاملے میں استہزاء کی بات یہ تھی کہ وہ ایک ایسا شخص تھا جو خود بھی توہم پرست چیزوں پر یقین رکھتا تھا لیکن کسی دوسری ثقافت کا توہم پرستی پر مذاق اڑا رہا تھا اور اسے لگ رہا تھا کہ وہ بہت ہوشیار ہے۔ اگر وہ میزبان نے اُن تمام لوگوں کا

مذاق اڑاتا جو توہمات پر یقین رکھتے تھے تو بات کچھ سمجھ میں آتی لیکن مجھے لگتا ہے کہ جب آپ مذہب جیسی کسی توہم پرست چیز پر یقین رکھتے ہیں تو پھر آپ بغیر ثبوت کے کسی بھی چیز پر یقین کر لیتے ہیں۔

"اے ایمان والو! اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ کفر کو ایمان سے زیادہ عزیز رکھیں۔ تم میں سے جو بھی ان سے محبت رکھے گا وہ پورا گنہگار ظالم ہے۔" (قرآن ۹:۲۳)

اس آیت میں مسلمانوں کو ہدایت دی گئی کہ اُن لوگوں کے ساتھ دوستی نہ کریں جو اللہ پر بھروسہ نہیں کرتے، چاہے وہ آپ کے والدین یا بھائی بہن ہی کیوں نہ ہوں۔ جو لوگ آپ کے ذاتی عقائد سے متفق نہ ہوں مذہب نہ صرف اُن سے تفریق کرنے کا کہہ رہا ہے بلکہ ان سے نفرت کرنے کی بھی ہدایت ہے۔ سوچیں اگر میں اپنے خاندان والوں سے محض اس وجہ سے قطع تعلق کر لوں کہ وہ سرمایہ داری کے اوپر اشتراکیت یا اس کے برعکس اشتراکیت کے اوپر سرمایہ داری کو ترجیح دیتے ہیں۔ یا پھر وہ کرکٹ ٹیم پسند نہیں کرتے جو مجھے پسند ہے۔

زیادہ تر لوگ پریوں پر یقین نہیں رکھتے، لیکن وہ جن بھوتوں پر یقین رکھتے ہیں۔ مجھے حیرانی ہوتی ہے کہ پریاں اتنی قابل یقین کیوں نہیں ہیں جتنی کہ اس طرح کی دوسری بے جواز چیزیں؟ مجھے اس کی ایک واحد وجہ خوف نظر آتی ہے۔ آپ یہ تجربہ خود کر کے اس بات کو آزما سکتے ہیں اور بہت سارے پیسے بھی کما سکتے ہیں۔ کسی بھی انسان کو اپنے کسی بھی کام سے متعلق ایک ای میل بھیجیں اور اُسے کہیں کہ وہ یہ ای میل آگے زیادہ سے زیادہ افراد کو بھیجے "اس سے اللہ اس کی مدد کرے گا اور اُس کے کام میں برکت ڈالے گا"۔ اس پیغام کے پھیلنے میں آپ کی قسمت آپ کا زیادہ ساتھ نہیں دے گی۔ ہاں دوسری جانب اگر آپ اسی ای میل کے آخر میں ایک لائن یہ شامل کر دیں کہ "اگر آپ اسے کم از کم بیس دوستوں کو نہیں بھیجیں گے تو آپ کے کسی عزیز و اقارب کی موت واقع ہو جائے گی" یا اسی قسم کی کوئی اور دردناک بات لکھ دیں تو آپ کا پیغام بہت زیادہ لوگوں تک پہنچ جائے گا۔ ہم نے یہاں کیا بدلا؟ خواہ لوگ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں لیکن انہیں نعمت کی اتنی پرواہ نہیں ہوتی جتنی خدا کے قہر کی ہوتی ہے۔ یہ مذہب کا پہلا حربہ ہوتا ہے یہ لوگوں کو اپنی جانب خوف وہراس سے کھینچتا ہے۔ انسانوں نے اپنی زندگی کو اتنا پر سکون اور آرام دہ بنا لیا ہے کہ اب انہیں فطری شکار خوروں سے بھی ڈر نہیں لگتا لیکن پھر بھی انہیں ڈرنے کے لئے کچھ نہ کچھ چاہیئے ہوتا ہے۔ انسانوں کی اس کمزوری کا استحصال کرنے کے لیے کچھ مکار لوگوں نے مذہبی نظریات بنائے۔ میں اکثر سوچتا ہوں کہ اگر جہنم کا کوئی تصور نہیں ہوتا تو کیا بڑے مذاہب کامیاب ہوتے؟

تو آخر کار خدا اور اس کے اصولوں پر یقین کرنا بہت عقلمندی کا کام ہے، اگر میں نے یہ کام کیا ہوتا، تو میں نے کبھی میڈونا یا نور جہاں کے بارے میں نہیں سنا ہوتا، ٹام ہینکس یا شاہ رخ خان کو نہیں دیکھا ہوتا اور اس کے بجائے میں نے بہت سارے مردوں اور خواتین کو سنگسار کر کے موت کے گھاٹ اتارا ہوتا،
ممکنہ طور پر دوسرے انسانوں کے خلاف کسی سیاسی یا معاشی لالچ کی بنیاد پر کوئی جنگ لڑتا اور شاید بہت کم عمری میں مر جاتا یا اپنے خاندان کے لوگوں سے محض اعتقاد کی کمی کی وجہ سے نفرت کرتا اور الگ ہو جاتا۔ پاسکل کی تجویز کے مطابق اگر خدا پر یقین غلط ثابت ہو جائے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن اس سے بہت فرق پڑتا ہے۔ یہ چند صفحات خدا کو غلط ثابت نہیں کرتے لیکن یقینی طور پر یہ ثابت کرتے ہیں کہ غلط خدا کی اور اُس کی عدم موجودگی کی جو قیمت ہم ادا کرتے ہیں، وہ بہت زیادہ ہے۔ کیا آپ

مجھ سے یہ توقع کرتے ہیں کہ میں اس غیر ضروری ساز وسامان کے ساتھ زندگی بسر کروں جو ہزاروں سال پہلے غاروں میں رہنے والے مردوں کے بغیر کسی ثبوت کے لکھے ہوئے کچھ صحیفوں پر مبنی ہے؟

مذکورہ بالا تمام پریشانیوں کے لئے اسلام کو موردالزام قرار دیا جاسکتا ہے۔ لیکن اُس دوسرے سامان کا کیا جس کا تعلق خصوصاً اسلام سے نہیں ہے؟ جادو یا بھوت اور شیطان جیسے عقائد کے بارے میں کیا خیال ہے؟ میری سالی عیسائی ہے اور ہم سب کو ہمیشہ بتاتی رہتی ہے کہ وہ کس طرح 'روحوں' سے بات چیت کرتی ہے۔ میں نے روحوں کے بارے میں اُس کے ساتھ اُن روحوں کے متعلق کچھ معقول گفتگو کرنے کی کوشش کی لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ میری ساس ایک اصلاح کے بعد ہونے والی عیسائی اور ایک بہت اچھی انسان تھیں۔ وہ بہت معقول تھیں۔ ۱۹جون ۲۰۱۲ کو صبح ۸ بجے میلبورن میں زلزلہ آیا۔
جونہی زلزلہ ختم ہوا میری ساس کا فون آیا، اُنہوں نے میری بیوی کو کہا کہ پورا گھر لرز رہا تھا اور اُنہیں اپنی بیٹی کے کمرے میں جانے سے بھی ڈر لگ رہا تھا۔ جب میری بیوی نے ان سے پوچھا کیا آپ زلزلے سے خوفزدہ ہو گی تھیں؟ تو انہوں نے کہا، نہیں! مجھے لگا میری بیٹی کی روحوں نے اُس کے کمرے پر حملہ کر دیا تھا۔ یقیناً اُس وقت وہ خوفزدہ تھیں تو اُنہیں ایسا لگا لیکن جیسے ہی انہوں نے اسے ایک معقول ذہن سے سوچا تو اُنہیں احساس ہوا کہ یہ صرف زلزلہ تھا۔ خوش قسمتی سے مغربی تعلیم وثقافت کی وجہ سے وہ اس چیز سے بڑی آسانی سے باہر تو آ گئیں لیکن پھر بھی توہم پرستی ختم نہیں ہوتی۔

اس کی کوئی تو وجہ ہے جو مغربی لوگ مشرقی لوگوں سے کم توہم پرست ہیں۔ پاکستان میں میری ایک آنٹی بہت مذہبی ہیں۔ ایک دفع میں اُن سے م بات کر رہا تھا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں اس عورت کے بارے میں سنا ہوا ہے جو توہین رسالت کے بعد سانپ میں تبدیل ہو گئ تھی؟ میں نے جواب دیا میں نے اس کے بارے میں نہیں سنا ہوا لیکن میں اسے ڈھونڈ کر دیکھ لوں گا۔ وہ ویڈیو ابھی بھی یوٹیوب پر موجود ہے۔ آپ یوٹیوب پر 'عورت کا حج کے دوران سانپ میں تبدیل ہو جانا' لکھ کر اسے تلاش کر سکتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ میں وہ ویڈیو دیکھتا میں نے اپنی آنٹی سے پوچھ کہ آپ کا اس کے بارے میں کیا خیال ہے کیا آپ کو لگتا ہے کہ یہ بات سچ ہو گی؟ انہوں نے فوراً جواب دیا، "جب آپ عظیم پیغمبر کی توہین کرتے ہیں تو اس طرح کا کچھ ہونے کا امکان ہے"۔ میں نے پوچھا کہ آپ کو یہ بات کس نے بتائی؟ تو انہوں نے کہا کہ جس ہائی اسکول میں وہ پڑھاتی ہیں وہاں ان کی ایک رفیق نے بتایا۔ میری آنٹی کا کہنا تھا کہ اُن کے اسکول کے تمام اساتذہ کی اس حادثے کو لیکر اتنے خوفزدہ ہیں کہ انہوں نے اُنہیں تنبیہ کی ہے کہ وہ اسے دیکھیں بھی نہیں۔ میں نے انہیں کہا کہ اگر یہ سچ ہوتا تو یہ پوری دنیا میں یہ بات پھیل چکی ہوتی اور میڈیا اس کہانی کے پیچھے پڑا ہوتا۔ میں نے وہ ویڈیو دیکھی میرے اندازے کے مطابق وہ جعلی تھی۔ میں نے اپنی آنٹی کو وہ بھیجی اور انہیں بتایا کہ وہ بات جھوٹی ہے لیکن انہیں پھر بھی میری بات سے مکمل طور پر متفق نہ ہوئیں۔ خوش قسمتی سے آج کل آپ کو جو کچھ بھی بتایا جاتا ہے اس پر یقین کرنے کے بجائے آپ خود تحقیق کر سکتے ہیں۔

ابھی کل کی بات ہے میری والدہ "جہنم کا کنواں" نامی ایک جھانسے میں آ گئیں تھیں۔ جو نوے کی دہائی کے اوائل میں کچھ روسی عیسائیوں نے ملحدوں کو بدروح بنانے کے لئے ایجاد کیا تھا۔ یہ دھوکہ دہی بظاہر ایک 'سائنسی منصوبہ' تھا جو سائبیریا میں چل رہا تھا جہاں کچھ لوگوں نے چودہ کلومیٹر گہرا ایک کھڈا کھودا۔ جب وہ اس کی تہہ تک پہنچے تو

اُنہیں لاکھوں افراد کی درد اور تکلیف میں چیخ و پکار سنائیں دی۔ اس منصوبے کی قیادت محترم ایزاکوف کر رہے تھے۔ جنہوں نے پھر مزید تفتیش کے لیے اُن اذیت میں مبتلا جانوں کی آواز ریکارڈ کرنے کیلئے گرمی سے حساس ہونے والے مائکروفونز اُس گڑھے میں پھینکے۔ اُن آوازوں کو سننے کے بعد ایزاکوف جو کہ ایک ملحد تھا فوراً ہی ایک جہنم کو ماننے والا عیسائی بن گیا۔ یہ

واضح طور پر ایک دھوکہ تھا کیونکہ سائبیریا میں نہ تو کبھی کوئی ایزاکوف نامی شخص رہتا تھا اور نہ ہی چودہ کلومیٹر گہرا کوئی گڑھا ہے۔ وہ چیخیں بنیادی طور پر فلم بلڈ بیرن سے لی گئیں تھیں اور ان میں کچھ ترمیم کر کہ وہ ویڈیو بنائی گئی تھی۔ ظاہر ہے میری والدہ نے مجھے ایک مسلمان کے تناظر سے وہ ویڈیو دکھائی اور مجھے اسلام قبول کرنے کو کہا کیوں کہ اُنہیں لگا یقیناً وہاں ایک جہنم ہے۔ اس سے پہلے کے میں اپنی والدہ کو اس فریب کے بارے میں کچھ بتاتا میں نے اُن سے پوچھا کہ کیا میں عیسائی بن جاؤں؟ کیونکہ ایزاکوف ایک عیسائی تھا۔ حیرت کی بات ہے کہ انہوں نے کہا، ہاں بالکل، بن جاؤ۔ کم از کم تم کسی خدا پر یقین کروگے۔ میں نے پھر اُن سے پوچھا کہ کیا وہ بھی ایسا کریں گی کہ وہ بھی عیسائی بن جائیں؟ اور جیسا کہ مجھے توقع تھی انہوں نے انکار کر دیا۔ میں نے انہیں بتایا کہ یہ ایک دھوکہ ہے اور جو چیخیں انہوں نے سنیں وہ بلڈ بیرن نامی ایک فلم میں سے لی گئیں تھیں۔ انہیں یہ سمجھ میں آ گیا کہ وہ ایک دھوکہ ہے اور انہوں نے اُسے قبول بھی کر لیا لیکن اُن کا جنت اور جہنم پر یقین اب بھی ہمیشہ کی طرح مضبوط ہے۔

اگر آج کوئی شخص دعویٰ کرے کہ وہ پروں والے گھوڑے پر بیٹھ کر مکہ سے بیت المقدس گیا تو یہ توہم پرست لوگ اُس پر ہنس پڑیں گے۔ یا اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس نے پانی کو شراب میں بدل دیا اور مردوں کو زندہ کر دیا۔ لیکن اگر ان سے کوئی کہے کہ ایسی ہی کوئی بات ہزاروں سال پہلے ہوئی ہے تو یہ لوگ بغیر کچھ سوچے سمجھے بغیر کسی ثبوت کے مبینہ طور پر پر یقین کرنے کو تیار ہیں۔ جس طرح آپ تضاد، متضاد دلائل اور ہمیشہ بدلنے والے نظریات کو سائنس کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں، اسی طرح آپ توہم پرستی، آزادی کی کمی اور خوشی کی کمی کو مذہب کے ساتھ جوڑ سکتے ہیں۔ سائنس کا سازوسامان ہمیں نئی ایجادات اور بہتر زندگی کی طرف لے جاتا ہے، لیکن مذہب کا سازوسامان ہمیں کسی اچھی چیز کی طرف لے کر نہیں جاتا۔

پاسکل کی دانو مکمل طور پر جہنم کے خوف کے مرکزی دعوے کے گرد گھومتی ہے۔ ہاں، اس بات سے اتفاق کرنا مناسب ہوتا اگر خدا اور جہنم کا نظریہ جو ہم قائم کر لیتے ہیں اُس کا کوئی قطعی ثبوت موجود ہوتا۔ صرف ایک خوف کی بنیاد پر کوئی فیصلہ کرنا ہرگز ٹھیک نہیں اور کسی خدا پر ایمان لے آنا محض اس بات سے خوفزدہ ہو کر کہ شاید واقعی کوئی جہنم ہو اور آپ کو اس میں ہمیشہ کے لیے جلایا جائے گا، یہ کہاں کی عقلمندی ہے؟ ہم اس خدشے سے اپنا کوئی اہم امتحان یا کوئی اہم ملاقات چھوڑ کر گھر پر نہیں بیٹھے رہتے کہ اگر ہم باہر گئے تو ہم کسی حادثے میں ہلاک ہو جائیں گے، لیکن پاسکل کی دانو کے مطابق ہمیں ہماری پوری زندگی ہزاروں سال پرانی داستانوں کے مطابق گزار دینی چاہیئے کیونکہ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو شاید کوئی جہنم ہو اور ہمیں اس میں جلایا جائے۔

باب نمبر ۴: خدا کا مفروضہ

یا تو خدا مصیبتوں کو روکنے کے لئے کچھ کر نہیں سکتا، یا اُسے پرواہ نہیں ہے، یا وہ موجود ہی نہیں ہے۔ لہٰذا، یا تو خدا برا ہے، یا خیالی ہے یا نامرد ہے۔ آپ خود چنیں کہ وہ کیا ہے اور سمجھداری سے انتخاب کیجئے گا۔~ سیم ہیرس

دنیا میں کروڑوں اربوں لوگ مختلف خداؤں میں یقین رکھتے ہیں، اور ہر ایک کا یہ ماننا ہے کہ یہ دنیا اس کے خدا نے بنائی ہے۔ سب سے زیادہ عام دلیل جو توحید پرست دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ اگر انسان کو کوئی چیز فی الوقت سمجھ نہیں آتی تو اسکا مطلب ہے کہ اس کے پیچھے خدا کا ہاتھ ہے۔ اس دلیل کو "خلیج کے خدا" کہتے ہیں۔ قدیم یونانی نہیں جانتے تھے کہ سمندری طوفان کیسے آتے تھے؟ اور کیوں آتے تھے؟ تو انہوں نے سمندری آب وہوا کے لئے ایک خدا تخلیق کر لیا۔ جس کا نام پوسائڈن رکھ دیا۔ پھر رومی آئے۔ وہ بھی نہیں سمجھ پائے کہ سمندری طوفان کیسے آتے تھے؟ اور کیوں آتے تھے؟ تو انہوں نے اسے نیپچیون کہنا شروع کر دیا۔ آج ہم جانتے ہیں کہ سمندری طوفان کیسے اور کیوں آتے ہیں۔ تو ہمیں پوسائڈن اور نیپچیون کی ضرورت نہیں ہے اور یہ اب اپنے سے پہلے خداؤں کی طرح مرے ہوئے خدا ہیں۔

جدید دور کے عظیم الشان سائنسدانوں میں سے ایک آئزیک نیوٹن تھا۔ جو خدا کو مانتا تھا۔ وہ ایک نہایت عقلمند انسان تھا۔ اُس نے کیلکولس ایجاد کیا تا کہ وہ سیاروں کی حرکت کو جانچ سکے اور اس پر کام کر سکے۔ وہ اس عمل میں کامیاب بھی ہوا۔ تمام حساب مکمل ہو گیا، لیکن وہ کشش ثقل کی وجہ سے چند سیاروں کے دائروں پر پڑنے والے اثرات کا حساب نہ لگا سکا۔ جس کی وجہ سے اس نے ہار مان لی اور یہ کہہ دیا کہ اس میں خدا کا ہاتھ ہے۔ آج ہمارے پاس بہترین عالم فلکیات اور ریاضی دان موجود ہیں اور ہم ہر سیارے میں موجود کشش ثقل کے اثرات پر کام کر سکتے ہیں۔ اس لیے ہمیں اب پوسائڈن اور نیپچیون کی طرح نیوٹن کے خدا کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ جو کہ ایک عیسائی خدا تھا۔ اگر نیوٹن ہار نہ مانتا اور یہ نہ سوچتا کہ اس میں خدا کا ہاتھ ہے تو شاید وہ آج کل کے ماہر فلکیات اور ریاضی دانوں کی طرح اپنے اس مسئلے کا حل نکال لیتا۔

آج توحید پرست لوگ کہتے ہیں کہ تم نہیں جانتے کہ زندگی کا آغاز وابتدا کہاں سے ہوا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں خدا کا ہاتھ ہے۔ تاریخ سے ہمیں یہ پتا چلتا ہے کہ بہترین اور دانشور دماغ آخر کار مشکل سوالات کے جوابات ڈھونڈ ہی لیتے ہیں۔ یعنی آنے والے سو سے دو سو سالوں میں جب سائنسدان اس سوال کا جواب بھی ڈھونڈ لیں گے تو پھر یونانی، رومی، اور نیوٹن کے خداؤں کی طرح ان حالیہ خداؤں کی بھی ضرورت نہیں رہے گی۔

خدا پر یقین آپکو سوالات کے جوابات ڈھونڈنے سے روکتا ہے۔ آپکو کمزور بناتا ہے۔ کیونکہ ظاہر سی بات ہے جب بھی کوئی کام مشکل ہو یا جس کی آپ تحقیق نہ کر سکیں یا کسی سوال کا جواب نہ ڈھونڈ سکیں تو بجائے اسکے کہ آپ اسکی مزید تحقیق یا جدوجہد کریں، آپ بڑی آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ "اس میں خدا کا ہاتھ ہے اور میں اس سے آگے کچھ نہیں کر سکتا۔" پہلے یونانیوں نے یہ کیا، پھر رومیوں نے، پھر عیسائیوں نے اور آج کل مسلمان یہ کام کر رہے ہیں۔ کیا آپکو اس بات پر حیرانگی نہیں ہوتی کہ کیوں

ڈیڑھ ارب مسلمانوں میں سے کوئی ایک بھی نوبل پرائز جیتنے والا سائنسدان نہیں ہے؟عبد السلام ایک واحد پاکستانی احمدی سائنسدان ہے، جس نے نوبل پرائز جیتا۔ جسکو آپ مسلمان بھی نہیں مانتے توباقی مسلمان کہاں ہیں؟ مسلمان کم از کم حیاتیات کے میدان میں کوئی نوبل پرائز نہیں جیت سکتے۔ جب تک وہ آدم اور حوا کی کہانی پر یقین کرتے رہینگے اور نظریہ ارتقاء کو غلط سمجھتے رہینگے۔

چلیں آئیں ایک توحید پرست کے ذہن کا تجزیہ کرتے ہیں۔ توحید پرست یقین رکھتے ہیں کہ سب کچھ خدا نے تخلیق کیا ہے یعنی "جادو" سے وجود میں آیا ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ یہ دنیا تقریباً چودہ ارب سال پہلے بِگ بینگ یعنی ایک بڑے دھماکے کے ساتھ شروع ہوئی۔ جبکہ قرآن یہ کہتا ہے:

"وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر مستوی ہو گیا۔ وہ (خوب) جانتا ہے اس چیز کو جو زمین میں جائے اور جو اس سے نکلے اور جو آسمان سے نیچے آئے اور جو کچھ چڑھ کر اس میں جائے، اور جہاں کہیں تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور جو تم کر رہے ہو اللہ دیکھ رہا ہے۔"(۵۷:۴)

چلیں اس چھ دن والے مغالطے کو بھول جاتے ہیں، اور فرض کر لیتے ہیں کہ اللہ کا ایک دن اتنا ہی طویل ہے، جتنا کہ کچھ مسلمان دعویٰ کرتے ہیں۔ تو اللہ تقریباً ۹ ارب سال تک انتظار کرتا رہا اور پھر زمین نمودار ہوئی۔ میں حیران ہوں اور سوچتا ہوں کہ اُن ۹ ارب سالوں میں اللہ کیا کر رہا ہو گا؟ وہ بہت ہی بیزار ہو جاتا ہو گا۔ ستاروں کو پیدا ہوتے اور مرتے ہوئے دیکھ کر، سیاروں کو ٹکراتے ہوئے دیکھ کر، بلیک ہول کو ستاروں کو نگلتے ہوئے دیکھ کر، کہکشاؤں کو ٹکراتے ہوئے دیکھ کر کیونکہ اس کے پاس یہ سب کچھ دیکھنے کے لئے بہت وقت تھا۔

اب ہمارے پاس ۴.۶ ارب سال پہلے اور کائنات کے وجود میں آنے کے تقریباً ۹ ارب سال بعد زمین وجود میں آتی ہے۔ اور پہلی جراثیمی زندگی اس کے ۸۰ کروڑ سال کے بعد نمودار ہوتی ہے۔ اس جراثیمی زندگی میں اگلے ۱۰۸ ارب سال تک کوئی خاص تبدیلی نہیں آتی۔ جب تک کہ پہلا کثیر الخلوی یوکاریوت ظاہر نہیں ہوتا۔ یہ یوکاریوت سادہ ایک خلیے والے جاندار سے بہت زیادہ دلچسپ ہوتے ہیں۔ خدا ان ۱۰۸ ارب سالوں میں بھی بہت بری طرح سے بیزار ہوا ہو گا، کیونکہ ان میں کوئی خاص کام نہیں ہوا۔ پھر خدا سوچتا ہے کہ چلو ان سب چیزوں کو مزید ار بناتے ہیں! وہ ایک ارب سال مزید انتظار کرتا ہے، اور پھر سادہ جنسی تولید کے حیاتیاتی مادے ظاہر ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ پھر خدا اس جنسی پیدائش کے عمل کو ۵۰ کروڑ سال بیٹھ کر دیکھتا ہے، جب تک کہ وہ اس سے بھی بیزار نہیں ہو جاتا۔ پھر وہ سوچتا ہے کہ چلو تھوڑے سے پیچیدہ جانور بناتے ہیں۔ اب خدا مزید ۵۰ کروڑ سال انتظار کرتا ہے آرتروپوڈ (بے ریڑھ کے جانور) تیار ہوتے ہیں۔ یہ سب سے پہلے پیچیدہ جانور تھے۔ مسلمان اور عیسائی یہاں سوچ رہے ہوں گے کہ "یہ سب جھوٹ ہے۔"

آپ کا وہم توڑنے کے لئے معذرت چاہتا ہوں لیکن اس بات کو ثابت کرنے کے لئے ہمارے پاس فاسلز (مرے ہوئے جانداروں کے باقیات) موجود ہیں۔ اگر آپ اپنی مقدس کتاب قرآن کے علاوہ کوئی اور کتاب پڑھنے کی زحمت کریں تو آپ کو بھی یہ معلومات مل جائے گی۔

اب زمین کو بنے تقریباً ۴.۳ارب سال گزر چکے ہیں اور "انسان" جو آپکے خدا کا مقصد تھا، کہیں دور دور تک نظر نہیں آتے۔ اب خدا ان جانوروں کو پیدا ہوتے اور مرتے ہوئے دیکھ کر، اور ان کو ایک دوسرے کو چیر پھاڑتے ہوئے دیکھ کر، مزید ۵۰ کروڑ سال گزار دیتا ہے۔ ڈائناسور آتے ہیں اور جاتے ہیں۔ ٹی ریکس، ٹرائی سیر اٹاپس کو کافی دفعہ مارتا ہے اور کھاتا ہے۔ پھر ایک شہاب ثاقب زمین سے آکر ٹکراتا ہے، اور سارے ڈائناسور کو مارڈالتا ہے۔ یہ سب آپکے خدا کے لئے ایک جُراسک پارک فلم کی مانند ہو گا۔ یہ ڈائناسوروں کی فلم تقریباً ۱۶کروڑ سال تک چلتی رہی، اور آپکے اللہ میاں مزے سے پاپ کارن کھاتے ہوئے، اسے دیکھتے رہے۔

تو ابھی تک ہم نے یہ دیکھا ہے کہ جو کچھ بھی اس خدا نے کیا، آخر کار وہ اس سے بیزار ہو جاتا ہے۔ اب وہ تقریباً ۶.۵ کروڑ سال تک بیٹھ کر سوچتا ہے، اور ایک نئے دلچسپ منصوبے کے ساتھ سامنے آتا ہے۔ جس کے مطابق آج سے تقریباً ۲-۳لاکھ سال پہلے ہوموسیپیئن (پہلا انسان) افریقی براعظم میں نمودار ہوتا ہے۔ اب یہ انسان بھی اَن گِنت دفعہ پیدا ہوتے ہیں اور مرتے ہیں، دوسرے جانوروں کا شکار کرتے ہیں، کبھی کبھار خود بھی شکار ہو جاتے ہیں۔ بے شمار خواتین بچے کی پیدائش کے دوران مر جاتی ہیں۔ بے شمار آدمی کسی بڑے شکار کے دوران مارے جاتے ہیں۔ انسان کی اوسط عمر تقریباً ۳۰سال ہوتی ہے۔ پھر تقریباً ۲لاکھ ۹۵ ہزار سال گزر جاتے ہیں۔ اور اچانک سے نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور پھر محمد جیسے پیغمبر نمودار ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ مسلمان یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ ان بڑے پیغمبروں کے درمیان ہزاروں پیغمبر اور بھی آئے، لیکن مذہب میں موجود اور دوسری چیزوں کی طرح اس دعوے کا بھی کوئی ثبوت موجود نہیں ہے۔ خیر کتنا بہترین ۱۴ارب سال لمبا شارٹ کٹ آپکے اللہ میاں نے مارا۔ اور اب اچانک سے اس خدا کو اس چیز میں دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے کہ ہم کیا کھاتے ہیں؟ کیا پیتے ہیں؟ کس کے ساتھ مباشرت کرتے ہیں؟ یا "کس طرح" مباشرت کرتے ہیں؟ اور جسم سے فُضلہ کے اخراج کے بعد کس طرح ہم اپنے جنسی اعضاء کی صفائی کرتے ہیں؟ یہ عظیم الشان خدا جو اربوں کہکشاؤں کا خالق ہے، جو زمین پر ہر قسم کی زندگی کا مالک ہے، سمندروں اور آسمانوں کا بادشاہ ہے، یہ اتنا چھوٹا ہے کہ جب آپ اس کی عظمت کو تسلیم نہیں کرتے یا اس کے وجود سے غافل ہو جاتے ہیں، تو یہ ایک چھوٹے انا پرست انسان کی طرح ناراض ہو جاتا ہے۔ ایسی کتابیں بھیجتا ہے جنہیں پڑھ کر "مین کیمف" (ایڈولف ہٹلر کی ڈاکیومنٹری کتاب) جیسی کتابیں بھی شرمندہ ہو جائیں۔ آئیں دیکھتے ہیں کہ وہ ہماری پسندیدہ کتاب قرآن میں غیر کافروں کے بارے میں کیا کہہ رہا ہے۔

اللہ کے نزدیک کافر ایک بہت ہی مہلک تخلیق ہیں۔ یہ جنگلی جانوروں کی طرح کھاتے ہیں۔ یہ عملی طور پر بندر ہیں۔ صرف بندر ہی نہیں انہیں ثور بھی کہتا ہے۔ اتنا ہی نہیں خدا کافروں کو دوسرے بیچ جانوروں سے بھی تشبیہ دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے یہ گدھے ہیں۔ جب اُس کے پاس مثالیں نہیں بچتی تو وہ ہمیں سب سے گھٹیا جانور کہتا ہے۔ جیسے کہ چھوٹے اسکول کے بچے نہیں کرتے، جب اُنہیں کچھ سمجھ نہیں آتا تو وہ اپنے مخالفین کو ہارا ہوا کہنا شروع کر دیتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ کافروں کے دل ایک فاسق بیماری کا شکار ہیں۔ یہ ظالم اور سخت دل ہیں۔ ان کے دل ناپاک ہیں۔ یہ بہرے اور نابینا ہیں۔ یہ گونگے اور بیوقوف ہیں۔ یہ گندے اور ناپاک ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ یہ لوگ دراصل فضلہ ہیں۔ یہ ظالم اور بے انصاف ہیں۔ یہ بنیادی طور پر بدترین لوگ ہیں۔ یہ جھوٹے اور گنہگار ہیں، اور ہمیشہ جھوٹ بولتے ہیں۔ یہ دنیا میں ہر غلط چیز کی پیروی کرتے ہیں۔ بیچارہ یہ محبت کرنے والا خدا ان سے پیار نہیں کرتا۔ درحقیقت، وہ انہیں چھوڑ دیتا ہے۔ یہ رحیم خدا ان کو تباہ کر دینا چاہتا ہے۔ خدا کافروں پر لعنت بھیجتا ہے اور ان کو حقیر جانتا ہے۔

اگر کوئی شخص یہ رویہ اپنے دشمن، سابقہ شوہر یا بیوی، سابقہ بہترین دوست، یا کسی بھی دوسرے شخص کے ساتھ اختیار کرے جس سے وہ نفرت کرتا ہے، تو چاہے وہ شخص آپ کے ساتھ کتنا ہی مخلص کیوں نہ ہو لیکن آپ اُسے کبھی اچھا نہیں سمجھیں گے۔ غیر معتقدین نے اس معبود کے ساتھ کچھ بھی نہیں کیا۔ نہ اس کی عصمت دری کی ہے، نہ اسے قتل کیا ہے، نہ اس کے بچوں کو مار ڈالا ہے۔ پھر بھی اُن سے نفرت کی آگ اس میں اس قدر بھری ہوئی ہے کہ یہ اُنہیں یا تو عملی سزائیں دینے کا کہتا رہتا ہے یا پھر اُنہیں کوستا رہتا ہے۔ یہ کس قسم کا خدا ہے جس کی ڈیڑھ ارب لوگ عبادت کرتے ہیں؟ مجھے پتا ہے کہ زیادہ تر مسلمانوں کو عربی زبان نہیں آتی اس لیے وہ خدا کے اس پیغام کو سمجھنے سے قاصر ہیں، جس میں دراصل تضاد اور نفرت بھری ہوئی ہے۔ لیکن عربی مسلمانوں کا کیا؟ کیا انہیں بھی یہ تمام آیات سمجھ نہیں آتیں؟ شاید وہ تمام آیات کو علیحدہ علیحدہ کر کے پڑھتے ہیں اور جہاں کوئی بری یا غلط بات آتی ہے اُس کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے میں مذاہب کی بری باتیں چن چن کر پیش کرتا ہوں، تاکہ لوگوں کو پتا چل سکے کہ اس میں کیا کیا برائی موجود ہے۔ اگر قرآن واقعتاً خدا کے الفاظ پر مبنی کتاب ہے تو اس میں کوئی ذرا سی بھی غلط یا بے معنی بات نہیں ہونی چاہیئے، لیکن یہ تو اس سے بھرپور ہے

خدا کا کردار

جس خدا کی وضاحت قرآن میں کی گئی ہے اور جو محمد اور اسلام کا بانی ہے، وہ یہودی و عیسائی خدا سے کچھ مختلف نہیں ہے۔ دوسرے دو ابراہیمی مذاہب کے خداؤں کی طرح اس خدا کو بھی بڑی آسانی سے غصہ آجاتا ہے اور یہ بھی خواتین کی آزادی پسند نہیں کرتا (مرد کو اُس کا سربراہ / آقا بنانا پسند کرتا ہے) جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کم تعلیم یافتہ مسلمان معاشروں میں خواتین کا بہت زیادہ استحصال ہوتا ہے۔ یہ بہت غیر جمہوری اور شدید سزائیں دینے والا ہے۔ میرے دلائل آپ کو ٹھیس پہنچا سکتے ہیں لیکن براہ کرم طریقہ دوئم پر عمل کرتے ہوئے کھلے دماغ کے ساتھ پڑھنا جاری رکھیں، اور دلیل کی بنیاد پڑھ کر خود کسی نتیجے پر پہنچیں۔ آیئے اب ہم اپنے سب سے پیارے ابراہیمی خدا کے کچھ خصائل ایک ایک کر کے جانتے ہیں۔

غصیل

کیا میرا خدا ایک غصیل خدا ہے؟ کیا آپ کا خدا ناراض ہو جاتا جب آپ وہ نہیں کرتے جو اس نے اپنے صحیفے کے ذریعہ آپ کو کرنے کو کہا ہے؟ میں اس بات پر بحث نہیں کروں گا کہ بغیر شادی کے جنسی تعلقات قائم کرنا صحیح ہے یا غلط، بلکہ میں یہ بحث کروں گا کہ کیا اُس خدا کا جو اربوں کھربوں ستاروں اور سینکڑوں اربوں کہکشاؤں اور پوری کائنات کا خالق ہے، ایک ادنہ سے انسان کے بغیر شادی کے جنسی تعلقات قائم کرنے پر ناراض ہو جانا صحیح ہے؟ ایک خدا جو اس عمل سے اتنا ناراض ہو جاتا ہے کہ اُس نے اس کی سزا کے لیے زمین پر سب سے زیادہ وحشیانہ اور سنگین عمل سنگساری کرنے کا حکم دیا ہوا ہے اور مرنے کے بعد دوزخ کی آگ تیار کی ہوئی ہے۔ کوئی یہ کیسے استدلال کر سکتا ہے کہ خدا ناراض نہیں ہے؟ آخر بغیر شادی جنسی تعلقات قائم کرنے میں ایسی کیا برائی ہے کہ اس یہ کام کرنے اس قدر سفاکانہ سزا کے مستحق ہیں؟ ایک کاغذ کے ٹکڑے سے آخر ایسا کیا فرق پڑتا ہے کہ خدا اتنا مشتعل ہو جاتا ہے اور یہ بات اسے اتنی تکلیف دیتی ہے؟ اگر دو لوگ بغیر شادی کے جنسی تعلقات قائم کر لیں تو کچھ بھی

نہیں ہوتا۔ کوئی آتش فشاں پہاڑ نہیں پھوٹ پڑتے، کوئی زلزلے آکر عمارتوں کو زمین پر نہیں پیس دیتے، یا کوئی آسمان نیچے نہیں گرتے۔ یہ ارضیاتی یا کائناتی واقعات تباہی مچانے سے پہلے نکاح نامہ نہیں دیکھتے ہیں۔ مزید یہ کہ قرآن مجید میں ایک مشہور آیت ہے جو کہتی ہے:

"کہہ دیجیئے کہ کیا میں تمہیں بتاؤں؟ کہ اس سے بھی زیادہ برے اجر پانے والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون ہے؟ وہ جس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور اس پر وہ غصہ ہوا اور ان میں سے بعض کو بندر اور سور بنادیا اور جنہوں نے معبودان باطل کی پرستش کی، یہی لوگ بدتر درجے والے ہیں اور یہی راہ راست سے بہت زیادہ بھٹکنے والے ہیں۔"

(قرآن ۵:۶۰)

واضح طور پر اللہ یہودیوں سے محمد کو پیغمبر تسلیم نہ کرنے پر ناراض ہے۔ اللہ چند لاکھ یہودیوں کے لئے اتنا فکر مند کیوں ہے؟ (کیونکہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ممکنہ طور پر صرف چند لاکھ یہودی ہی ہوں گے) کہ وہ ان سے ناراض ہو جاتا ہے اور انہیں اپنے غصے کی دھمکیاں دینا شروع کر دیتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے اُس نے باغیوں کی پچھلی نسلوں کو خنزیر میں اور بندروں میں تبدیل کر دیا تھا؟ ایسا کیا برا کیا تھا ان یہودیوں نے؟ جب محمد مکہ کو سے بھاگنا پڑا تو انہیں یہودیوں نے محمد کو مدینہ میں پناہ دی تھی۔ یہودیت اور اسلام کے مابین بنیادی فرق یہ ہے کہ یہودی محمد کو نبی نہیں مانتے ہیں۔ میں قارئین سے یہ سوال پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر یہودی محمد کو نبی نہیں مانتے ہیں تو اس سے کسی کو کیا فرق پڑتا ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ محمد کا ہی نظریہ ہوگا کیونکہ اس سے اُس کے پیروکار کم اور مخالفین زیادہ ہو جائیں گے۔ اس بات سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ شاید محمد نے اپنے نظریے کی تشہیر کرنے کے لئے یہ آیت خود لکھی ہوگی۔ چلیں اگر محمد نے یہ آیت خود نہیں بھی بنائی ہے، تو محمد کو آخری نبی نہ ماننے میں آخر ایسی کیا برائی ہے؟ یہ اتنا خوفناک کام کیوں ہے؟ کیا ہم لوگوں کی مذمت کرنا شروع کر دیتے ہیں جب وہ اُس سیاسی رہنما کی پیروی نہیں کرتے جس کی ہم کرتے ہیں؟ ذرا تصور کریں ایک ایسی دنیا کا جہاں ہلیری کلنٹن کے حامی ٹرمپ کے حامیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا ہو یا جہاں عمران خان کے حامی سب کو یہ دھمکی دیں کہ جو بھی عمران خان کو ووٹ نہیں دے گا اسے جان سے مار دیا جائے گا۔ ظاہر ہے یہ ایک خوفناک اور ڈراؤنا خیال ہے اور ہم میں سے کوئی بھی (سوائے طالبان اور آئی ایس آئی ایس کے) ایسے معاشرے میں رہنا نہیں چاہے گا۔ ابھی تقریباً تمام جدید اعتدال پسند مسلمان یہودیوں اور عیسائیوں سے ۱۴۰۰ سال پرانی اس غیر جمہوری دنیا میں رہنے کی توقع کرتے ہیں اور اس بات کی مذمت کرتے ہیں کہ یہ سب دوزخ کی آگ میں جائیں گے۔ کچھ مسلمان کہتے ہیں کہ محمد نے کبھی کسی کا قتل نہیں کیا یا اُس پر یقین نہ کرنے کے لئے کبھی کسی کے قتل کا حکم جاری نہیں کیا تھا۔ میں اس بات کا جواب بعد میں دوں گا، جب میں محمد پر گفتگو کروں گا۔ ابھی ہم صرف اللہ کے کردار پر گفتگو کر رہے ہیں۔

زن بیزار

اسلامی روایت میں سب سے مشہور بیان آپ کو یہ ملتا ہے کہ "اسلام وہ واحد مذہب ہے جو خواتین کو برابری کے حقوق دیتا ہے"۔ مسلمانوں کا یقین ہے کہ جب ایک نیک متقی آدمی مرتا ہے تو وہ جنت میں جاتا ہے اور اُسے وہاں ۷۲ کنواری حوریں ملتی ہیں، لیکن جب ایک نیک اور متقی عورت مرتی ہے اور جنت میں جاتی ہے تو اُسے اُس کا دنیاوی شوہر ہی دوبارہ ملتا ہے۔ میری بیوی نے ایک بار میرے ساتھ مذاق کیا (یا کم از کم مجھے امید ہے کہ وہ مذاق ہی کر رہی تھی) اور کہا کہ اسے بہت خوشی ہے کہ وہ

مسلمان نہیں ہے کیونکہ وہ مجھے اس زندگی میں نہیں برداشت نہیں سکتی تو ہمیشہ کے لیے کیسے کرتی۔ جو بھی شخص اپنے بارے میں سوچتا ہو وہ اس بات پر سوال ضرور اٹھائے گا کہ آخر جنت میں بھی مردوں کے ساتھ اتنا خصوصی سلوک کیوں کیا جاتا ہے اور صرف تھوڑا بہت نہیں بلکہ بہتر گنا زیادہ۔

چونکہ صرف مردوں کو ۷۲ کنواری حوریں ملیں گی، اس لئے میں اس بات کے پیچھے نہیں پڑا ہوا، بلکہ اس لیے کیونکہ خواتین کے حقوق کو لیکر اسلام میں اس سے بھی کہیں زیادہ سنگین مسائل ہیں موجود ہیں، جن کے کافی سنجیدہ نتائج سامنے آتے ہیں۔ اسلام میں مردوں کو ہمیشہ خواتین کا سربراہ قرار دیا گیا ہے۔ عیسائیت اور یہودیت میں بھی ایسا ہی امتیازی سلوک کیا جاتا ہے، لیکن مغربی لوگوں نے ان قدیم اقدار سے باہر آنے کے کئی راستے نکالے ہوئے ہیں۔ ہم صرف مغرب کے جدید دنیادار انسانوں کا شکریہ ادا کر سکتے ہیں جنھوں نے خواتین کے حقوق کے لئے لڑائی کی اور جیت گئے۔ جس کے نتیجے میں آج عورتیں مردوں کے ساتھ مل کر کام کرتی ہیں، جہاں انہیں مردوں کے جتنا ہی اہم انسان سمجھا جاتا ہے (کم از کم پہلے سے زیادہ) اور جہاں انہیں کسی بھی چیز کی فراہمی کے لئے مردوں پر انحصار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بدقسمتی سے مسلمان ممالک میں ابھی تک مغربی ممالک جتنے دنیادار اور انسان دوست لوگ موجود نہیں ہیں، جس کے نتیجے میں خواتین آج بھی وہاں بہت سارے معاملات میں مردوں کی محتاج ہیں۔ اگرچہ مسلم ممالک میں خواتین کی حالت مغربی ممالک کی خواتین سے کہیں زیادہ خراب ہے، لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ چیز بدل رہی ہے اور بہتر ہو رہی ہے کیونکہ تعلیم مذہبی عقیدے اور توہم پرستی کی جگہ لیتی جا رہی ہے۔

میں سمجھ سکتا ہوں کہ مردوں کے لئے مسلمان ہونا اتنا لطف اندوز کیوں ہے۔ آپ چار بیویاں رکھ سکتا ہیں جو آپکی اطاعت کریں گی، آپ کو بغیر اعتراضات کے بیٹھے بٹھائے کھانے کو سب کچھ ملتا ہے اور آپ کے ساتھ بادشاہ کی طرح سلوک کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس خواتین کو اپنے شوہروں کی اطاعت کرنی ہوتی ہے اور اس بات کو یقینی بنانا ہوتا ہے کہ وہ ناراض نہ ہو۔ انہیں مردوں سے کم ذہین سمجھے جاتا ہے اور اگر وہ کوئی الٹی سیدھی حرکت کریں تو انہیں مارا پیٹا بھی جاتا ہے۔ ایک عورت ہو کر اسلام کا حصہ بنے رہنا یا اس کی تائید کرنا ایسا ہے جیسے ایک سیاہ فام آدمی کسی سفید بالادستی کے گروہ میں شامل ہونا یا اس کی حمایت کرنا چاہتا ہو۔ سیاہ فام مرد سفید بالا گروہوں میں شامل اس لیے نہیں ہوتے کیونکہ کی اُن کا نظریہ اُن کے انسانی حقوق کے خلاف ہے اور خواتین کو اسلام کی حمایت یا اس میں شمولیت اس لیے اختیار نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ یہ اُن کے بنیادی انسانی حقوق کے منافی ہے۔

چلیں آئیں قرآن کی ان چند آیات سے شروعات کرتے ہیں:

"مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں، پس نیک فرمانبردار عورتین خاوند کی عدم موجودگی میں بہ حفاظت الٰہی نگہداشت رکھنے والیاں ہیں اور جن عورتوں کی نافرمانی اور بد دماغی کا تمہیں خوف ہو انہیں نصیحت کرو اور انہیں الگ بستروں پر چھوڑ دو اور انہیں مار کی سزا دو پھر اگر وہ تابعداری کریں تو ان پر کوئی راستہ تلاش نہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ بڑی بلندی اور بڑائی والا ہے۔" (قرآن ۴:۳۴)

"تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں، اپنی کھیتیوں میں جس طرح چاہو آؤ۔-----(قرآن ۲:۲۲۳)

مسلمان کہتے ہیں کہ اسلام ہمیشہ کے لئے ہے جب تک یہ دنیا کا ختم نہیں ہو جاتی۔ اس دنیا میں خواتین نے مظاہرہ کیا ہے کہ وہ کس طرح بغیر کسی مردانہ مدد کے آزادانہ طور پر رہ سکتی ہیں۔ تو یا تو اللہ نے اپنی آیت میں جھوٹ بولا ہے یا خواتین پچھلے ۱۴۰۰ سالوں میں ہوشیار ہو گئی ہیں، جس کی اللہ پیش گوئی بھی نہیں کر سکتا تھا۔ غور کریں کہ کس طرح مندرجہ بالا پہلی والی آیت کا دوسرا حصہ اللہ اور شوہر کی "اطاعت" پر زور دیتا ہے۔ خواتین کی اطاعت بیان کرنے والی کوئی آیت کہاں ہے؟ مجھے ایسی کوئی آیت نہیں ملی۔ شاید اس لئے کہ اللہ نے یہ سوچا نہیں تھا کہ عورتیں اکیسویں صدی میں مساوی سلوک کا مطالبہ کر سکتی ہیں۔ یہ آیت بڑی سہولت سے مرد کو یہ ہدایت دیتی ہے کہ اگر اس کی بیوی اس کی بات نہیں مانتی تو وہ پہلے اُسے اُس کے فرائض جیسے کہ صفائی کرنا، کھانا پکانا اور اُس کی جنسی خواہشات کی تسکین کرنا وغیرہ یاد دلائے۔ اگر وہ کسی بھی وجہ سے انکار کرتی ہے، تو وہ پہلے اُس کے ساتھ ہم بستری چھوڑ دے، (جو کچھ خواتین کے لیے سزا سے زیادہ ایک نعمت کی طرح ہو گا) لیکن اگر وہ پہلے ہی اس کے ساتھ مباشرت کرنے سے انکار کر رہی ہے اور وہ اس کے ساتھ زبردستی کرنے سے بھی قاصر ہے، تو آپ اُسے "ماریں" جو کہ آخری اقدام ہے۔ کچھ مسلمان کہتے ہیں کہ نرمی سے مارنے کو کہا گیا ہے۔ نرم مار کیا ہے؟ گھے کی بجائے تھپڑ؟ یا گلا گھونٹنے کی بجائے لات مار دینا؟ کچھ علماء کہتے ہیں کہ "مسواک" سے مارنے کا حکم ہے، جو درخت کی ایک چھوٹی سی شاخ کی طرح ہوتی ہے اور قدیم عربی اس کو دانتوں کے برش کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ اس بات پر یقین کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، لیکن اگر ہم یقین کر بھی لیں تو اپنی بیوی کو ایک چھوٹی سی شاخ سے بھی مارنا ذلت آمیز ہے، قابل عزت نہیں ہے۔

قرآن مجید میں یہ الفاظ اتنے واضح طور پر کہی گئی ہے کہ اسلام میں کچھ خواتین واقعی اس بات پر یقین رکھتی ہیں کہ اپنے آقا کے ہاتھوں مار کھانا ٹھیک ہے۔ ایک دفعہ میری ایک ہادیہ نامی پاکستانی مسلمان لڑکی سے گفتگو ہوئی۔ جو ایک کالج کی تعلیم یافتہ لڑکی تھی۔ اُس کے مطابق اللہ نے اس کے باپ اور شوہر کو اُس کا ذمہ دار بنایا ہے، لہذا انہیں پورا حق ہے کہ اگر وہ حد سے تجاوز کرے یا جو بات اُنہیں مناسب لگتی ہے اُس بات پر عمل نہ کرے، تو وہ اسے تمیز سکھانے کے لئے اُس کے ساتھ جو چاہے کریں۔ مذہبی تلقین عقیدہ سے آپ کی عزت نفس اور وقار ختم ہو جاتا ہے۔

یہ واضح طور پر اسٹاک ہوم سنڈروم ہے۔

دوسری آیت بالکل واضح ہے اور میں اس کے خلاف زیادہ بحث نہیں کروں گا۔ زیادہ تر مسلمان اس سے واقف ہیں اور اسے چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس آیت بقول آپ اسلوب، مقام یا دن کے وقت کی پرواہ کیے بغیر اپنی بیوی کو جب چاہیں یا جیسے چاہیں استعمال کر سکتے ہیں۔ لفظ کھیتی کا مطلب بنیادی طور پر زمین کی کاشت کا کرنا ہے۔ خواتین کاشت شدہ زمین کی طرح ہیں کہ آپ بچے پیدا کرنے والی مشینوں کی طرح انہیں استعمال کر سکتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے ہم زمین کا استعمال کر کے فصلیں پیدا کرتے ہیں۔ آپ یہ کیسے کریں گے یہ مکمل طور پر آپ پر منحصر ہے۔ آسان الفاظ میں اگر آپ کی بیوی کا مباشرت کرنے کا دل نہیں چاہ رہا تو آپ اُس کے ساتھ زبردستی بھی کر سکتے ہیں۔ آپ کو اپنی بیوی کو اپنی خواہشات کے مطابق جب چاہیں استعمال کرنے کی کھلی اجازت ہے۔

میں اُس دنیا میں ایک دن کے لئے بھی عورت ہونے کا تصور نہیں کر سکتا جہاں پر اس ہدایت کی پیروی کی جاتی ہو۔ خوش قسمتی سے زیادہ تر لوگ برے مسلمان اور اچھے انسان ہیں کیونکہ زیادہ تر مسلمان ان آیات کو سنجیدگی سے نہیں لیتے۔ زیادہ تر مسلمان جن کو میں جانتا ہوں اپنی بیویوں کے ساتھ زبردستی نہیں کرتے اور نہ ہی وہ خواتین کو

بچے پیدا کرنے کے لئے بنی ہوئی زمین سمجھتے ہیں۔ ممکنہ وزیر اعظم یا جج کے لیے ہم سینکڑوں امیدواروں میں سے ایک بہترین کا انتخاب کرتے ہیں اور یہ حیثیت حاصل کرنے سے قبل یہ لوگ بھرپور تربیت اور انتخاب کے عمل سے گزرتے ہیں، لیکن اللہ نے کتنی آسانی سے ایک عام آدمی کو دوسرے انسان کا مالک بنادیا۔ چاہے کوئی عورت کتنی ہی ذہین کیوں نہ ہو، وہ کبھی مرد کی سربراہ یا اس کے برابر نہیں ہو سکتی اور مرد چاہے کتنا ہی مسخرا ہو، وہ ہمیشہ اپنے گھر کی خواتین کا سربراہ ہو گا۔

اگر ہم سینکڑوں اُمیدواروں میں سے ایک بدترین جج کو چن لیں تو کیا ہو گا؟ ظاہر ہے وہ نااہل انسان اپنا کردار پوری طرح نہیں ادا کر سکے گا۔ اب میں اس فلسفہ کی کسی ایسی صورتحال میں چھان بین کروں گا جہاں ایک عورت کی شادی ایک نفسیاتی آدمی سے ہو جاتی ہے۔ اسلامی نظریہ کے مطابق وہ اس کا مالک ہے، چاہے وہ کتنی ہی صحیح ہو وہ اس سے جیت نہیں سکتی اور جس بھی معاملے پر وہ اس سے اختلاف رکھتی ہے اُس پر اُس کی پٹائی ہو سکتی ہے۔ یہاں پر کچھ مسلمان کہیں گے کہ وہ طلاق مانگ سکتی ہے۔ یہ بات اپنے آپ میں ایک مذاق ہے، کیونکہ اُسے طلاق طلب کرنی پڑے گی۔ جی ہاں ایک عورت ہونے کے ناطے آپ مرد کو طلاق نہیں دے سکتے۔ آپ کو درحقیقت یہ مانگنی پڑتی ہے، دوسرے الفاظ میں جیسے بھیک مانگی جاتی ہے۔ اگر وہ کسی نسل پرست سیاسی پارٹی سے وابستگی کا انتخاب کرتا ہے، تو اُسے اس سے اتفاق کرنا ہو گا ورنہ وہ یہ سمجھا جائے گا کہ وہ ایک نافرمان بیوی ہے اور اُس پر مار پیٹ واجب ہو جائے گی۔ اب کچھ مسلمان یہاں سوچیں گے کہ میں بہت تعصب کا شکار ہوں کیونکہ عورت کو ایسے شخص کو چھوڑنے کی اجازت ہے جو اللہ کے حکم کی تعمیل نہ کرتا ہو۔ اگرچہ کچھ احکامات جیسے کہ اپنی بیوی کے ساتھ زیادتی کرنے کی اجازت ایک انسان کے برا کہلانے کے لئے کافی ہے۔ ایسا نظام کہاں ہے جو عورت کو اس کے قاتل شوہر سے آزاد کر دے؟ آپ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ کسی عورت کے لئے یہ کتنا مشکل ہو گا کہ وہ کسی قاضی (جج) کے پاس جا کر اسے بتائے کہ اُس کا شوہر کسی کے لیے قاتلانہ عزائم رکھتا ہے۔ کیونکہ اس کے بیان کو ادھورا سمجھا جائے گا، اور نتیجتاً اُسے گھر جا کر ایک انتہائی ناراض اور متشدد شوہر کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ زیادہ تر مسلمان اسی طرح ہیں۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا کہ زیادہ تر مسلمان برے مسلمان ہیں، لہذا وہ اسلامی تعلیمات کو لفظی طور پر نہیں مانتے۔ وہ اس کے بجائے جان بوجھ کر ان خوفناک آیات کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور ایسا ظاہر کرتے ہیں کہ جیسے ایسی آیات موجود ہی نہیں ہیں۔ اگر مسلمان واقعی ان آیات پر عمل پیرا ہو جائیں تو مندرجہ بالا منظر ہر ایک مسلمان گھرانے میں روزانہ واقعہ ہو گا۔

مرد کو عورت کا سربراہ بنانے سے بہت سارے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے کہ عورت اپنی شادی کے معاملے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ جیسا کہ وہ کس سے شادی کرنا چاہتی ہے اور کس سے نہیں، کیونکہ شادی سے پہلے اس کا سربراہ/مالک اس کا باپ ہوتا ہے۔ اگر وہ اپنی بیٹی کی شادی کسی نفسیاتی شخص سے کروانا چاہتا ہے تو اسے بڑی اطاعت سے اس بات سے اتفاق کرنا ہو گا ورنہ مار پیٹ کر بھی اسے اس بات کے لیے منایا جا سکتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ ایک حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ لڑکی کو اپنی شادی کے لئے راضی ہونا چاہئیے، لیکن اگر دیکھا جائے تو یہ بات ایک مرد کے اس کا سربراہ ہونے والی بات کے متضاد ہے، (کیونکہ مالک کی بات ہر صورت ماننی پڑتی ہے بھلے آپ کچھ بھی چاہتے ہوں) اور چونکہ قرآن کو احادیث پر فوقیت حاصل ہے، تو ایک سچے مسلمان ہونے کی حیثیت سے آپ اس آیت کے ساتھ جا سکتے ہیں۔ اگر کسی شخص کو مجرم قرار دیا جائے تو وہ کچھ عہدے جیسے کہ جج، پولیس افسر اور اساتذہ وغیرہ پر فائز نہیں رہ سکتا۔ لیکن اسے اپنے گھر کی خواتین کے مالک کی حیثیت سے کبھی نہیں ہٹایا جاتا۔ چاہے اس نے کتنے ہی کافروں کو قتل کیا ہو لیکن اُس کی یہ گھر کی خواتین کے مالک والی حیثیت برقرار رہتی ہے۔ ظاہر ہے اسلام میں قاتلوں کو زندہ رہنے کی

اجازت نہیں ہے کیونکہ قتل کی سزا سر قلم کرنا ہے۔ لیکن ہلکے جرائم کا کیا؟ جیسے رشوت یا چوری؟ سزا بھگتنے کے بعد اور ہاتھ کٹوا لینے (اسلام میں چوری کرنے کی سزا) کے بعد بھی وہ اپنی بیوی کے پاس واپس آ سکتا ہے اور وہ تب بھی اس کا مالک ہی رہے گا۔

میں یہ سمجھنے میں ناکام ہوں کہ محمد درج ذیل عبارت جیسا کچھ کیوں نہیں لکھ سکا:

"خدا نے مرد اور عورت کو یکساں طور پر تخلیق کیا ہے اور دونوں کو اپنے اختلافات بات چیت کے ذریعے حل کرنے چاہیئے۔ جب اختلافات حد سے تجاوز کر جائیں تو انہیں علیحدہ ہو جانا چاہیئے۔ کوئی شک نہیں کہ اللہ عزوجل مہربان اور انصاف کرنے والا ہے۔"

خواتین کی تفریق یہاں ختم نہیں ہوتی۔ اسلام میں مرد کو ایک وقت میں چار بیویاں رکھنے کی اجازت ہے، لیکن خواتین کو ایک سے زیادہ شوہر رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس منطق کے پیچھے ہر طرح کی وضاحتیں موجود ہیں، لیکن سب سے دلچسپ وضاحت مجھے ہندوستان کے ڈاکٹر ذاکر نائک کی تھی۔ ڈاکٹر نائک کو اپنے ساتھی مسلمانوں کی حمایت حاصل ہے جو ان کے لیکچرز میں کہی ہوئی ہر بات پر ہذیانی تالیاں بجاتے ہیں۔ ایک یوٹیوب ویڈیو میں ایک نوجوان ہندو لڑکی نے ڈاکٹر نائک سے پوچھا، کہ "مردوں کو چار بیویاں رکھنے کی اجازت کیوں ہے؟" میں نے بھی ڈاکٹر نائک کے بارے میں سنا ہوا تھا اور میں بھی ان کا جواب سننے کا خواہشمند تھا، حالانکہ مجھے ان سے زیادہ منطق کی توقع نہیں تھی۔ ڈاکٹر نائک نے اس بات کے جواب میں دعویٰ کیا کہ "اس لیے کیونکہ اللہ جانتا تھا کہ دنیا میں خواتین مردوں کی نسبت زیادہ ہوں گی۔" اُس نے مزید کہا کہ اگر مردوں کو چار شادیوں کی اجازت نہ دی ہوتی تو یہ 'اضافی خواتین' کیا کرتیں؟ یہ تو عوامی ملکیت بن جاتیں، جس سے اس کا مطلب طوائف تھا۔ مجھے اس کے اس جواب سے شدید گھن آئی کیونکہ اس بات سے اس کا مطلب یہ تھا کہ شادی شدہ (یعنی غیر اضافی خواتین) اپنے شوہروں کی 'نجی جائیداد' ہیں۔ ساری دنیا کی خواتین کی توہین کرنے کے لئے اس سے بہتر الفاظ اور کیا ہو سکتے تھے؟ ڈاکٹر ذاکر نائک کی نظر میں خواتین محض عوامی یا نجی جائیداد ہیں، جو اصل میں اسلام کا نظریہ ہے۔ پھر اس نے درحقیقت اپنے دعوے کی پشت پناہی کرتے ہوئے کہا کہ جرمنی، فرانس اور برطانیہ جیسے ممالک میں خواتین کی آبادی مردوں سے کئی گنا زیادہ تھی۔ اُس کی اس بات سے سارا ہال تالیوں سے گونج اٹھا، اور وہ بیچاری ہندو لڑکی چپ کر کے بیٹھ گئی۔ بعد میں کچھ افواہیں اڑیں کہ ڈاکٹر نائک کی ذہانت کی وجہ سے اُس لڑکی نے اسلام قبول کر لیا، لیکن مجھے اس بات پر یقین نہیں ہے۔

چونکہ میں نے اس وقت تک اس کے بارے میں صرف سنا ہوا ہی تھا، کبھی سوچا نہیں تھا کہ ڈاکٹر نائک کے وہ حوالے اصل میں کھلم کھلا جھوٹ ہوں گے، لیکن مجھے شک تھا، تو لہٰذا میں نے اُن کی تحقیق کرنے کا فیصلہ کیا۔ سی آئی اے کی ورلڈ فیکٹ بک کے مطابق جرمنی میں فی عورت ۱.۰۶ مرد پیدا ہوتے ہیں۔ فرانس میں فی عورت ۱.۰۵ مرد پیدا ہوتے ہیں اور ۶۴ سال کی عمر تک فی مرد فی عورت ہوتی ہے۔ برطانیہ میں فی عورت ۱.۰۵ مرد پیدا ہوتے ہیں اور ۶۴ سال کی عمر تک ۱.۰۲ مرد فی عورت ہوتے ہیں۔ صرف ۶۴ سال کی عمر کے بعد خواتین کا تناسب بڑھتا ہے اور یہ صرف اس وجہ سے کہ مردوں کی زندگی کا دورانیہ خواتین کی نسبت کم ہے۔ حالانکہ میں نے یہ سوچا نہیں تھا کہ ڈاکٹر ذاکر نائک سیکڑوں لوگوں کے سامنے اتنا بڑا جھوٹ بول سکتے ہیں، لیکن انہوں نے واضح طور پر یہ دعویٰ کیا، جو کہ بالکل غلط ہے۔ جو مسلمان چار بیویاں رکھنے کے لیے

اس توجیہ کا استعمال کرتے ہیں وہ اصل میں یہ دعویٰ کر رہے ہوتے ہیں کہ اُن دنوں جب مرد جنگوں میں بڑی تعداد میں مر جایا کرتے تھے تو خواتین کی تعداد ہمیشہ مردوں سے زیادہ ہوا کرتی تھی۔

پہلا نکتہ: ہمارے پاس تاریخ میں ایسا کوئی بھی مواد موجود نہیں ہے جس میں یہ لکھا ہوا ہو کہ پہلے خواتین کی تعداد مردوں سے چار گنا زیادہ تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو اس بات کی تصدیق کرنا بہت آسان ہوتا کیونکہ ہم نے قدیم شہروں میں بہت سے آثار قدیمہ والے مقامات ڈھونڈ لیے ہیں، اور ہم نے کبھی بھی اُن میں یہ مشاہدہ نہیں کیا کہ پرانے زمانے میں خواتین کی تعداد مردوں کے مقابلے نمایاں طور پر زیادہ تھی۔

دوسرا نکتہ: چلیں ہم قدیم زمانے میں مردوں کے مقابلے خواتین کے زیادہ ہونے والے اس خیال کو مان لیتے ہیں (طریقہ دوئم استعمال کرتے ہوئے) لیکن پھر بھی آج کل کے دور میں یہ نہیں ہو سکتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ چار شادیوں والے اس اصول کا اطلاق صرف قدیم عرب پر ہوتا تھا اس جدید دنیا پر نہیں ہوتا۔ کیا مسلمان علماء اتنے بہادر ہیں کہ اس روایت اور کثیر الازواجی کے اس لائسنس کو ختم کر دیں کیونکہ خواتین کی تعداد اب اتنی نہیں ہے، جتنی اُن کا خیال تھا کہ پہلے ہوا کرتی تھی۔ مجھے نہیں لگتا کہ وہ ایسا کر سکتے ہیں۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اللہ اتنا دور اندیش نہیں ہے، کیونکہ صاف ظاہر ہے کہ وہ یہ بات نہیں جانتا تھا کہ ایک وقت ایسا بھی آئے گا جب خواتین مردوں سے زیادہ متعدد نہیں ہوں گی، اور اس بات سے ایک بار دوبارہ ثابت ہوا کہ یہ اربوں کہکشاؤں کے خالق کے نہیں بلکہ ساتویں صدی کے کسی عربی آدمی کے الفاظ ہیں۔

مجھے شک ہے کہ یہ لوگ کبھی اس چیز کو بدلیں، کیونکہ کثیر الازواجی کی وجہ خواتین کی کثیر تعداد نہیں بلکہ مردوں کی اپنی خوشی اور مزے تھے۔ کیونکہ مرنے کے بعد جنت اور اس میں بہتر کنواری حوروں جیسے خیالی انعامات سے بھی زیادہ مزیدار کیا ہو سکتا ہے؟ حقیقی دنیا میں اتنی ساری حقیقی خواتین کا ملنا! اس جدید معاشرے میں ایک شوہر کا دوسرے کمرے میں کسی دوسری عورت کے ساتھ مباشرت کرنا بھی اتنا ہی گھناؤنا فعل ہے، جتنا کہ کسی عورت پر بدچلنی کا الزام لگانا، اس میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ جتنی جلدی مسلمانوں کو اس بات کا احساس ہو جائے گا اتنی جلدی وہ ہمارے ساتھ اس جدید دنیا کا حصہ بن جائیں گے۔ اگر وہ افواہ درست ہے کہ اُس ہندو لڑکی نے واقعی اسلام قبول کر لیا تھا تو مجھے حیرت ہے کہ کاش ڈاکٹر ذاکر نائک کی جھوٹی شان میں گرنے سے پہلے وہ لڑکی انٹرنیٹ پر دومنٹ کی تحقیق ہی کر لیتی یا ڈاکٹر صاحب کو داد دینے والے اُن لوگوں میں سے کسی نے خود جواب تلاش کرنے کے بارے میں سوچا ہوتا۔ مجھے امید ہے کہ شاید انہوں نے تحقیق کی ہو اور اپنی تنقیدی سوچ کو اجاگر کر لیا ہو، لیکن مجھے لگتا ہے کہ میں بہت زیادہ پر امید ہو رہا ہوں۔

ایک اور توجیہ جو مسلمان حمایتی چار بیویاں رکھنے کے دفاع میں دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ مرد حاملہ نہیں ہوتے، خواتین ہوتیں ہیں۔ اگر کسی عورت کے ایک سے زیادہ شوہر ہوں تو یہ کیسے معلوم ہو گا کہ بچے کا باپ کون ہے؟ یہ ایک مزاحیہ بات ہے۔ آپ ایک شوہر اور ایک ہی بیوی رکھ کر زمین کو تباہ کرنے والے اس مخمصے کو ہٹا کیوں نہیں دیتے؟ مزید یہ کہ آج کل ہم ڈی این اے ٹیسٹ کے ذریعے یہ پتا کر سکتے ہیں کہ بچے کا باپ کون ہے۔ اس سے ایک دفعہ پھر ظاہر ہوتا ہے کہ اس خدا کو بالکل اندازہ نہیں تھا کہ ایک دن ہمارے پاس ڈی این اے ٹیسٹ جیسی کوئی قابل اعتماد ٹیکنالوجی موجود ہو گی۔

آپ کو اس بات کا ایک اور مظاہرہ پیش کرتے ہیں کہ اسلام ہر دور کے ہر انسان کے لئے نہیں ہے۔ آپ بتائیے گا کہ کیا یہ آپ کو اربوں کہکشاؤں کے خالق کی خصوصیت لگتی ہے؟ پاکستانی قانون کے مطابق آدمی کو دوسری، تیسری یا چوتھی شادی کرنے سے پہلے اپنی پہلی بیوی سے تحریری اجازت لینی ہوتی ہے۔ چونکہ پاکستان میں بدعنوانی بہت عام ہے، تو مجھے نہیں لگتا کہ اس قانون کا نفاذ کبھی کیا جاتا ہوگا۔ سعودی عرب اور ایران جیسے دیگر اسلامی ممالک میں تو حالات اس سے بھی بدتر ہیں، کیونکہ وہاں ایک آدمی کو دوسری شادی کرنے کے لیے پہلی بیوی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ آسانی سے دوسری عورتوں کو اپنے گھر لے آتا ہے اور ان سب کو مل کر 'ہم آہنگی' سے رہنے کو کہتا ہے۔

مسلمان یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اللہ نے مردوں کو یہ آسائش سخت شرائط کے ساتھ عطا کی ہے۔ جس میں سے ایک شرط یہ ہے کہ ان سب کے ساتھ برابری کا سلوک کیا جائے۔ یعنی اگر آپ ایک بیوی کے لئے پھل خریدتے ہیں تو باقی سب کے لیے بھی خرید کر لائیں، اور آپ کو دوسروں کے مقابلے میں کسی ایک بیوی کے ساتھ زیادہ نہیں سونا چاہیئے۔ اگرچہ محمد خود اپنی ایک لمبی موٹی افریقی بیوی سعودا کے ساتھ بہت کم سوتا تھا کیونکہ وہ خوبصورت نہیں تھی تو محمد شاید جنسی طور پر اس کی طرف زیادہ مائل نہیں ہوتا تھا، لیکن چلیں اس بات کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ میں سوچتا ہوں کہ برابری کا مطلب کہیں یہ بھی تو نہیں کہ اگر آپ نے ایک بیوی کو نافرمانی کے لئے پیٹا ہے تو آپ کو باقی تینوں کی بھی پٹائی کرنی چاہیئے۔

"عورت فاؤنڈیشن" اسلام آباد، پاکستان کے مطابق ۲۰۰۹ صرف پاکستان میں گھریلو تشدد کے ۸،۶۵۸ واقعات پیش آئے۔ جن میں ۱،۳۸۴ قتل تھے، ۹۲۸ زیادتی کے ساتھ کی گئی تھی، ۶۸۳ نے خود کشی کر لی اور ۶۰۴ خواتین کو غیرت کے نام پر قتل کا کر دیا گیا۔ آپ سوچ رہے ہونگے کہ "جس ملک کی آبادی ۱۸ کروڑ ہو اُس میں یہ سب کچھ اتنا برا نہیں ہے۔" ماہرین کا کہنا ہے کہ معاشرتی بدنامی کی وجہ سے پاکستان میں اس طرح کے زیادہ تر واقعات کی رپورٹ درج ہی نہیں کروائی جاتی ورنہ یہ تعداد ممکنہ طور پر بیس گنا زیادہ ہوتی۔

بلاشبہ قرآن مجید میں "کہیں بھی" خواتین کے ساتھ زیادتی کرنے کو نہیں کہا گیا (البتہ وہ آپ کی بیوی یا جنسی غلام ہے تو اس چیز کی اجازت ہے) یا ان کا قتل کرنے کو نہیں کہا گیا ہے، لیکن یہ بڑی سادہ سی بات ہے کہ غیرت کے نام پر قتل کرنے والی یہ ذہنیت عام طور پر اسلام کے مجتہدانہ فلسفہ سے ہی پروان چڑھاتی ہے۔ اگر خواتین کو زبردستی کسی بھی مرد کے سپرد نہ کیا جائے تو کیا پھر غیرت کے نام پر یہ قتل وغارت ہوگی؟ مجھے نہیں لگتا کہ پھر ایسا کچھ ہوگا کیونکہ مغربی معاشرے میں (جہاں ایک عورت کے خود اپنا خاوند چننے کو شرمناک نہیں سمجھا جاتا) غیرت کے نام پر کوئی قتل وغارت نہیں ہوتا۔ ہاں مغرب میں بھی خواتین کا قتل ہوتا ہے، لیکن ان کی ریاست اور اس کا نظریہ اس قتل وغارت کی بالکل حمایت نہیں کرتا۔

مسلمان حمایتی خواتین کی تنہائی کے دفاع میں امریکہ جیسے ممالک کا حوالہ دیتے ہیں اور وہاں کی زیادتی کی شرح کا موازنہ سعودی عرب سے کرتے ہیں۔ میں آپ کو یاد دلاتے ہوئے اس دلیل کو نظر انداز کروں گا کہ شرعی قانون کے مطابق زیادتی کی سزا دینے کے لئے چار مرد گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ بصورت دیگر وہ صرف ایک

ناجائز تعلق سمجھا جاتا ہے۔ یہ کہنا مشکل نہیں ہے کہ زیادہ تر متاثرین جرم کو کی رپورٹ درج ہی نہیں کرواتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر انہوں نے ایسا کیا اور چار گواہ موجود نہ ہوئے تو زیادتی کے ساتھ ساتھ انہیں سنگسار بھی کیا جا سکتا ہے۔

آخر میں، میں اسلام میں خواتین کے پردہ کرنے کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔ اسلامی حمایتی کہتے ہیں کہ اگر خواتین اپنے بال (یا وہابیت میں پورا چہرہ) نہیں ڈھکیں گی تو پھر مردوں کے لئے خود کو قابو میں رکھنا بہت مشکل ہوگا اور اسی سے زیادتیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ ظاہر ہے تمام ابراہیمی مذاہب میں مباشرت کو ایک قابلِ نفرت اور ہولناک فعل سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ بہتر ہوگا کہ ہم زیادتی کے امکان کو کم کرنے کے لئے خواتین کو پردہ کروائیں اور انہیں دوسرے مردوں کی نظروں سے چھپا کر رکھیں۔ یہ زندگی گزارنے کا ایک خوفناک طریقہ ہے۔

ذرا تصور کریں کہ آپ ایک گاڑی خریدیں اور اس پر پردہ چڑھا کر چلائیں۔ کیونکہ آپ نہیں چاہتے کہ چور یہ جان لیں کہ یہ ایک مرسڈیز گاڑی ہے، کیا نہیں۔ ہمارے پاس یقینی طور پر اپنے املاک کی حفاظت کے لئے قوانین موجود ہیں، اور گاڑی چوری ہونے کے خطرے کو کم کرنے کیلئے ہم الارم، بے حرکت بنانے والے اور تعاقب کرنے والے آلات وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ لیکن ہم گاڑی کو ڈھک کر نہیں چلاتے۔ اس اسلامی منطق کے مطابق کسی کو بھی پیسے نہیں کمانے چاہئیں کیونکہ اگر لوگوں کو پتہ چل گیا تو وہ آپ کو لوٹنا چاہیں گے۔ خوف سے کبھی بھی کسی کو کسی بھی کام کے لئے پیچھے نہیں ہٹنا چاہیئے۔ انسانی معاشرے میں آج جتنی بھی تمام ترقی ہوئی ہے وہ خوف پر قابو پا کر ہوئی ہے۔ تو پھر کیوں مسلمان خواتین کے زیادتی سے آزادی کے خواب کو اُن پر تھلیاں چڑھا کر ختم کرنا چاہتے ہیں؟ ہاں بدقسمتی سے، عصمت دری ہوتی ہے، لیکن عورت کو چھپا لینا اس کو روکنے کی کوئی ضمانت نہیں ہے، عصمت دری کرنے والوں کو سزا دینا ہے۔ کیا ایسے قانون نہیں بننے چاہئیں جو خواتین کے حقوق کا تحفظ کریں اور عصمت دری کرنے والوں کو سخت سزا دیں۔ بالکل اسی طرح جیسے ہم نے اپنی گاڑیوں کی چوری کرنے والوں کے خلاف کارروائی کرنے کے قوانین بنائے ہیں۔ بجائے اس کے اسلام نے درحقیقت اس چیز کو اور آسان بنا دیا ہے کہ ایک آدمی کسی کے ساتھ زیادتی کر کے آرام سے بچ سکتا ہے۔

اس بات کے لئے کافی ثبوت موجود ہیں کہ ہم میں ہم جنس پرست ہمیشہ سے موجود رہے ہیں۔ تو ہم مردوں کو پردہ کیوں نہیں کرواتے؟ کیا پتا آدمی کسی دوسرے خوبصورت آدمی کو دیکھ کر مچل جائے اور خود پر قابو نہ رکھ سکے اور اس کے ساتھ زیادتی کر دے؟ اب یہاں یہ کہنا کہ ایک مرد اپنے ساتھ زیادتی کرنے والے کے ساتھ عورت سے بہتر نمٹ سکتا ہے کیونکہ وہ اس سے زیادہ طاقتور ہوتا ہے بالکل بیکار بات ہے کیونکہ تمام مرد طاقتور نہیں ہوتے۔ ایک ہم جنس پرست ہو سکتا ہے کہ اس شخص سے زیادہ طاقتور ہو جس نے اس کی زیادتی کی ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ حال ہی میں ایک مسلمان عالم دین مراد بیرال نے واقعی یہ کہا کہ مردوں کو داڑھی اگانی چاہیئے کیونکہ اگر یہ داڑھی نہیں رکھیں گے تو ہو سکتا ہے کہ حوس کے پجاری مردوں کا ان پر دل آ جائے گا اور وہ ان کے ساتھ زیادتی کرنا چاہیں۔

خدا مباشرت سے یا شادی کے بغیر مباشرت کرنے سے اتنی نفرت کیوں کرتا ہے؟ کسی بھی دینی کتاب میں اس بات کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں ہے کہ آدم اور حوا نے شادی کی تھی۔ اس کے علاوہ اگر خدا کو مباشرت سے اتنی ہی نفرت ہے تو پھر اس نے زیادہ تر نوع میں مباشرت کے ذریعے تولید کا عمل کیوں رکھا؟ دو لوگ یا بہت سارے لوگوں کے گروہ بھی اپنی نجی زندگی یا نجی اوقات میں کیا کرتے ہیں اس بات سے کسی کو بھی فرق کیوں پڑتا ہے؟

پاکستان میں خواتین کو اپنی مرضی سے مباشرت کرنے کی آزادی کی اجازت نہیں ہے، کیونکہ اس سے یہ تصور کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے سربراہ کے قابو میں نہیں رہیں گی۔ اگر ایک عورت آزاد ہے، وہ کسی مرد سے ملتی ہے اور اس کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کرتی ہے، تو اس کے والد کو اس بات پر شدید اعتراض ہو گا اور وہ اس چیز سے اسے منع کرے گا۔ کیونکہ یہ چیز اسے کے اس اوپر حکمرانی کرنے اور اس کے لیے مرد منتخب کرنے والے اختیار کو للکارتی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ میں تقریباً ۱۵ برس کا تھا، جب میں نے اپنے ایک دوست سے پوچھا کہ ایسا کیوں ہے کہ ہم خود دوسری لڑکیوں کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کرنا چاہتے ہیں، لیکن اگر کوئی دوسرا ہماری بہنوں کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کرنا چاہتا ہے تو یہ ہمیں ناگوار گزرتا ہے۔ اُس نے صاف جواب دیا کہ "یہ بس اسی طرح ہے"۔ ایسے مردوں کو ہم "بے غیرت" کا خطاب ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ خود جس کے ساتھ چاہیں جنسی تعلقات قائم کر سکتے ہیں، لیکن اپنی بہنوں یا بیٹیوں کو اس بات کی اجازت نہیں دے سکتے، اور ایسے مردوں کو ہم منافق کے بجائے "غیرت مند" کہتے ہیں۔ جیسے جیسے میں بڑا ہوتا گیا اور مجھے "منافق" لفظ کی بہتر تفہیم پتا چلی تو میری سوچ بدل گئی اور مجھے سمجھ میں آ گیا کہ اگر میں شادی کے بغیر کسی کے بھی ساتھ جنسی تعلقات قائم کر سکتا ہوں تو میری بہن بھی جس کے ساتھ چاہے جیسے چاہے کر سکتی ہے۔

مردوں کے مقابلے خواتین کے ساتھ غیر منصفانہ سلوک یہاں ختم نہیں ہوتا ہے۔ انتظار کریں ابھی اور بھی بہت کچھ ہے! یہ صرف اسلام میں خواتین کی جنسی آزادی کے بارے میں تھا۔ مسلمان خواتین کے دوسرے 'حقوق' کے بارے میں کیا خیال ہے؟ آیئے کچھ دیگر متفرق قرآنی آیات پر نظر ثانی کرتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم کرتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔" (قرآن ۱۱:۴)

اس آیت کی مطابق آپ کے مرنے کے بعد آپکی جائیداد کا "دوگنا" حصہ آپکے بیٹے کو اور "ایک" حصہ آپکی بیٹی کو ملتا ہے۔ کیا آپکو کہیں سے بھی اس آیت میں انصاف نظر آتا ہے؟ یہ خوفناک آیت اور بھی بھیانک منظر پیش کرتی ہے جسکی وجہ سے خواتین کو زندگی کے ہر میدان میں شدید ناانصافی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس غیر منصفانہ سلوک کے دفاع میں مسلمان حمایتی مختلف وضاحتیں دیتے ہیں۔ اُن میں سے سب سے عام وضاحت یہ ہے کہ، ایک آدمی (یعنی گھر کا بیٹا) اپنے گھر کا قائد ہوتا ہے اور اسے اپنے خاندان کی دیکھ بھال کرنی ہوتی ہے، اس لیے اُسے بڑا حصہ دیا جاتا ہے۔ جبکہ عورت (یعنی گھر کی بیٹی) اپنے شوہر کی ذمہ داری ہوتی ہے، اور وہ اس کے لیے وراثت کا بڑا حصہ لے کر آ سکتا ہے۔ اس امتیازی سلوک پر اسلام کی چشم پوشی کا یہ جواز جائز ہے یا ناجائز اس بات کا فیصلہ آپ پر چھوڑتا ہوں۔

خواتین کی ذہانت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ چلیں آئیں اس آیت کو جانچتے ہیں:

"------ اور اپنے میں سے دو مرد گواہ رکھ لو، اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کر لو تا کہ ایک کی بھول چوک کو دوسری یاد دلا دے---" (قرآن ۲:۲۸۲)

یہ آیت محمد کے اس قول سے مطابقت رکھتی ہے:

نبی نے کہا: "کیا ایک عورت کی گواہی ادھوری نہیں ہوتی؟ عورت نے جواب دیا: "جی ہاں۔"

نبی نے کہا: "کیونکہ خواتین کم فہم ہوتیں ہیں۔" (صحیح بخاری)

اس آیت کے مطابق دو خواتین ایک مرد کے برابر ہوتی ہیں۔ یعنی کہ خواتین ذہنی طور پر مردوں سے کم تر ہیں۔ کتنی مہارت سے پوری کائنات کا خالق یہ کہہ رہا ہے کہ "اگر ایک عورت خطا پر ہو تو دوسری اسکو یاد کروا سکے۔" کیا کبھی آپ نے یہ سوچا کہ مرد بھی تو بھول سکتا ہے۔ اگر وہ بھول جائے یا غلطی پر ہو تو اسے کون یاد دلائے گا؟ کچھ مذہبی حمایتی اس آیت کی حمایت میں یہ کہتے ہیں کہ ایسا اس لئے کہا گیا کیونکہ خواتین کو بھولنے کی بیماری "ڈیمینشیا" زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن یہ بیماری مردوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ اور عمر کے آخری حصے میں مرد اور خواتین دونوں ہی اس بیماری میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ پھر بھی تمام خواتین کو یہ بیماری نہیں ہوتی۔ بس چند خواتین کو عمر کے آخری حصے میں ہو جاتی ہے پر وہ تو مردوں کو بھی ہو جاتی ہے۔ تو پھر اللہ کیسے ایسا کہہ سکتا ہے کہ اس بیماری کے ہونے کی قیمت صرف عورتیں ادا کریں؟ لحاظہ ان کے بیان کو ادھورا اور مرد کے بیان کو مکمل اور جامع سمجھا جائے۔ اس بات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جب اللہ نے یہ آیت بنائی تو اسکو یہ علم نہیں تھا کہ مردوں کو بھی یہ بیماری ہوتی ہے، ورنہ وہ ایسی آیت کبھی نہ بناتا۔ کیا آپ نے کبھی سوچا کہ کیوں خدا نے ایسا عمومی قانون بنایا جسمیں تمام خواتین کو شامل کر دیا گیا؟ جبکہ وہ جانتا ہے کہ تمام خواتین اس بیماری کا شکار نہیں ہوتیں۔

یہ کرنا تو بلکل ایسا ہے جیسے چاکلیٹ کھانے پر پابندی عائد کر دی جائے کیونکہ کچھ خواتین کو چاکلیٹ سے زیادہ رغبت ہوتی ہے اور اس کے بے جا استعمال سے وہ بہت موٹی ہو جاتی ہیں۔ اس لیے تمام خواتین کے چاکلیٹ کھانے پر پابندی لگا دینی چاہیئے۔ اس بات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مذہبی حمایتیوں کا یہ جواز کتنا معقول ہے!

جہاں تک ہم سب جانتے ہیں خواتین مردوں کے جتنی ذہین ہوتی ہیں۔ اس بات کو اگر نسلی امتیاز کے بجائے یکساں اجناس پر پرکھا جائے تو نمایاں طور پر واضح ہو گا۔ جدید علوم و تحقیق کے مطابق عورت اور مرد کی ذہانت کا معیار برابر ہے۔ ایک بار پھر آپکا خدا غلط ثابت ہوا۔ یہ صرف چار قرآنی آیات ہیں جن کا ہم نے خواتین کے حقوق کی روشنی میں جائزہ لیا۔ جس سے ہمیں یہ پتا چلتا ہے کہ ان میں جنسی تعصب اور زن بیزاری کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔ قرآن میں ایسی بے شمار آیات اور ہزاروں احادیث بڑے ہی نظم و ترتیب کے ساتھ موجود ہیں جو کہ خواتین سے نفرت یا ان کے کم تر ہونے کا صاف مظاہرہ کرتی ہیں اور وہ آیات و احادیث اس سے بھی زیادہ بدتر ہیں۔ اُن ہزاروں خواتین سے نفرت آمیز احادیث میں جائے بغیر ان میں سے صرف اس ایک ہی حدیث کو دیکھیں:

"نبی نے کہا کہ جن تین چیزوں سے نماز ٹوٹ جاتی ہے وہ یہ ہیں: کتا، گدھا اور عورت! اگر ان تینوں میں سے کوئی بھی کسی نمازی کے آگے سے گزر جائے، تو اسکی نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ اس پر حضرت عائشہ نے کہا کہ: آپ نے ہم عورتوں کو کتوں کے مترادف سمجھا ہے۔ یعنی ان کے برابر کا درجہ دیا ہے۔"

(صحیح بخاری، سبق نمبر ۹، حدیث نمبر ۴۹۰)

مجھے اس حدیث کی مزید وضاحت کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ محمد کی نو عمر بیوی عائشہ کا خود محمد کی اس بات سے اختلاف کافی ہے۔

تو اس عظیم الشالان مذہب نے خواتین کے لئے تین بنیادی حقوق مرتب کیے ہیں:

۱۔ آپ انہیں مار سکتے ہیں۔

۲۔ جائیداد میں ان کا حصہ مردوں کی نسبت آدھا ہے۔

۳۔ یہ مردوں سے ذہنی طور پر کم تر ہیں۔

اگلی دفعہ جب بھی کوئی آپکو یہ بتانے کی کوشش کرے کہ اسلام خواتین کو کتنے حقوق دیتا ہے، تو اسکو صرف ان تین بنیادی حقوق کی تعلیم ضرور دیجئے گا۔ مذہبی حمایتی ان باتوں پر ہر قسم کے جواز پیش کرتے ہیں اور دماغی کلابازیاں لگاتے ہیں لیکن وہ کسی بھی باشعور انسان کو قائل نہیں کر سکتے۔

اگر یہ سب کچھ پڑھنے کہ بعد بھی آپ وہ مسلمان عورت ہیں جو اسلام کا دفاع کرتی ہے تو پھر کل کو آپکا خاوند آپکی پٹائی کرے، آپکو جائیداد میں کم حصہ ملے، آپکو یہ کہا جائے کہ آپ عورت ہیں اور مرد کی نسبت کم عقل ہیں، یا پھر یہ کہا جائے کہ آپ کتے اور گدھے کے مترادف ہیں تو ان باتوں پر شکایت مَت کیجیئے گا کیونکہ یہ ساری باتیں قرآن و حدیث کی روشنی میں درست ہیں۔

منتقم

اس خدا کو چاپلوسی اتنی پسند ہے کہ جو یہ نہیں کرتا یہ اُسے جہنم کی آگ میں ہمیشہ کے لیے جلانے کی دھمکیاں دیتا ہے۔ مسلمان ہونے کے ناطے آپ کو اس خدا کے لیے دن میں پانچ بار نماز پڑھنی ہوتی ہے، روزے رکھنے ہوتے ہیں اور زندگی میں کم از کم ایک بار مکہ کی زیارت کرنی ہوتی ہے۔ اس سے بھی بدتر یہ ہے کہ اگر آپ اس کے وجود پر یقین نہیں رکھتے تو وہ آپ کو عذاب دے گا اور ہمیشہ کے لئے جہنم میں جلائے گا۔ اس محبت کرنے والے خدا سے متعلق صرف چند قرآنی آیات دیکھیں:

"جن لوگوں نے کتاب کو جھٹلایا اور اسے بھی جو ہم نے اپنے رسولوں کے ساتھ بھیجا انہیں ابھی ابھی حقیقت حال معلوم ہو جائے گی۔ جبکہ ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور زنجیریں ہوں گی گھسیٹے جائیں گے۔ کھولتے ہوئے پانی میں اور پھر جہنم کی آگ میں جلائے جائیں گے۔ (قرآن ۴۰:۷۰-۷۲)

اس کے بارے میں خیال ہے؟

"یہ دونوں اپنے رب کے بارے میں اختلاف کرنے والے ہیں، پس کافروں کے لئے تو آگ کے کپڑے بیونت کر کاٹے جائیں گے، اور ان کے سروں کے اوپر سے سخت کھولتا ہوا پانی بہایا جائے گا۔ جن سے ان کے پیٹ کی سب چیزیں اور کھالیں گلا دی جائیں گی۔" (قرآن ۲۲:۱۹-۲۰)

یہ صرف ہمیشہ کے لئے انہیں جلائے گا یا اذیت نہیں دے گا بلکہ اصل میں انہیں جلتا ہوا دیکھ کر لطف اندوز ہو گا اور اُس پر سنجیدہ تبصرے کرے گا، جب انہیں اذیت دی جا رہی ہو گی۔

"یہ جب بھی وہاں کے غم سے نکل بھاگنے کا ارادہ کریں گے وہیں لوٹا دیئے جائیں گے اور (کہا جائے گا) جلنے کا عذاب چکھو۔" (قرآن ۲۲:۲۲)

مذکورہ بالا آیت کے آخر میں صرف ایک چیز کی کمی ہے وہ ہے 'ہاہاہا!'۔ ہٹلر یا اسٹالن نے بھی شاید کبھی اُن مظلوموں کے پاس جا کر جن پر انہوں نے مظالم ڈھائے یہ نہیں کہا ہو گا: "ہاہا! کیا تم لوگ اب اس اذیت سے لطف اندوز ہو رہے ہو؟" پھر بھی ایک ارب مسلمان یہ سمجھتے ہیں ہر چیز کا خالق اگر یہ کام کرے تو یہ بالکل ٹھیک ہے۔ جیسے کہ مائیکل شرمر کہتا ہے کہ اگر چیونٹیاں آپ کے پاس نہ آئیں اور آپ کی تعریف نہ کریں، یا آپ کے لیے کوئی ناچیز شے نہ لائیں تو کیا آپ ان کے ٹیلے پر جا کر ان کی بستی کو جلا دیں گے؟ مجھے لگتا ہے شاید ہم میں سے سب سے بدکار انسان بھی یہ نہیں کرے گا، لیکن اس رحم کرنے والے اور محبت کرنے والے خدا کو ایسا کرنے میں کچھ غلط نظر نہیں آتا۔

کافروں کے لیے جہنم کے بارے میں تقریباً پانچ سو آیات قرآن میں موجود ہیں۔ اور تقریباً چھتیس آیات ہیں جو اللہ کے بندوں کو کہتی ہیں کہ اس سچے مذہب اسلام کو پھیلانے کے لئے کافروں کے خلاف لڑو۔ پھر بھی لوگ تعجب کرتے ہیں کہ طالبان اور داعش کہاں سے آئے ہیں؟

نسل کشی کرنے والا

یہ خدا نہ صرف لوگوں کو جہنم کی آگ میں اذیت دینے کی دھمکی دیتا ہے (جو کہ واضح طور پر صرف ایک فرضی داستان ہے) بلکہ یہ اختلافِ رائے رکھنے پر زمین کی تہذیبوں کو تباہ کرنے پر بھی شرمندہ نہیں ہے۔ قومِ لوط کی کہانی بہت مشہور ہے۔ اس خدا کی فطرت بتانے کے لئے قرآن نے یہ کہانی بائبل سے اٹھانے میں بھی کوئی قباحت محسوس نہیں کی۔

کہانی یہ ہے کہ سدوم میں مرد مردوں کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کرنا پسند کرتے تھے۔ تو خدا لوط کے گھر میں تین فرشتے بھیجتا ہے۔ سدوم کے مرد ان تین خوبصورت مرد فرشتوں کو زیادتی کا نشانہ بنانا چاہتے تھے۔ لوط نے سدوم کے لوگوں سے کہا کہ وہ اپنے مہمانوں سے زیادتی نہ کریں، بلکہ اس کی بجائے اس نے انہیں اپنی خوبصورت بیٹیوں کی پیش کش کی۔ چونکہ وہ ہم جنس پرست تھے، تو انہوں نے لوط کی اس فیاض پیش کش کو مسترد کر دیا (انجیل میں یہ کہانی اسی طرح موجود ہے)۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انجیل میں موجود کہانیاں کتنی خراب ہیں۔ کیا آپ آگ سے بنے ہوئے کچھ نوع کی حفاظت کے لئے اپنی بیٹیوں کو زیادتی کا نشانہ بنائیں گے؟ لیکن اُس عظیم لوط نے یہی کیا۔ اس نے کہا کہ "اگر تم زیادتی کرنا چاہتے ہو تو یہ لو میری بیٹیاں حاضر ہیں، لیکن میرے فرشتہ دوستوں کو چھوڑ دو۔" لوط کی قرآنی کہانی اس سے تھوڑی سی مختلف ہے۔ اُس کا آغاز اس دعوے سے ہوتا ہے کہ ہم جنس پرستی کرنے والے سب سے پہلے لوگ سدوم تھے:

"اور ہم نے لوط (علیہ السلام) کو بھیجا جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم ایسا فحش کام کرتے ہو جس کو تم سے پہلے کسی نے دنیا جہان والوں میں سے نہیں کیا۔ تم مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو عورتوں کو چھوڑ کر، بلکہ تم تو حد ہی سے گزر گئے ہو۔" (قرآن ۷:۸۰-۸۱)

تو سدوم کے لوگ سیارہ زمین پر پہلے ہم جنس پرست تھے۔ یہ دعویٰ سراسر غلط ہے کیونکہ فتح سے قبل لاطینی اور شمالی امریکہ میں ہم جنس پرستی کے مقدمات درج کیے گئے ہیں۔ سب سے پہلے ہم جنس پرست جوڑے کا ثبوت آج سے پانچ ہزار سال پہلے جو آج پراگ، جمہوریہ چیک کہلاتا ہے، اُس کے ایک غار سے ملا تھا۔ ظاہر ہے کہ ان

تہذیبوں میں کسی کو بھی سدوم کے لوگوں کے بارے میں کچھ بھی معلومات نہیں تھی، کم از کم جب تک پندرہویں صدی اور اس کے بعد تک وہ فتح نہیں ہوئیں۔ اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ایسا لگتا ہے کہ اللہ کے پاس ان تہذیبوں کا کوئی علم نہیں تھا کیونکہ قرآن اور انجیل میں اس نامعلوم دنیا کا کہیں بھی کوئی ذکر موجود نہیں ہے۔

کچھ مورخین کا ماننا ہے کہ سدوم اور عمورہ۔ ایڈما، زیبوئم، اور بیلا کے ساتھ بحیرہ مردار کے آس پاس پھل پھولے تھے۔ ہمارے پاس سدوم اور عمورہ کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ تاہم بلا یقینی طور پر ایک شہر تھا۔ اگر سدوم اور عمورہ موجود تھے تو وہ شاید ۲۱۰۰ قبل مسیح سے موجود تھے۔ لیکن اگر ہم قرآن کا بیان دیکھیں تو ہم جنس پرستی کا دستور العمل ۲۱۰۰ قبل مسیح یا تقریباً ۴۲۰۰ سال پہلے ہوا تھا، جو کہ واضح طور پر غلط ہے۔ تاہم دلچسپ سوال یہ ہے کہ اگر سدوم میں ہم جنس پرست موجود بھی تھے تو کیا پورے شہر کو ختم کرنا ضروری تھا؟ ہم جانتے ہیں کہ ہم جنس پرستوں کی شرح دگر جنس پرستوں سے ہمیشہ کم ہوتی ہے، لیکن پھر بھی اس غفور الرحیم خدا نے پورے شہر کو تباہ کر دیا:

"اور ہم نے ان پر خاص طرح کا مینہ برسایا (پتھروں کا مینہ) پس دیکھو تو سہی ان مجرموں کا انجام کیسا ہوا۔" (قرآن ۷:۸۴)

بیشک ہمارے پاس اس کہانی کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے۔ لیکن مورخین کا خیال ہے کہ سدوم اور عمورہ کے قدیم شہر جہاں آج اردن اور اسرائیل موجود ہیں اس کے آس پاس تھے۔ امکان ہے کہ اگر ان کا وجود تھا تو یہی بہترین جگہیں ہیں جہاں ہو سکتا تھا۔ تاہم اس رقبے کے ارد گرد کوئی آتش فشاں پہاڑ نہیں ہیں۔ واحد آتش فشاں جو اس تباہی کا سبب بنا ہو وہ پہاڑِ بنطل ہے۔ مسلمان اور عیسائی حمایتیوں کے لئے بتاتا چلوں کہ بدقسمتی سے یہ سینکڑوں ہزاروں سالوں سے ایک ساکت آتش فشاں پہاڑ ہے۔

حقیقت کے اوپر دعوے کرنا آسان ہے، جیسے کہ میں پومپی کی تباہی پر ہر طرح کا دعوے کر سکتا ہوں اور کہہ سکتا ہوں کہ میرے (فرضی) خدا یا ہونے پومپی کو دو ہزار سال قبل تباہ کر دیا تھا۔ کیونکہ پومپی کے لوگ سبز رنگ کے مقابلے زیادہ تر سرخ رنگ کے کپڑے پہنتے تھے اور یا ہو سرخ رنگ پسند نہیں کرتا تھا۔ اگر یہ مان بھی لیں کہ لوط کی کہانی درست تھی، پھر بھی ایک حقیقت کہ موجود ہوتے ہوئے اُس پر کہانی بنانا کوئی متاثر کن کارنامہ نہیں ہے۔

بالکل لوط کی کہانی کی طرح قرآن نے کچھ معمولی تبدیلیوں کے ساتھ نوح کی داستان کا بھی سرقہ کیا ہوا ہے۔ قرآن میں آدم اور نوح کے مابین دس نسلیں تھیں، اور اس قبول حدیث مطابق:

"کیا حضرت آدم نبی رہے تھے؟ محمد نے جواب دیا، ہاں۔ اس شخص نے پوچھا، ان کے اور نوح کے درمیان کتنا وقت گزرا؟ محمد نے جواب دیا، دس قرن (نسلیں)"۔ (صحیح ابن حبان)

قرآن کہتا ہے کہ نوح ۹۵۰ برس تک زندہ رہے۔ لہذا یہ فرض کر لینا ٹھیک ہو گا کہ آدم اور نوح کے درمیان کا کل دور تقریباً دس ہزار سال رہا ہو گا۔ اسلامی دعویٰ یہ ہے کہ اس کے بعد چونکہ ایک بہت طویل عرصہ تھا، تو لوگ آدم مقرر کردہ اصول و قوانین قوانین بھول گئے ہوں گے اور شیطان نے اس دوران لوگوں کو گمراہ کر دیا ہو گا۔ چونکہ خدا اپنے بندوں پر نظر میں رکھنے میں ناکام رہا اور ان سے براہ راست بات چیت نہیں کر سکا، تو اس نے نوح کو بچاؤ کے لئے بھیجا:

"یقیناً ہم نے نوح (علیہ السلام) کو اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا کہ میں تمہیں صاف صاف ہوشیار کر دینے والا ہوں۔ کہ تم صرف اللہ ہی کی عبادت کرو، مجھے تو تم پر دردناک دن کے عذاب کا خوف ہے۔" (قرآن ۱۱:۲۵-۲۶)

اگر آج کوئی یہ دعویٰ کرے تو آپ یقیناً اس پر شک کریں گے اور نوح جن لوگوں سے مخاطب ہے انہوں نے بھی یہی کیا:

"اس کی قوم کے کافروں کے سرداروں نے جواب دیا کہ ہم تو تجھے اپنے جیسا انسان ہی دیکھتے ہیں اور تیرے تابعداروں کو بھی ہم دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ واضح طور پر سوائے پنچ لوگوں کے اور کوئی نہیں جو بے سوچے سمجھے (تمہاری پیروی کر رہے ہیں)، ہم تو تمہاری کسی قسم کی برتری اپنے اوپر نہیں دیکھ رہے، بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا سمجھ رہے ہیں۔" (قرآن ۱۱:۲۷)

جو ان لوگوں نے نوح سے پوچھا اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن ثبوت دینے کے بجائے اللہ نے نوح کو کشتی بنانے کا حکم دیا اور ان سب کو تباہ کر دیا:

"اور ایک کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی سے تیار کر اور ظالموں کے بارے میں ہم سے کوئی بات چیت نہ کر وہ پانی میں ڈبو دیئے جانے والے ہیں۔" (قرآن ۱۱:۳۷)

خدا اتنا منتقم ہے کہ وہ نوح کو حکم دیتا ہے کہ وہ اس سے ان لوگوں کی معافی طلب نہ کرے جو صرف ایک بوڑھے آدمی کے کچھ جنگلی دعووں کے اوپر اس کے وجود کے مزید ثبوت چاہتے تھے۔ لیکن ظالم، نسل کشی کرنے والے اس خدا کے ساتھ کون استدلال کر سکتا ہے؟ صرف اتنا نہیں کہ یہ خدا ان جنگلی دعووں پر شک کرنے والوں کو سزا دے رہا ہے بلکہ اسے جانوروں کی اس پوری دنیا کو تباہ کرنے میں کچھ بھی غلط نہیں نظر آتا، جن کا انسان بمقابلہ خدا کے اس جھگڑے سے کوئی لینا دینا نہیں ہے:

"یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ پہنچا اور تنور ابلنے لگا ہم نے کہا کہ اس کشتی میں ہر قسم کے (جانداروں میں سے) جوڑے (یعنی) دو (جانور، ایک نر اور ایک مادہ) سوار کرا لے اور اپنے گھر کے لوگوں کو بھی، سوائے ان کے جن پر پہلے سے بات پڑ چکی ہے اور سب ایمان والوں کو بھی، اس کے ساتھ ایمان لانے والے بہت ہی کم تھے۔" (قرآن ۱۱:۴۰)

خدا نے یہ بہت اچھا کام کیا کہ ہر جانور کا ایک جوڑا بچا لیا، لیکن اُن لاکھوں جانوروں کا کیا جو نوح کی جان بچانے والی کشتی میں نہیں چڑھ سکے؟ اور ان جانوروں کو بھی کیوں بچایا گیا؟ کیا خدا اپنی جادو کی چھڑی کو لہرا کر ان جانوروں کو دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا تھا؟ وہ شاید جانوروں کو تخلیق کرنے سے زیادہ ان کو تباہ کرنے میں مصروف تھا۔ مسلمان خوش قسمت ہیں کہ انجیل کی روایات کے برعکس محمد نے یہ نہیں کہا کہ یہ سیلاب دنیا بھر میں آیا تھا، جو کہ بالکل بھی ممکن نہیں ہے کیونکہ اس پورے سیارہ زمین پر ڈوبنے کے لئے اتنا پانی موجود ہی نہیں ہے۔

مسلمان اور عیسائی دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ کہانیاں ہمیں سکھاتی ہیں کہ ہمیں زندگی کیسے گزارنی چاہئیے۔ اگر آپ ان کہانیوں کو غیر جانبدارای سے دیکھیں تو آپ کو پتا چلے گا کہ یہ ہمیں صرف یہ سکھا رہی ہیں کہ یہ خدا کتنا ظالم، بے انصاف اور سفاک ہے۔ اسے ہم جنس پرستی اور کفر جیسی معمولی چیزوں پر پورے شہروں اور تہذیبوں کو ختم

کرنے میں بھی کچھ غلط نظر نہیں آتا۔ اگر آپ کے شہر میں ہم جنس پرست ہیں تو وہ آپ کا سارا شہر تباہ کر دے گا۔ اگر آپ کے شہر میں ملحدین ہیں تو وہ پورے شہر کو سیلاب میں ڈبا دے گا اور نہ صرف کافروں کو مار ڈالے گا، بلکہ وہ علاقے کے تمام جانوروں کو بھی مار ڈالے گا۔ مندرجہ ذیل آیت کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ یہ خدا اسٹیر ائڈ پر جوزف اسٹالن اور ہٹلر سے بھی بدتر ہے:

"ہم نے نوح کے بعد بھی بہت سی قومیں ہلاک کیں اور تیرا رب اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار اور خوب دیکھنے بھالنے والا ہے۔" (قرآن ۱۷:۱۷)

بُرا

۱۰ جنوری ۲۰۱۸ کو پاکستانیوں کو ایک خبر نے جھنجھوڑا کہ ایک سات سالہ بچی، زینب کو اغوا کر کے اس کے ساتھ پہلے زیادتی کی گئی اور پھر اسے قتل کر کے سڑک کے کنارے پر کسی گندگی کے ٹکڑے کی طرح پھینک دیا گیا۔ اس حادثے نے پورے ملک کو حیران کر دیا اور ملک بھر میں مظاہرے کیے گئے۔ لوگوں نے اس کا ذمے دار حکومت کے بدعنوان نظاموں کو ٹھہرایا، جس میں بچے اور خواتین محفوظ نہیں ہیں۔ معاملات کو مزید پیچیدہ کرتے ہوئے آپکو بتاتا چلوں کہ یہ معصوم بچی قرآن سیکھنے کے لئے مدرسہ جا رہی تھی اور اس کے والدین بھی عمرہ کرنے گئے ہوئے تھے۔ لہذا بنیادی طور پر یہ بچی ان بچوں سے بہتر تھی جو خدا سے زیادہ ڈرتے نہیں ہیں کیونکہ یہ اور اس کا خاندان اپنا زیادہ تر وقت اللہ کی راہ میں وقف کر رہے تھے۔ ہم سب کو بالکل اس بات پر حیرانی ہونی چاہئیے اور اپنی حکومتوں کو شہریوں کے لئے بہتر معاشرے بنانے کے لئے زیادہ مجبور کرنا چاہئیے، لیکن کیا پاکستان میں اکثریت اللہ پر یقین نہیں رکھتی؟ اللہ قادر و مطلق ہے اور جو کچھ بھی کر سکتا ہے؟ ہم بدعنوانی کے لئے صرف حکومت کو الزام دیتے ہیں، حالانکہ حکومت کم سے کم یہ تو نہیں جانتی کہ کہیں پر جرم کا ارتکاب ہو رہا ہے۔ یہ قادر و مطلق خدا آسمانوں میں اپنے تخت پر بیٹھا ہوا تھا اور پوری آزمائش کو دیکھ رہا تھا اور اس نے کچھ نہیں کیا؟

بیشک ہم ملحد خدا پر کوئی الزام نہیں لگاتے ہیں، لیکن جو لوگ خدا پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس پر سوال کیوں نہیں کرتے؟ جو لوگ اس پر سوال اٹھاتے ہیں یا تو انہیں 'علماء' کی جانب سے شدید تنقید کا سامنا کرنا پڑتا ہے یا پھر انہیں وہی ایک قدیم مبہم فلسفیانہ بیان کہ "خدا نے آپ کو آزاد قوتِ ارادی عطا کی ہے" سننے کو ملتا ہے۔ اس آزاد قوت ارادی کی وضاحت سے کئی مسائل پیدا ہوتے ہیں، لیکن زیادہ تر مسلمانوں اس پر سوال کرنے کی زحمت نہیں کرتے۔ اس قادر و مطلق اور غفور الرحیم خدا کو ایک معصوم ے سالہ بچی کی زندہ رہنے کی آزاد قوت ارادی سے زیادہ ایک بچہ باز، زیادتی کرنے والے اور قاتل کی آزاد قوت ارادی کی خیال تھا؟ اس کے علاوہ یہ خدا خود بھی کبھی مداخلت کر کے اور کبھی معجزات انجام دے کر اس آزاد قوت ارادی کو "خراب انسانوں" سے چھین لیتا ہے۔ ہم سب نے ان تمام معجزوں کی مثالیں سنی ہوئی ہیں، کہ کیسے جادو الٰہی سے مقتول کو بچا لیا جاتا ہے۔ تو پھر قاتل کی آزاد قوت ارادی کہاں ہے؟ یہ اُس گول منطق کی ایک واضح مثال ہے جو مسلمان اور دیگر عقیدت مند لوگ استعمال کرتے ہیں۔ جب خدا کچھ معاملات میں مداخلت کرنے کا فیصلہ کرتا ہے، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ مداخلت کا فیصلہ کیسے کرتا ہے؟ کبھی وہ ایک قاتل کو قتل کرنے نہیں دیتا اور

کبھی وہ ایک اخلاقی بد عنوان شخص کا قتل ہونے سے بچالیتا ہے۔ دوسری طرف کبھی وہ ایک بے گناہ، بااخلاق بچے کو زیادتی اور قتل ہونے سے بچانے کے لئے کچھ نہیں کرتا۔ کچھ مسلمانوں یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے سزا ہوتی ہے، شاید اس کے والدین برے ہوں اور اللہ نے ان کی اس بچی / بچے کے قتل کی صورت میں انہیں سزا دی ہو۔ اگر ایسا بھی ہے تو والدین کے گناہوں کی سزا ایک معصوم بچے کو کیوں دی جاتی ہے؟ یہ ایک نہایت ہی بے وقوفانہ بات ہے، لیکن پھر بھی دو سو کروڑ پاکستانی مسلمانوں کو اس میں کچھ غلط نظر نہیں آتا۔

خدا کے ساتھ چند اور مسائل

قادر و مطلق خدا کے خیال کے اس پورے عمل سے بہت زیادہ مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ خدا نے ہمیں بیمار (عیب دار اور غیر اخلاقی) پیدا کیا ہے، لیکن وہ چاہتا ہے کہ ہم صحت مند رہیں۔ یہ ایسا ہے جیسے میں کسی کو ایک بازو کے ساتھ بناؤں اور اسے کام وہ دوں جو دو بازوؤں کے ساتھ کیے جاتے ہیں۔ خدا نے جان بوجھ کر انسانوں کو برا بنایا لیکن وہ یہ چاہتا ہے کہ ہم اچھے رہیں۔

یہ خدا انسانوں میں بیماری ڈالتا ہے اور پھر لوگوں سے کہتا ہے کہ وہ اس سے دعا کریں تاکہ وہ ان کو شفا دے سکے۔ بغیر کسی ثبوت کے کہ وہ ٹھیک ہو سکتے ہیں۔ میں سوچتا ہوں کہ جیسے لوگ ڈاکٹروں کے پاس علاج کے لیے جاتے ہیں تو کیا یہ خدا کی مرضی کے خلاف جا رہے ہوتے ہیں؟ اگر خدا نے آپ کو کینسر دیا ہے، تو آپ کو اسے اُس کی مرضی سمجھ کر قبول کرنا چاہیئے، اُس کی خواہشات کے خلاف بغاوت نہیں کرنی چاہیئے۔

یہ خدا چاہتا ہے کہ ہم چوبیس گھنٹے اس کی عبادت کریں ورنہ یہ ہمیں عذاب دے گا اور ہمیشہ کے لئے جہنم میں جلائے گا۔ چلو مان لیتے ہیں کہ ہمارا خالق نہایت ہی انا پرست اور نفس پرست ہے، لیکن وہ اپنے وجود کا کوئی ثبوت کیوں نہیں دیتا؟ اپنے وجود کے بارے میں بتانے کا بہترین طریقہ اس کے پاس آیات بھیجنا تھا ان "انسانوں" کے ذریعے جو غلام اور جنسی غلام رکھتے تھے اور جنہوں نے نو عمر لڑکیوں سے شادی کی ہوئی تھی۔ چلو ٹھیک ہے مان لیتے ہیں کہ اسے اپنا پیغام پہنچانے کے لئے بہتر لوگ نہیں مل سکے، لیکن پھر وہ ۱۴۰۰ سال پہلے رک کیوں گیا اور اس کے بعد آنے والی تمام نسلوں سے اس پر یقین کرنے کی توقع کیوں کی؟ شاید وہ وہاں رکنا چاہتا ہو گا، لیکن اس نے کیوں انسانوں سے بات چیت کرنے کے لئے عربی کے بجائے کسی بہتر زبان کا انتخاب نہیں کیا؟ کوئی ایسی زبان جسے بدلا نہ جا سکتا ہو تا یا جس کی غلط تشریح ممکن نہ ہوتی؟ اُسے محمد کی جنسی زندگی میں اتنی دلچسپی تھی کہ وہ ایک کے بعد ایک وحی بھیج کر یہ بتاتا تھا کہ اسے کس عورت کے ساتھ سونا چاہیئے اور کس کے ساتھ نہیں سونا چاہیئے۔ لیکن آج وہ نیک ترین انسانوں کے سامنے بھی ظاہر ہو کر اسے اپنے وجود کا کوئی ثبوت نہیں دیتا، چاہے وہ انسان اس کے وجود کو لیکر کتنے ہی شکوک و شبہات سے کیوں نہ گزر رہے ہوں، اتنے شکوک و شبہات جو شاید وہ انہیں ہمیشہ کے لئے جہنم میں لے جائیں۔

باب نمبر ۵: محمد کا کردار

یہ سمجھنا آسان ہے، لیکن اس کی وضاحت کرنا مشکل ہے کہ کیوں زیادہ تر مسلمانوں کو واقعی ایسا کیوں لگتا ہے کہ محمد انسانیت ان کے لئے ایک مثالی شخصیت ہے۔ مجھے اس کی واحد وجہ 'جہالت' نظر آتی ہے۔ آئیں محمد کی زندگی کو ذرا تفصیل سے دیکھتے ہیں۔

تشدد

جب میں اسلام کے زیر اثر بڑا ہو رہا تھا تو مجھے بتایا گیا کہ محمد اتنا نرم مزاج اور محبت کرنے والا انسان تھا کہ ایک عورت روزانہ اس پر کچرا پھینکا کرتی تھی، ایک بار جب وہ بیمار ہو گئی تو یہ اس کی عیادت کرنے کے لیے گیا۔ یہ یقیناً ایک خوبصورت کہانی لگتی ہے اور کسی کو بھی اس طرح کے شخص کے بارے میں سن کر اس سے پیار ہو سکتا ہے۔ البتہ سچ اس سے بالکل الگ ہے۔ کیونکہ "ایک بدکار عورت کی محمد پر روزانہ کچرا پھینکنے والی یہ کہانی جو اچانک بیمار ہو جاتی ہے"، کہیں بھی موجود نہیں ہے۔ یہاں تک کہ انتہائی متعصب اسلامی ادب میں بھی یہ کہیں نہیں ہے۔ لوگ محمد کے دروازے پر کچرا پھینکتے تھے، یہ کہانیاں موجود ہیں، لیکن محمد نے کبھی ان کی عیادت نہیں کی۔ مجھے یہ سچ جان کر اتنا شدید صدمہ پہنچا کہ جب میں نے پہلی بار اپنی تحقیق میں یہ نتائج دیکھے تو میں تقریباً اعصابی خرابی کا شکار ہونے والا تھا۔ یہ حقیقت جان کر کہ محمد نے جنگیں کی ہیں اور وہ بہت سارے لوگوں کی موت کا ذمے دار ہے۔ مجھے ایسا لگا کہ میری توہین ہوئی ہے، مجھے دھوکہ دیا گیا ہے، مجھ سے جھوٹ بولا گیا ہے اور میرے ساتھ شدید زیادتی کی گئی ہے۔ لیکن یہ کہانیاں پاکستانی اسکولوں میں ہمیں پڑھائی نہیں جاتی ہیں۔

محمد کے پہلے سیاسی متاثرین شاعر تھے۔ جب محمد اپنے کام کے شروعاتی سال میں تھا اور خدا کا پیغام پھیلا رہا تھا تو اسے مخالفین کی طرف سے شدید تنقید کا سامنا ہوتا تھا۔ راک اسٹار اور اداکاروں کے بجائے

اُس وقت کے سب سے زیادہ بااثر افراد ادیب اور شاعر تھے۔
جو عوام کے خیالات کو بدل سکتے تھے۔ اگر آپ اس بارے میں سوچیں تو آپ کو پتا چلے گا کہ ایک عظیم مصنف ہونے کے ساتھ ساتھ محمد نے کوئی پانچ سو صفحات پر مبنی ایک کتاب، قرآن لکھ کر انسانی معاشرے میں ایک عظیم ترین انقلاب کا آغاز بھی کیا تھا۔ اب میں اُن میں سے کچھ نقاد کے بارے میں لکھوں گا، جنہوں نے محض ایک نئی سیاسی جماعت، اسلام، کے خلاف اپنی رائے کا اظہار کر کے اپنی جان گنوا دی۔

ابن اسحاق کے مطابق محمد کی زندگی میں (مکہ سے مدینہ ہجرت سے پہلے) النادر بن الحارث محمد پر تنقید کیا کرتا تھا اور ایک بار اس نے کہا، "خدا کی قسم محمد مجھ سے بہتر کہانیاں نہیں سنا سکتا اور اس کی باتیں صرف پرانی داستانیں ہیں۔ جو اس نے میری طرح ماضی سے چرائی ہیں۔" اب یہاں النادر آج کل کے سیاستدانوں کی طرح اپنے مخالف پر تنقید کر رہا ہے۔ وہ دعوی کر رہا ہے کہ اُس کا کہانیاں سنانے کا ہنر محمد سے بہتر ہے اور چونکہ محمد نے افسانے لکھے ہیں، تو اس لئے وہ کہتا ہے کہ محمد جو کہانیاں سناتا ہے

وہ نہ صرف فرضی ہیں بلکہ حقیقت میں وہ دوسرے مصنفین کی چرائی ہوئی کہانیاں ہیں۔ ۶۲۴ عیسوی میں جنگِ بدر میں النادر کو محمد کی بے حد توہین کرنے کی قیمت ادا کرنی پڑی۔ النادر کو پکڑ لیا گیا اور اس کا سر قلم کرنے کا حکم دے دیا۔ اس وقت یہ عام تھا کہ پکڑے گئے لوگوں کی جانوں کے بدلے میں تاوان لیا جاتا تھا، لیکن نادر کی زندگی کے لئے کوئی تاوان نہیں دیا گیا اور اسے پھانسی دے دی گئی۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ محمد واقعی اس شاعر کو بہت ناپسند کرتا تھا۔ محمد کے ایک اور ناقد، عقبہ بن ابو معیت، کو بھی جنگ بدر کے بعد پکڑ لیا گیا اور اس کا بھی سر قلم کر دیا تھا۔

النادر کے قتل کے بعد ان واقعات کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوا جس میں محمد نے منظم طریقے سے اپنے تمام مخالفین اور نقاد کی آوازوں کو تشدد کے ذریعے بند کرنا شروع کر دیا۔ النادر کے قتل سے ابو آفاق بہت ناراض ہوا۔ اُس نے محمد پر تنقید کرنے کے لئے ایک نظم لکھی۔ محمد نے کیا کیا؟ محمد نے اس کے بھی قتل کا حکم دے دیا اور اُسے مار ڈالا۔ ابو آفاق کے قتل پر اسما بنت مروان بہت افسردہ ہوئیں، تو انہوں نے بھی محمد کے خلاف ایک نظم لکھی۔ محمد نے اُسے بھی قتل کروا دیا۔ لیکن ابن اسحاق محمد کی حکمت کے بارے میں بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس شاعرہ کے قتل سے اسلام کو اتنا فائدہ ہوا کہ اس کے پورے قبیلے نے اس کے قتل کے بعد اسلام قبول کر لیا۔

اسما نے ایک نظم لکھی جس میں مکہ مکرمہ کے کافروں پر تنقید کی اور کہا کہ یہ لوگ ایک اجنبی شخص (محمد) کو سزا دینے کے بجائے اُس کے پیغام پر یقین کر رہے ہیں۔

جب محمد نے اس بارے میں سنا تو اس نے پوچھا کہ "کون مجھے مروان کی بیٹی سے کون چھٹکارا دلوا سکتا ہے؟" اسما کے ہی قبیلے کے ایک رکن نے محمد کی تعظیم و تکریم میں رضاکارانہ طور پر یہ کام کرنے حامی بھری۔ وہ اسما کے گھر میں گھسا اور اس کے پیٹ پر ایک چھوٹے سے بچے کو سوتا ہوا پایا۔ اس نے آہستہ سے اس بچے کو ہٹایا اور سوتی ہوئی اسما اسے مار ڈالا۔

کتنے پیار سے مصنف نے یہ لکھا ہے کہ اُس شخص نے 'بڑی نرمی سے' بچے کو ہٹایا۔م اور پھر عورت کو قتل کر دیا۔ جیسے کہ وہ ہمیں یہ بتانے کی کوشش کر رہا ہو کہ عورت کو قتل کرنا ہی ایک آخری راستہ تھا۔ اگر وہ شخص ایک برا اور وحشی قاتل ہوتا تو وہ شاید عورت کے ساتھ بچے کو بھی مار ڈالتا۔

واقعی وہ شخص کتنا رحیم اور سخی دل تھا۔ اس قاتل امیہ نے محمد کو جا کر بتایا کہ اُس نے کیا کیا ہے اور اس سے پوچھا کہ کیا یہ برا کام کرنے کے بدلے میں اُسے سزائے الٰہی ملے گی؟ محمد نے جواب دیا، "اس عورت کی موت سے دو بکریوں کو بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا"۔ اسما کے پانچ بیٹے تھے اور اس کے پورے قبیلے نے اس کی موت کے بعد اسلام قبول کر لیا تھا۔ کون کہتا ہے کہ مسلمانوں نے اسلام دہشت گردی کے ذریعے نہیں پھیلایا؟

محمد کی قاتلانہ رنجش کی ایک اور دلچسپ کہانی کعب بن ال اشرف کے بارے میں ہے۔ کعب مکہ مکرمہ میں یہودی رہنما تھا۔ جو قریش کی تباہی سے بیحد مایوس ہوا اس نے محمد اور مسلمانوں کی مذمت کرنے کے لیے کئی نظمیں لکھیں۔ اگر آپ اس کی شاعری پر نظر ڈالیں تو آپکو اس میں ہلکی سی مذمت لگے گی۔ تاہم محمد کوئی تنقید یا مخالفت برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے پانچ قاتلوں کا ایک گروہ جمع کیا۔ ان میں کعب کا رضاعی بھائی ابو نائلہ بھی شامل تھا۔ ساری پیچیدگیوں کو سمجھتے ہوئے ابو نائلہ نے محمد کہا، "اے اللہ کے رسول، ہمیں اس معاملے میں جھوٹ بولنا پڑے گا۔" نبی نے جواب دیا، "جو دل چاہتا ہے وہ کہو، تم آزاد ہو"۔

آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اُس کے اپنے عزائم پورے کرنے کے لیے محمد نے جھوٹ بولنے پر بھی کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اس کے مطابق اگر آپکا فائدہ ہوتا ہے تو جھوٹ بولنا بالکل ٹھیک ہے۔ یہ سیاست دانوں کا سنہری ہتھیار ہے۔ کیوں کہ وہ جھوٹ بولنا بہت پسند کرتے ہیں۔ تو کیوں نہ اس کا جواز خدا کے رسول کے ان کارناموں کا استعمال کرتے ہوئے پیش کیا کریں؟ اب مسلمان یہاں کہیں گے کہ ہم سب جھوٹ بولتے ہیں، ہماری حکومتیں ہر وقت جھوٹ بولتی ہیں۔ البتہ حکومتیں پوری انسانیت کے لئے خدا کی طرف سے بھیجی ہوئی مثالی شخصیت ہونے کا دعویٰ نہیں کرتیں۔

ابونائلہ، کعب کے گھر گیا اور کعب کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے محمد کی چالوں پر ناراضگی کا اظہار کیا۔ اس بات سے کعب کو ابونائلہ کے ناقص ارادوں کو پتا چاتا ہے۔ ابو نائلہ نے کعب کے گھر بطور تحفہ کچھ ہتھیار لانے کی پیش کش کی جس پر اُس نے اتفاق کیا۔ رات کو ابونائلہ کچھ مزید ہتھیاروں اور تین قاتلوں کے ساتھ کعب کے گھر دوبارہ گیا اور اسے مار ڈالا۔ وہ ثبوت کے طور پر کعب کا سر محمد کے پاس لے گیا۔ یہ مذہب کچھ بھی ہو سکتا ہے، لیکن امن کا مذہب نہیں ہو سکتا۔ ہم سب داعش اور طالبان کو اپنے مخالفین کا سر قلم کرتے ہوئے دیکھتے ہیں، آپ کو کیا لگتا ہے کہ انہیں کہاں سے حوصلہ افزائی ملتی ہے؟ داعش اور طالبان کا اسلام درحقیقت محمد کا اسلام ہے۔ بظاہر اعتدال پسند اسلام جو ہم ترکی اور پاکستان جیسے جدید ممالک میں دیکھتے ہیں وہ اکیسویں صدی کی پیداوار ہے۔

محمد کے حکم پر عامر بن امیہ، ابوسفیان کو قتل کرنے کے لئے بپھرا ہوا پھر رہا تھا۔ جب وہ ناکام ہو گیا اور خود اس کا شکار بن گیا تو اُس نے ایک غار میں پناہ لی جہاں وہ ایک آنکھ والے ایک بڈوین چرواہے سے ملا۔ امیہ نے اپنا تعارف بیڈوین سے کرایا۔ جس پر اس نے یہ گانا گاتے ہوئے جواب دیا، "جب تک میں زندہ ہوں / میں مسلمان نہیں ہوں گا / اور یقین کے عقیدے پر یقین نہیں کروں گا"۔ اُس بیچارے کو احساس ہی نہیں تھا کہ یہ کتنے ابتدائی مسلمان پر تشدد لوگ ہو سکتے ہیں۔ امیہ بیڈوین کے سونے کا انتظار کرنے لگا اور جب وہ سو گیا، تو امیہ کہتا ہے کہ، "میں اس کے پاس گیا اور اسے انتہائی خوفناک طریقہ سے قتل کر دیا۔ ایسے جیسے کسی کو بھی کبھی ہلاک نہیں کیا گیا ہو گا۔ میں اس پر جھکا اور اپنے تیر کمان کا کونا اُس کی صحیح آنکھ میں ڈال دیا اور اس کو اتنی بر اطرح دبایا کہ اُس کی آنکھ گردن کے پچھلے حصے سے باہر آ گئی۔ جب امیہ واپس آیا اور اس نے محمد کو یہ کہانی سنائی تو بجائے امیہ کو اپنی ہی ایک آیت کہ ”دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے“ سنانے کے محمد نے کہا، "بہت اچھا کیا۔“

جدید مسلمان کیوں اسلام کو امن کا دین اور محمد کو انسانوں میں سب سے کامل انسان سمجھتے ہیں، یہ سمجھنا بہت آسان ہے، اس کی وجہ محض لاعلمی / جہالت ہے۔ جب میں اس باب کی تحقیق کر رہا تھا تو میں نے اپنے خاندان والوں سے اور کچھ قریبی دوستوں سے پوچھا کہ کیا وہ النادر اور اسما بنت مروان کو جانتے ہیں؟ یا انہوں نے ایک آنکھوں والے بیڈون کی کہانی سنی ہوئی ہے؟ ان میں سے کسی کو ان کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا، لیکن ان سب کو محمد پر کچرا پھینکنے والی عورت کی کہانی پتا تھی۔

مسلمانوں کو جھوٹ بڑے منظم طریقے سے کھلائے جاتے ہیں اور جب تک وہ اپنے ذہن میں ابھرنے والے سوالات کے جوابات کو تلاش کرنے کے قابل ہوتے ہیں، اُن میں اُس چیز کو لیکر اُتنی دلچسپی ہی باقی نہیں رہتی۔

عورت باز

تمام انسانی تاریخ میں انسان سب سے زیادہ جن تین چیزوں کے پیچھے رہا ہے وہ طاقت، خواتین، اور میراث ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ پُر تشدد محمد نے "طاقت" کس طرح حاصل کی۔ آئیں اب محمد کی دوسری فتح "خواتین" دیکھتے ہیں۔ اگر محمد کا کردار تاریخ میں ک ایک بادشاہ یا ایک عالم کا ہوتا تو ہم شاید اس کی جنسی زندگی پر اتنی توجہ نہیں دیتے، لیکن محمد تمام انسانیت کے لئے ایک اہم نمونہ ہے، لہذا صرف اس کی عوامی نہیں بلکہ اس کی نجی زندگی بھی دیکھنا ضروری ہے۔ محمد کے پاس صرف بیویاں نہیں بلکہ ان کے ساتھ ساتھ بہت ساری داشتہ عورتیں بھی تھیں۔ اس لیے میں ان سب کا حوالہ محمد کی زندگی میں موجود عورتوں کے طور پر دوں گا۔

پہلی عورت

خواتین کو لیکر محمد کی زندگی کو دیکھتے ہیں۔ نبوت کے دعوی سے پہلے محمد نے خدیجہ نامی ایک امیر اور خود مختار خاتون سے شادی کی۔ خدیجہ ایک کامیاب تاجرہ تھی جس نے چالیس سال کی عمر میں محمد سے کہا کہ وہ اس سے شادی کرلے جبکہ محمد کی عمر اس وقت صرف پچیس سال تھی۔ انہوں نے ۵۹۴ء میں شادی کرلی۔ اسلامی ذرائع سے ملنے والی معلومات کے باوجود اگر ہم خدیجہ کی کامیابی اور زندگی کو دیکھیں تو ہمیں اچھی طرح پتا چل جاتا ہے کہ وہ کس قسم کی عورت تھی۔ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خدیجہ اس رشتے میں مضبوط، امیر، بڑی اور زیادہ تر ممکنہ طور پر غالب تھی۔

محمد اس کا شوہر رہا جب تک پچیس سال بعد اس ۶۱۹ء میں اس کی موت واقع نہیں ہوئی۔ محمد اس وقت پچاس کا ہو چکا تھا۔ میں اکثر یہ سوچتا تھا کہ محمد جس نے خدیجہ کی موت کے بعد بہت شادیاں کیں، اس نے اس کی زندگی میں کسی سے شادی کیوں نہیں کی؟ یا جنسی تعلق کیوں نہیں رکھا ہوا تھا؟ (یا رکھا ہوا ہو اور شاید ہم نہ جانتے ہوں) شاید اس لیے کہ اسے یہ خوف ہوگا کہ اگر اس نے ایسا کیا تو وہ اسے طلاق دے دے گی۔

جتنا ہم جانتے ہیں جب تک خدیجہ زندہ رہی محمد اس کے ساتھ وفادار رہا اور اس کی موت کے بعد بھی وہ اس سے اپنی محبت کا اظہار کیا کرتا تھا۔ اتنا کہ اس نے ایک بار عائشہ سے کہا، "میں نے نبی کو کہتے ہوئے سنا کہ، 'عمران کی بیٹی سے شادی کرلو۔ وہ (اس وقت) دنیا کی تمام خواتین میں سب سے بہترین تھی۔ اور خدیجہ واقعی (اس قوم کی) تمام خواتین میں سب سے بہترین ہے۔" (صحیح بخاری)

خدیجہ اسلام قبول کرنے والی پہلی شخص تھیں۔ ایک امکان یہ ہو سکتا ہے کہ محمد واقعی اس سے بہت پیار کرتا ہو اسی لیے اسے اس کے رہتے ہوئے کبھی کسی اور سے شادی کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔

لیکن یہ بات ایک اور سوال کھڑا کرتی ہے: کیا اسے اپنی باقی بیویوں سے اتنا پیار نہیں تھا؟ کیونکہ وہ تب تک نکاح کرتا رہا جب تک کہ وہ مر نہیں گیا؟ دوسرا امکان یہ ہے کہ شاید وہ خدیجہ کو ناراض کرنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا یا شاید وہ اس وقت اپنے آپ کو دوسری خواتین سے شادی کرنے کے قابل نہیں سمجھتا تھا۔ لیکن یہ صاف ظاہر تھا کہ خدیجہ کی وفات نے اس سب پر قابو پا لیا تھا اور اچانک وہ خود کو ایک بہت با اثر مذہبی شخصیت سمجھنے لگا تھا۔ چاہے ان میں سے کوئی بھی امکان ہو کے لیکن وہ اللہ کے رسول کے لیے اچھا نہیں ہے کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب بھی اس کو موقع ملا وہ اپنی خواہشات پوری کرتا گیا۔

دوسری عورت

سعودا بنت زمعہ کے بارے میں زیادہ نہیں لکھا ہوا۔ البتہ الطبرانی کے مطابق وہ محمد کی دوسری بیوی تھیں۔ کچھ مورخین محمد کی شادیوں کے حکم پر متفق نہیں کیونکہ کچھ کا خیال ہے کہ عائشہ محمد کی دوسری بیوی تھی۔ بہر حال، تمام مورخین اس سے متفق ہیں کہ محمد نے اپنی شادی عائشہ سے پہلے سعودا سے کی تھی چونکہ وہ شادی کے لئے کم عمر تھی۔ سعودا ایک لمبی سیاہ فام بیوہ تھی۔ جس سے محمد نے شادی کرنے کو کہا تھا۔ سعودا نے مان لیا اور انہوں نے اپریل یا مئی ۶۲۰ء میں شادی کر لی۔ یہ بات واضح نہیں ہے کیوں اصل میں محمد نے سعودا سے شادی کی کیوں تھی؟ کیونکہ بخاری کے مطابق نہ تو وہ جوان تھی اور نہ ہی خوب صورت۔ محمد شاید اس بات سے متاثر ہو کر کہ وہ کتنی مشکلات سے گزر کر اسلام قبول کرنے میں کامیاب ہوئی اسے 'انعام' دینا چاہتا تھا۔ کسی بھی صورت میں ایک بیوہ عورت سے شادی کرنا غلط نہیں ہے۔ لیکن دکھ کی بات یہ ہے کہ کچھ عرصہ بعد محمد کی دلچسپی اس میں بالکل ختم ہو گئی اور عائشہ کی وجہ سے اسے نظر انداز کیا جانے لگا۔

تیسری عورت

خدیجہ کی موت کے بعد ایسا لگتا ہے کہ محمد کی زندگی کا مقصد محض زیادہ سے زیادہ سے شادی کرنا تھا۔ ۶۲۰ عیسوی میں سعودا سے شادی کے بعد اس نے عائشہ بنت ابو بکر سے تقریباً اسی وقت میں شادی کر لی تھی (لیکن عائشہ کی عمر اس وقت صرف ۶ سال تھی)۔ تاہم شادی ۶۲۳ عیسوی تک وہ شادی کو پایہ تکمیل تک نہ پہنچا سکا (یعنی عائشہ کی کم عمری کی وجہ سے اس کے ساتھ مباشرت نہ کر سکا) جب تک عائشہ ۹ سال کی نہیں ہو گئیں۔ عائشہ محمد کی سب سے قریبی دوست ابو بکر کی بیٹی تھی۔ جسے وہ اپنا بھائی کہا کرتا تھا۔ کچھ علماء دراصل اس حقیقت سے اتنا شرمندہ ہیں کہ جب محمد عائشہ کے ساتھ سوئے تو وہ ۹ برس کی تھی کہ وہ اس بات سے انکار کر دیتے ہیں۔ لیکن مندرجہ ذیل احادیث جیسی بہت ساری قابل احترام احادیث موجود ہیں جو مسلمان قبول کرتے ہیں:

"محمد کے مدینہ ہجرت کرنے سے تین سال قبل خدیجہ وفات پا گئیں۔ وہ وہاں دو سال رہا اور پھر اس نے عائشہ سے شادی کی جب وہ ۶ سال کی بچی تھی اور جب وہ ۹ برس کی ہوئی تو اس نے اس شادی کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے نبی نے اس سے شادی اس وقت کی جب وہ ۶ سال کی تھی اور اس نے اپنی شادی کو پورا تب کیا جب وہ ۹ سال کی تھیں۔ اور پھر وہ اس کے ساتھ نو سال تک رہیں (یعنی اس کی موت تک)

[عائشہ کا بیان] میں محمد کے سامنے گڑیا کے ساتھ کھیلتی تھی اور میری سہیلیاں بھی میرے ساتھ کھیلتی تھیں۔ جب اللہ کے رسول میرے گھر میں داخل ہوتے تھے تو میری سہیلیاں چھپ جایا کرتی تھیں لیکن

نبی انہیں بلاتے تھے اور کہتے تھے کہ میرے ساتھ کھیلنے کے لیے کہتے تھے۔[گڑیا اور اسی طرح کی تصاویر کے ساتھ کھیلنا ممنوع ہے، لیکن عائشہ کے لئے اس وقت اس کی اجازت تھی کیونکہ وہ چھوٹی بچی تھیں اور ابھی بلوغت تک نہیں پہنچی تھیں]۔

الطبرانی میں اس شادی کی پایہ تکمیل کو مزید تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

"میں دو شاخوں کے درمیان جھولہ لے رہی تھی جب میری والدہ میرے پاس آئیں اور مجھے نیچے لے اتارا۔ جمائمہ، میری دائی نے مجھے سنبھالا اور پانی سے میرا چہرہ صاف کیا اور مجھے اپنے ساتھ لے گئی۔ جب ہم دروازے پر پہنچے تو وہ رک گئی تاکہ میں اپنی سانسیں بحال کر سکوں۔ پھر مجھے اندر لے جایا گیا۔ جہاں رسول خدا ہمارے گھر میں بستر پر بیٹھے ہوئے تھے۔[میری والدہ] نے مجھے ان کی گود میں بیٹھا دیا اور کہا" یہ آپ کے رشتہ دار ہیں۔ اللہ آپ کو ان سے اور آپکو ان سے نوازے!" پھر مرد اور خواتین اٹھ کر چلے گئے۔ اور خدا کے رسول نے اپنی شادی میرے ساتھ میرے گھر میں پوری کی جس وقت میں ۹ سال کی تھی۔"

میں اس لڑکی کی جگہ ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ کیا کوئی تصور کر سکتا ہے کہ وہ اپنے گھر میں ایک ۵۳ سالہ آدمی کو بلائے اور اسے اپنی ۹ سالہ بیٹی کے ساتھ مباشرت کرنے دے؟ کچھ مسلمان ان احادیث پر متنازعہ ہیں اور ان تمام قابل احترام ذرائع جیسے کہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابو داؤد، النساء وغیرہ سب کو جھٹلاتے ہیں۔ تاہم جب دوسرے غیر متنازعہ عنوانات کی بات کی جائے، تو وہ ان ذرائع سے بالکل صحیح مانتے ہیں۔ مجھے لگتا ہے کہ یہ مسلمانوں اور مسلمان علماء کی سراسر منافقت ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ جب محمد نے عائشہ سے شادی کی تو وہ چھ سال کی تھی اور کب وہ اس کے ساتھ سویا تب وہ نو سال کی تھی۔ آج کل کے دور میں اسے ایک نہایت ہی گھناؤنا اور جیل میں ڈال دینے کے قابل فعل سمجھا جائے گا۔ عائشہ کی شادی محمد سے اس کی موت تک رہی جب وہ ۱۸ سال کی تھی۔

چوتھی عورت

عائشہ کے ساتھ شادی کے دو سال بعد محمد نے ان کے دوسرے بہترین دوست عمر کی بیٹی حفصہ بنت عمر سے جنوری یا فروری ۶۲۵ عیسوی میں شادی کی۔ حفصہ نے قرآن حفظ کیا ہوا تھا، جسے بعد میں جب عثمان خلیفہ بنے تو ایک کتاب کی شکل دے دی گئی۔ حفصہ نومبر ۶۶۵ عیسوی میں انتقال کر گئیں۔

پانچویں عورت

محمد کی پانچویں بیوی زینب بنت خوزائمہ تھیں۔ جو غریبوں کی ماں کے نام سے بھی مشہور تھیں۔ محمد نے اس کے بعد فروری ۶۲۵ عیسوی میں اس سے شادی کی جب ۶۲۴ء میں اس کا شوہر جنگ بدر میں مارا گیا۔ ہم زینب کے بارے میں زیادہ نہیں جانتے کیونکہ یہ محمد سے شادی کے فوراً بعد ہی دم توڑ گئیں تھیں۔ اس نے ایک بار اپنے آٹے کا

آخری حصہ ایک بھکاری کو دے دیا تھا اور خود وہ رات بغیر کھانا کھائے گزاری۔ اس طرح انھیں "غریبوں کی ماں" کا خطاب ملا۔ محمد اس کی سخاوت سے متاثر ہوا اور اس سے فوراً شادی کر لی۔ زینب کا انتقال یا ۶۲۵ یا ۶۲ عیسوی میں ہوا۔

چھٹی عورت

زینب سے شادی کے بعد محمد نے اپریل ۶۲۵ء میں ہند بنت ابی امیہ سے شادی کی۔ زینب کی موت کے باوجود محمد کے سست ہونے کے کوئی آثار دکھائی نہیں دیے۔ ہند ایک خوبصورت بیوہ تھی جس کے چار جوان بچے تھے۔ اس کا شوہر مارچ ۶۲۵ء کو غزوہِ احد میں مارا گیا تھا۔ اس کے شوہر کی موت کے بعد عمر اور ابو بکر دونوں نے اس کو شادی کرنے کی پیشکش کی تھی، لیکن اس نے انکار کر دیا۔ یہ کہہ کر کے لوگوں کی پسندیدہ اور ایک قابل احترام عورت ہے۔ جب محمد نے اسے شادی کی پیشکش کی تو اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا، "کہ اسے محمد کی دوسری بیویوں سے حسد ہو گی۔" محمد اس کو شادی کے لیے راضی کرنے میں کامیاب رہا اور انہوں نے ۶۲۶ء میں شادی کر لی۔ شیعہ عقیدہ کے مطابق خدیجہ کے بعد ہند محمد کی سب سے اہم بیوی سمجھی جاتی ہے۔ ہند کی موت کی اصل تاریخ متنازعہ ہے۔ البتہ ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ ۸۵ سال کی عمر میں تقریباً ۶۸۶ء کے آس پاس فوت ہوئی۔ وہ محمد کی آخری بچی ہوئی بیویوں میں سے ایک تھی۔

ساتویں عورت

محمد کی زندگی کی ساتویں عورت غازیہ بنت جابر تھی۔ غازیہ بیوہ تھی اور اس کا ایک بیٹا تھا جس کا نام شارق تھا۔ اس نے محمد کو شادی کی پیشکش کی اور اس نے ۶۲۶ء میں قبول کر لی۔ لیکن جب محمد نے اسے دیکھا تو محمد کو لگا کہ وہ بوڑھی ہے اور محمد نے اسے فوراً طلاق دے دی۔ غازیہ نے دوبارہ کبھی شادی نہیں کی۔

آٹھویں عورت

یہ محمد کی اب تک کی شادیوں میں سب سے متنازعہ شادی ہے۔ زینب بنت جاش محمد کے منہ بولے بیٹے زید بنت حارثہ کی بیوی تھی۔ آیئے الطبرانی میں موجود اس مثال کو دیکھتے ہیں:

"ایک دن خدا کے رسول زید کو ڈھونڈنے نکلے۔ زید کے دروازے پر چھال کا بنا ہوا پردہ پڑا ہوا تھا، لیکن ہوا سے پردہ اڑا تو چوکھٹ کھل گئی۔ اور زینب وہاں اپنے کمرے میں نیم برہنہ موجود تھی۔ یہ دیکھنے کے بعد نبی کے دل میں اس کے لیے تعریف جاگی۔ اس واقعے کے بعد وہ نبی کے علاوہ ہر دوسرے آدمی پر حرام ہو گئی۔"

زینب کو نیم برہنہ دیکھنے کے بعد محمد نے زینب نے کو خود سے سرگوشی کرتے ہوئے سنا:

"اس اللہ کا شکر ہے, جو دلوں کو موڑ دیتا ہے۔"

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ محمد نے زینب کو اس کے شوہر کی غیر موجودگی میں نیم برہنہ دیکھنے کے بعد انتہائی پر کشش پایا۔ ایک اچھے بیٹے ہونے کی حیثیت سے زید نے محمد کا سامنا کیا اور کہا اگر وہ اپ کو پسند ہے تو میں اسے طلاق دے دیتا ہوں۔ محمد نے اسے کہا، "اپنی بیوی اپنے پاس رکھو۔"

ظاہر ہے محمد نے اسے صرف یہ کہا کہ اسے اس کی بیوی پسند آئی۔ "لیکن وہ اسے اس کے حوالے کرنے کی فکر نہ کرے۔" کیونکہ دوسرے واقعات کی طرح بڑی سہولت سے ایک آیت آئی:

"(یاد کرو) جب کہ تو اس شخص سے کہہ رہا تھا جس پر اللہ نے بھی انعام کیا اور تو نے بھی کہ تو اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھ اور اللہ سے ڈر اور تو اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھا جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور تو لوگوں سے خوف کھاتا تھا، حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ حق دار تھا کہ تو اس سے ڈرے، پس جب کہ زید نے اس عورت سے اپنی غرض پوری کر لی ہم نے اسے تیرے نکاح میں دے دیا تا کہ مسلمانوں پر اپنے لے پالکوں کی بیویوں کے بارے میں کسی طرح کی تنگی نہ رہے جب کہ وہ اپنی غرض ان سے پوری کر لیں، اللہ کا (یہ) حکم تو ہو کر ہی رہنے والا تھا۔" (قرآن ۳۳:۳۷)

کتنی عجیب وغریب بات ہے کہ خواتین کے ساتھ کس طرح مسلسل اشیاء کی طرح برتاؤ کیا جا رہا ہے۔ یہ آیت یہ کہتی ہے کہ اگر آپ کے منہ بولے بیٹے کو اپنی بیوی کی ضرورت نہیں رہی تو وہ اسے اپنے باپ کو دے دے۔ یہ کہنا بالکل ایسا ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ، "مجھے اب اس جوتے کی ضرورت نہیں رہی، یہ آپ رکھ لیں!"

اسی طرح کی ایک اور آیت (۳۳:۵۱) بھی قرآن میں موجود ہے۔ جہاں اللہ محمد کو کہتا ہے کہ ہے وہ جس عورت کے ساتھ چاہے سو سکتا ہے۔ جیسا کہ ایک بار عائشہ نے کہا:

"مجھے لگتا ہے کہ تمہارے رب کو تمہاری خواہشات پورا کرنے کی بہت جلدی رہتی ہے۔"

بس جب محمد کو الہامی اجازت مل گئی تو پھر محمد نے ۶۲۶ء میں زینب سے شادی کر لی۔ لہذا مندرجہ ذیل میں پوری قسط کا تنقیدی جائزہ موجود ہے:

۱۔ محمد اپنی بہو کو دیکھتا اور اسے کشش محسوس ہوتی ہے۔

۲۔ وہ جانتا تھا کہ لوگ اسے قبول نہیں کریں گے، لہذا وہ اپنی بہو سے شادی کرنے کے لئے گود لینے کے پورے عمل، جس سے ہزاروں سالوں سے انسانیت کو مدد ملتی آئی ہے، اس کی جڑیں کاٹتے ہوئے، ایک آیت بناتا ہے۔ جس میں اپنی بہو سے شادی کرنے کو جائز قرار دیا جاتا ہے۔

یہ پوری قسط مسلمانوں کے لئے شرمندگی کا باعث ہے۔ زیادہ تر مسلمان اس کہانی کو نہیں جانتے، لیکن جو علماء جانتے ہیں وہ مختلف بہانے بناتے ہیں۔ سب سے زیادہ عام عذر ان میں سے یہ ہے کہ وہاں محمد کو یہ نقطہ بیان کرنا تھا کہ آپ کے منہ بولے یا لے پالک بیٹے آپ کے حقیقی بیٹوں کی طرح نہیں ہیں، لہذا ان کی بیویاں آپ کی بہو وین نہیں ہوتیں۔ اگر آپ یہ نقطہ نظر کو بیان کرنا چاہتے تھے، تو صرف نقطہ بتاتے! اپنے آپ کو انعام دینے کے لئے اس کے ساتھ مباشرت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا محمد صرف یہ نہیں کہہ سکتا تھا؟ "آپ کے لے پالک بیٹے آپ کے حقیقی بیٹے نہیں ہیں۔"

نویں عورت

زنیب سے شادی کے بعد چیزوں نے ایک نیا موڑ لیا۔ محمد اور بھی زیادہ بے حیا ہو گیا۔ شاید اس کے بعد اسے سمجھ آ گیا کہ وہ ایک آیت بنا کر جو چاہے کر سکتا ہے۔ وہ ایسا کرتا گیا اور کبھی کسی نے کوئی مخالفت نہیں کی۔ زینب سے شادی کے صرف دو ماہ بعد وہ ایک اور عورت، ریحانہ بنت زید ابن امر کو اپنی زندگی میں لے آیا۔ ریحانہ کی کہانی بہت افسوسناک ہے۔ محمد نے اس کے پورے قبیلے بنو قریضہ میں قتل عام کیا اور ان کو فتح کرنے کے بعد ان میں سے چھ سو سے نو سو افراد جن کی عمر ۱۴ سال یا اس سے اوپر تھی، ان کا سر قلم کر دیا۔ سر قلم کرنے کا معیار یہ تھا کہ جن لڑکوں کے ناف کے نیچے بال ہیں، ان کا سر قلم کر دیا جائے کیونکہ وہ پورے مرد سمجھے جاتے ہیں۔ اس بات سے قطع نظر کہ اس کی بنو قریضہ پر حملہ کرنے کی وجہ کیا تھی، ہم محمد کے ظلم اور جنسی غلامی کی حمایت کرنے کیطرف توجہ مرکوز کرتے ہیں۔ اصل میں یہ ہوا:

۱۔ محمد نے ایک قبیلہ کو فتح کیا۔

۲۔ محمد نے وہاں کی عورتوں کو اپنے اور اپنے دوستوں کی جنسی غلامی کے لئے اٹھا لیا۔

ابھی تک تو یہ سب بالکل داعش کی طرح لگتا ہے۔ ریحانہ کے شوہر کا سر قلم کرنے کے بعد رحیم محمد نے اسے شادی کی پیشکش کی۔ جس پر اس نے اپنے مقتول خاوند کی عزت کے لیے انکار کر دیا۔ اس کے انکار کے بعد محمد نے اسے جنسی غلام کی حیثیت سے رکھ لیا۔

ریحانہ ایک جوان اور خوبصورت عورت تھی اور محمد کو اپنے شکار سے شادی کرنے پر ترس نہیں آیا۔ ریحانہ نے آخر کار ایک غلام کی حیثیت سے زندگی گزارنے سے بھی انکار کر دیا۔ کیونکہ یہ یقینی طور پر محمد کی بیویوں میں سے ایک ہونے سے زیادہ مشکل تھا۔ یہ ہے واضح نہیں ہے کہ انہوں نے کبھی شادی کی تھی یا نہیں۔ تاہم یہ واضح ہے کہ قریضہ فتح کرنے کے بعد محمد نے ریحانہ کو اپنا غلام بنا کر رکھا ہوا تھا۔ چونکہ اللہ نے غلام لڑکیوں کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کرنے کو قانونی بنایا ہوا ہے۔ اس آیت کے مطابق یہ فرض کرنا ٹھیک ہو گا کہ محمد نے اسے جنسی غلام بنا کر رکھا ہوا تھا:

"اور (حرام کی گئیں) شوہر والی عورتیں مگر وہ جو تمہاری ملکیت میں آ جائیں، اللہ تعالیٰ نے یہ احکام تم پر فرض کر دیئے ہیں، اور ان عورتوں کے سوا اور عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئیں کہ اپنے مال کے مہر سے تم ان سے نکاح کرنا چاہو برے کام سے بچنے کے لئے نہ کہ شہوت رانی کرنے کے لئے، اس لئے جن سے تم فائدہ اٹھاؤ انہیں ان کا مقرر کیا ہوا مہر دے دو، اور مہر مقرر ہو جانے کے بعد تم آپس کی رضامندی سے جو طے کر لو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں، بے شک اللہ تعالیٰ علم والا حکمت والا ہے۔"

(قرآن ۴:۲۴)

مندرجہ بالا آیت کی روشنی میں مندرجہ ذیل حدیث پر غور کریں:

"ابو سعید الخذری نے اطلاع کیا کہ، "ہم نے خواتین غلام کو اسیر لیا، اور ہم ان کے ساتھ "ازل" [یعنی منی خارج ہونے سے پہلے عضوِ تناسل کو اندام نہانی کے اندر سے باہر نکال لینے کا عمل] کرنا چاہتے تھے۔ پھر ہم نے اللہ کے رسول سے اس کے بارے میں پوچھا، اور انہوں نے ہم سے کہا، "بے شک تم یہ کرتے ہو، بے شک تم یہ کرتے ہو، بے شک تم یہ کرتے ہو، لیکن جس روح کو قیامت سے پہلے اس دنیا میں آنا ہے، وہ آ کر رہتی ہے۔"

اس حدیث سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ غلاموں کے ساتھ جنسی تعلقات رکھنا اس رحم دل نبی کی نظروں میں کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ نہ صرف یہ کہ محمد کو غلاموں کے ساتھ جنسی تعلقات رکھنا ٹھیک لگتا تھا بلکہ ایسا لگتا ہے کہ اسے ان کی ناجائز اولاد سے بھی کوئی مسئلہ نہیں تھا۔

سلاما بنت الاختو اسے روایت ہے کہ انہوں نے کہا، ہم نے فاضرہ کے خلاف جنگ لڑی اور ابو بکر ہمارا سالار تھا۔ اللہ کے رسول نے اسے مقرر کیا تھا۔ جب ہم دشمن کے پانی سے صرف ایک گھنٹے کے فاصلے پر تھے تو ابو بکر نے ہمیں حملہ کرنے کا حکم دیا۔ ہم نے رات کے آخری پہر میں آرام کرنے کے لئے توقف کیا اور پھر ہم نے ہر طرف سے حملہ کیا اور ان کے پانی پلانے والے مقام پر پہنچ گئے۔ جہاں ایک جنگ لڑی۔ کچھ دشمن مارے گئے اور کچھ کو قیدی لیا گیا۔ میں نے لوگوں کا ایک گروہ دیکھا جس میں خواتین اور بچے بھی شامل تھے۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں وہ مجھ سے پہلے پہاڑ تک نہ پہنچ جائیں اس لیے میں نے ان کے اور پہاڑ کے درمیان تیر مارا۔ جب انہوں نے تیر دیکھا تو وہ رک گئے۔ چنانچہ میں ان کو اپنے ساتھ لے آیا۔ ان میں بنو فاضرہ کی ایک خاتون بھی شامل تھی۔ اس نے چمڑے کا کوٹ پہنا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ اس کی بیٹی بھی تھی، جو عرب کی خوبصورت لڑکیوں میں سے ایک تھی۔ میں نے انہیں ابو بکر کے پاس لے آیا، جس نے مجھے وہ لڑکی انعام کے طور پر دے دی۔ چنانچہ ہم مدینہ پہنچے۔ میں نے اس لڑکی کو اس وقت تک برہنہ نہیں کیا تھا، جب اللہ کے رسول مجھے گلی میں ملے اور کہا، او سلاما، وہ لڑکی مجھے دے دو۔ میں نے کہا، اللہ کے رسول وہ مجھے اچھی لگتی ہے اور میں ابھی تک اسے برہنہ بھی نہیں کیا۔

اگلے دن پھر جب اللہ کے رسول دوبارہ مجھے گلی میں ملے، تو پھر انہوں کہا، او سلاما، وہ لڑکی مجھے دے دو۔ اللہ آپ کے والد کو سلامت رکھے یا رسول اللہ، وہ آپ کے لیے ہے، میں نے کہا۔ اللہ کے رسول! بذریعہ اللہ میں نے ابھی تک اسے بے لباس نہیں کیا ہے۔ اللہ کے رسول نے اسے مکہ بھیج دیا اور اسے تاوان کے طور پر مکہ کے کچھ مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ ان مسلمانوں نے اسے قیدی بنا کر رکھا۔"

اس نوجوان لڑکی کا کہیں اور ذکر نہیں ہے۔

اس سے آپ کو پتا چلتا ہے کہ اسلام میں غلام لڑکیوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا جاتا تھا، اور رحیم محمد کے مطابق آپ عورتوں کو ایسے ایک دوسرے کو لے اور دے سکتے ہو، جیسے وہ کوئی شے ہوں۔

دسویں عورت

محمد کی زندگی میں دسویں عورت جویریہ بنت حارث تھی۔ جویریہ ایک جنگی اسیر تھی اور صرف بیس برس کی تھی جب محمد نے اس کے قبیلے بنو مستلیق کو فتح کیا۔ دو سو خاندانوں کے ساتھ دو سو اونٹ، پانچ ہزار بھیڑ بکریاں، اور گھریلو سامان کی ایک بہت بڑی مقدار بھی مال غنیمت کے طور پر اسیر کی گئی تھی۔ گھریلو سامان نیلامی میں سب سے زیادہ بولی دینے والے کو فروخت کیا گیا۔ ہمیشہ کی طرح محمد نے اسیروں سے کہا، یا تو اسلام قبول کریں یا پھر اس کے غلام بن جائیں۔ جوویریا جس میں محمد کو خصوصی دلچسپی تھی،

ایک سو قیدیوں کو رہا کرنے کے عوض میں محمد سے شادی کرنے کے لئے راضی ہوگئی۔

محمد نے اس بات سے اتفاق کیا اور انہوں نے ۶۲۸ء میں شادی کر لی۔

گیارہویں عورت

یہ محمد کے لئے ایک بہت بڑی فتح تھی کیونکہ رملہ بنت ابوسفیان محمد کے سخت مخالف ابوسفیان کی بیٹی تھی۔ وہ محمد سے متاثر تھی اور اس سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ انہوں نے جولائی ۶۲۸ء میں شادی کی۔ اپنے کے مخالف کی بیٹی سے شادی کرنا سیاسی طور پر ایک زبردست اقدام تھا۔ رملہ ۶۶۴ء میں وفات پا گئی اور وہ اپنی موت تک محمد کی وفادار رہی۔

بارہویں عورت

صفیہ بنت ہو احمد کی زندگی کی بارہویں عورت تھی اور اس کی کہانی ایک اور افسوسناک کہانی ہے۔ صفیہ عرب کے آخری یہودی قبیلے سے تھی اور سردار حیا بن ابن عقب کی بیٹی تھی۔ ۶۲۸ء میں خیبر کے مقام پر اس کے قبیلے کو شکست دینے کے بعد محمد نے اس کے شوہر، کننہ، پر بنو النادر کے خزانے کے بارے میں معلومات نکلوانے کے لیے تشدد کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ مزید مفید نہ رہا تو محمد نے اسے محمد بنت مسلامہ کو دے دیا۔ جس نے اپنے بھائی کا بدلہ لینے کے لئے اُسے کو مار ڈالا۔ محمد نے نہ صرف اس کے شوہر کو بلکہ اس کے والد اور بھائی کو بھی مار ڈالا تھا۔ میں یہاں یہ سوال نہیں کھڑا کر رہا کہ محمد نے کننہ کو مار کر صحیح کیا یا غلط؟ میں جانتا ہوں اگر کننہ محمد کی جگہ ہوتا تو شاید اس نے بھی محمد کے ساتھ ایسا ہی کیا ہوتا۔ یہاں صفیہ کی حالت زار کو سمجھنا ضروری ہے۔ حتیٰ کہ محمد کے محافظوں کو بھی معلوم تھا کہ یہ ایک اشتعال انگیز معاملہ ہے اور یہ عورت محمد کو نقصان پہنچانے کی کوشش کر سکتی ہے۔

"جب نبی صفیہ کے ساتھ اندر لیٹے ہوئے تھے تب ابو ایوب اس رات محمد کے دروازے پر ٹھہرا ہوا تھا۔ جب اس نے صبح ہوتے ہی نبی کو دیکھا تو اس نے کہا، 'خدا سب سے بڑا ہے۔"

اس کے پاس تلوار تھی اور اس نے نبی سے کہا، "اے خدا کے رسول! آپ نے اس کے والد، شوہر اور بھائی کو مار ڈالا، اور اس نے آپ سے شادی کر لی، لہٰذا مجھے اس عورت پر بھروسہ نہیں ہے [یہ آپ کو نقصان نہ پہنچائے]۔ 'نبی ہنسے اور کہا، 'اچھا'۔

آج یہ بات تقریباً ناقابل فہم ہے کہ عورت کسی ایسے مرد سے شادی کر لے جس نے اس کے پورے کنبے کو مار ڈالا ہو اور اس کے شہر پر قبضہ کر لیا ہو، لیکن کسی بھی طرح محمد نے جولائی ۶۲۸ء میں ممکنہ طور پر زبردستی اس سے شادی کر لی۔ یہ داعش کے زیر انتظام علاقوں میں ہو رہا ہے: باپوں اور شوہروں کو صبح مار ڈالو اور شام کو فتح یافتہ خواتین کو غلام بنا لو یا ان سے شادی کر لو اور مسلمان کہتے ہیں کہ داعش اسلام نہیں ہے!

تیرہویں عورت

محمد کی زندگی کی تیرہویں عورت میمونہ بنت الحارث الہلیل تھی اور چونکہ محمد کی خواتین کی فتح کی رفتار کم نہیں ہو رہی تھی، اس لیے اس شادی کے بارے میں زیادہ تنازعہ نہیں ہے۔ انہوں نے ۶۲۹ء میں شادی کی اور میمونہ کا ۶۸۰ء یا ۶۸۱ء میں انتقال ہو گیا۔

چودویں عورت

ماریہ بنت شمون جسے ماریہ القبطیہ کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، مصر کے ایک عیسائی حکمران مقوقس کی ایک قبطی غلام تھی۔ جسے مقوقس نے ۶۲۸ء میں اس کی بہن سائرن اور سونے کے ایک ہزار ٹکڑوں کے ساتھ محمد کو تحفے میں دیا تھا۔ محمد نے اپنی بیویوں کے احتجاج کے باوجود اسے کچھ عرصے تک اپنی داشتہ کے طور پر رکھا۔ یہ ریحانہ (نویں عورت) کے بعد محمد کی دوسری جنسی غلام تھی۔ محمد صاف رنگت والی خوبصورت ماریہ کی تعریف کیا کرتا تھا اور اسے حکم دیا کہ وہ پردہ کیا کرے، لیکن وہ اس کے ساتھ جماع بھی کیا کرتا تھا کیونکہ وہ اس کی جائیداد تھی۔ یہ واضح نہیں ہے کہ کیوں محمد نے اس سے سیدھے شادی نہیں کی یا کیا وجہ تھی۔ جو لوگ اس بات کی دلیل دیتے ہیں کہ محمد نے بعد میں ماریہ سے شادی کر لی تھی وہ اس بات کی وضاحت نہیں کر پاتے کہ کیوں پھر محمد کی دوسری بیویوں کے برعکس ماریہ کو م کی (المومنین) کی حیثیت نہیں دی گئی تھی؟ اس کے بجائے، وہ صرف اُم ابراہیم کہلائی جاتی تھی۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ محمد نے اس سے شادی نہیں کی تھی اور وہ صرف اس کی جنسی غلام تھی۔ محمد کی موت کے پانچ سال بعد ۶۳۷ء میں ماریہ کا انتقال ہوا۔

تاہم دیگر ذرائع ماریہ کے ساتھ ایک مختلف، بدنام معاملہ ظاہر کرتے ہیں۔ جیسے کہ تفسیر الجلالین کے مطابق محمد حفصہ کو دیکھنے کے لئے گئے، لیکن اس نے وہاں اپنی غلام ماریہ القبطیہ کو دیکھ لیا۔ محمد کو وہ خوبصورت لگی اور محمد نے حفصہ کو کہا کہ اس کے والد عمر نے اس کے لئے بلایا ہے۔ جب حفصہ اپنے والد کو دیکھنے کے لئے گئی تو اسے محسوس ہوا کہ اسے نہیں بلایا گیا تھا، لہٰذا وہ جلدی سے اپنے گھر واپس گئی تو اس نے محمد کو ماریہ کے ساتھ بستر میں پایا۔ یہ دیکھ کر حفصہ بہت مشتعل اور اداس ہو گئی، جس پر محمد نے اسے خاموش رہنے کی ہدایت کی۔ لیکن یہ محمد کی بدقسمتی تھی کہ حفصہ نے عائشہ کو بتا دیا۔ محمد کو اس بات پر اتنا غصہ آیا کہ اس نے کہا کہ وہ ان ایک ماہ تک اپنی بیویوں کو سے نہیں ملے گا۔ لیکن ہمیشہ کی طرح محمد کو بچانے کے لئے آ گیا اور بڑی سہولت سے اسے یہ آیت عطا فرمائی:

اے نبی! جس چیز کو اللہ نے آپ کے لیے حلال کر دیا ہے اسے آپ کیوں حرام کرتے ہیں؟ (کیا) آپ اپنی بیویوں کی رضامندی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔" (قرآن ۶۶:۱)

کچھ مسلمان علماء کا دعوی ہے کہ یہ آیت ماریہ کے بارے میں نہیں تھی بلکہ یہ محمد کی شہد کھانے کی عادت کے مطابق تھی جس کی وجہ سے اس کی سانس سے بو آتی تھی۔ یہ عذر انتہائی بیکار ہے کیونکہ سانس کی بو جیسے چھوٹے سے مسئلے کے لئے اللہ مداخلت نہیں کرے گا۔ اس کے علاوہ، آپ شہد کے لئے لفظ "حلال" استعمال نہیں کریں گے۔ محمد نے اس آیت کو ماریہ کے ساتھ اپنی نیند کی توثیق کرنے کے لئے استعمال کیا اور حفصہ اور عائشہ پر نظر ثانی کرنے کے لئے اگلی آیت میں انہیں مزید دھمکایا گیا:

"اور یاد کر جب نبی نے اپنی بعض عورتوں سے ایک پوشیدہ بات کہی، پس جب اس نے اس بات کی خبر کر دی اور اللہ نے اپنے نبی کو اس پر آگاہ کر دیا تو نبی نے تھوڑی سی بات تو بتا دی اور تھوڑی سی ٹال گئے، پھر جب نبی نے اپنی اس بیوی کو یہ بات بتائی تو وہ کہنے لگی اس کی خبر آپ کو کس نے دی۔ کہا سب جاننے والے پوری خبر رکھنے والے اللہ نے مجھے یہ بتلایا ہے۔ (قرآن ۶۶:۳)

کوئی بھی یہ دیکھ سکتا ہے کہ کتنی جلدی اللہ محمد کی جنسی زندگی میں حصہ لیتا ہے۔ یقیناً افریقہ، آسٹریلیا، اور شمالی اور جنوبی امریکہ میں لوگ مر رہے ہوں گے اور مصیبتوں کا شکار ہوں گے، لیکن اربوں کہکشاؤں کے اس خالق کو محمد کی بیویوں کو اس کے جنسی رویے کی وضاحت دینے میں دلچسپی ہے۔

ان ذرائع کے مقابلے جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ماریہ محمد کی بیوی تھی، زیادہ تر ذرائع اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ ماریہ محمد کی داشتہ تھی۔ لیکن کسی بھی طرح یہ عمل آج کے اخلاقی وعدہ انگیز معیار کے مطابق نہیں ہے۔ اگلے تین شادیاں ۶۲۷ء سے ۶۲۹ء کے درمیان میں ہوئیں کیونکہ ان کی تاریخ واضح نہیں ہے۔

پندرہویں خاتون

محمد کی زندگی میں آنے والی پندرہویں خاتون خولہ بنت حدا تھی اور انہوں نے ۶۲۷ء یا ۶۲۹ء میں شادی کی تھی۔ البتہ خولہ شادی مکمل ہونے سے پہلے مر ہی گئی تھی۔

سولہویں عورت

محمد کی زندگی میں سولہویں عورت شرف بنت خلیفہ تھی۔ یہ بھی شادی مکمل ہونے سے پہلے ہہ مر گئی تھی۔

سترویں عورت

اگلی عورت ثناء النشات بنت رفیعہ (اسما) تھی۔ یہ بھی شادی پوری ہونے سے پہلے ہی مر گئی تھی۔

اٹھارویں عورت

جندہ کی داماری بنت ابن جندب کے بارے میں زیادہ کوئی نہیں جانتا ہے سوائے اس کے کہ محمد نے اس سے شادی کی لیکن جلد ہی اس کو طلاق دے دی۔ ہم نہیں جانتے کہ یہ شادی پوری ہوئی تھی یا نہیں۔

انیسویں عورت

محمد کی زندگی میں آنے والی اگلی خاتون ملایئکا بنت کعب تھی۔ انہوں نے ۶۳۰ء میں شادی کی اور وہ اپنی موت تک شادی اس سے شدہ رہی۔

بیسویں عورت

محمد نے فاطمہ العالیہ سے مارچ ۶۳۰ء کو شادی کی تھی۔ محمد کی بیویوں نے اسے بتایا کہ یہ مسجد میں مردوں کو جھانکتی ہے۔ محمد نے ان پر یقین نہیں کیا، لیکن جب انہوں نے اسے دکھایا تو محمد نے فوری طور پر اسے طلاق دے دی۔

اکیسویں عورت

محمد کی زندگی کی اگلی عورت اسما بنت النعمان تھی اور انہوں نے جون یا جولائی ۶۳۰ء میں شادی کی تھی۔ ایک عورت نے اسما سے فریب سے یہ کہلوایا کہ، "میں تم سے اللہ کی پناہ چاہتی ہوں"۔ یہ سننے کے بعد محمد نے اس کو طلاق دے دی۔

بائیسویں عورت

بائیسویں عورت امرا بنت یزید ہے اور محمد نے اس سے ۶۳۱ء میں شادی کی تھی۔ لیکن جیسے ہی محمد کو یہ معلوم ہوا کہ اس میں کوڑھ کی علامات ظاہر ہو رہی ہیں تو محمد نے اس کے ساتھ اپنی شادی کو پورا کیے بغیر اس طلاق دے دی۔ یہ بہت عجیب سی بات تھی کیونکہ محمد نے اس کو شفا دینے کے لئے اللہ کے ساتھ اپنے خصوصی روابط کا استعمال کیوں نہیں کیا۔

تیئیسویں عورت

محمد سے ۶۳۲ء میں شادی کرنے والی اگلی خاتون الشنبا بنت امر تھی۔ جب یہ گھر میں داخل ہوئی تو محمد کا بیٹا ابراہیم مر گیا۔ جس پر اس نے کہا، 'اگر تم نبی ہوتے، تو جو شخص تمہیں سب سے زیادہ عزیز ہوتا وہ کبھی نہ مرتا۔' محمد نے اس تبصرے کی وجہ سے اسے طلاق دے دی۔ اگر آپ اس بارے میں سوچیں تو یہ ایک خوبصورت بالکل درست تبصرہ تھا۔

چوبیسویں عورت

قوتیلا (حبلہ) بنت قیس سے محمد نے ۶ مئی ۶۳۲ء میں شادی کی تھی۔ لیکن اس کے مدینہ آنے سے پہلے محمد مر گیا۔ یہ خبر سنتے ہی وہ فوراً مُرتد ہو گئی اور اس نے ایک عربی سربراہ سے شادی کر لی۔

ابھی بھی کم سے کم دو اور داشتہ ہیں جن کی محمد کی زندگی میں موجودگی کی اطلاع ہے، لیکن معتبر ثبوت کی کمی کی وجہ سے میں ان پر بات نہیں کروں گا۔

ہم یہ دیکھ سکتے ہیں کہ جیسے جیسے محمد زیادہ سے زیادہ اثر انداز ہوتا گیا، ویسے ہی آہستہ آہستہ اس کا عورت بازی کی طرف رجحان بڑھتا گیا۔ جب وہ ایک عام آدمی تھا، تو وہ صرف ایک بیوی کو حاصل کرنے میں کامیاب رہا، لیکن اپنی زندگی کے اختتام تک پہنچنے تک جس طرح سے اس کے پیروکاروں کی تعداد بڑھتی گئی، اُسی طرح اس کی بیویوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نبوت کے اس دعوے کے پیچھے محمد کے ذاتی عزائم کے تھے۔ ۶۲۶ء کے بعد ۶۳۲ء میں اپنی موت تک وہ مزید ۱۷ بیویاں حاصل کرنے میں کامیاب رہا، ہر سال اوسطاً ۲.۸۳ نئی خواتین۔ اس سے تو ہیو ہیفنر بھی شرمندہ ہو جائے۔

ظالم

محمد کا رویہ ایک جنگجو اور بادشاہ کی طرح کا تھا۔ جو اس پر یقین نہیں کرتا تھا، اسے مار دیا جاتا تھا۔ اگرچہ قرآن میں ایسی کوئی آیت براہ راست موجود نہیں ہے، جس میں مرتد کے لئے موت کا حکم دیا گیا ہو، لیکن ہمارے پاس مختلف احادیث ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ محمد چاہتا تھا کہ اسلام چھوڑنے والے کو بھی موت کی سزا دی جائے۔

"کچھ زنادقیہ [ملحدین] کو علی کے پاس لایا گیا، اس نے انہیں جلا دیا۔ اس واقعہ کی خبر ابن عباس کو پہنچی، جس نے کہا، 'اگر میں اس کی جگہ ہوتا تو میں ان کو جلاتا نہیں۔ جیسے کہ اللہ کے رسول نے منع کیا اور کہا،" اللہ کے عذاب [آگ] کے ساتھ کسی کو سزا نہ دو۔" میں ان کو اللہ کے رسول کے بیان کے مطابق مار دیتا۔ جیسا کہ وہ کہتے ہیں کہ، "جو بھی اپنا اسلامی مذہب بدلے، اسے مار ڈالو۔"

ہمارے پاس اس بات کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے کہ محمد نے کسی کو ارتداد کے جرم میں موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ البتہ اس حدیث کا حوالہ دے کر آج کل مسلمان قائدین مرتدین کو قتل کرنے کا جواز پیش کرتے ہیں۔

فرقے کا رہنما

تمام مذاہب بنیادی طور پر فرقے ہیں۔ صرف اس نظریے کو لیکر صارفین کی تعداد اپنی حیثیت کا تعین کرتی ہے کہ یہ مذہب ہے یا فرقے کے طور پر کام کرتا ہے۔ محمد نے ایک فرقے کے رہنما کی طرح برتاؤ کیا۔ جیسا کہ اوپر دکھایا گیا ہے، اس نے ۱۰۰ فیصد وفاداری کا مطالبہ کیا، بہت سی خواتین کی صحبت سے لطف اندوز ہوا اور اقتدار کی

تلاش میں رہا۔ صرف یہ تین خصوصیات محمد کی زندگی کا احاطہ نہیں کرتیں بلکہ مندرجہ ذیل حدیث سے ہمیں پتا چلتا ہے کہ محمد شدید چاپلوسی سے بھی بہت لطف اندوز ہوتا تھا:

"نبی کریم کے پاس ایک لکڑی کا پیالہ تھا، جس میں وہ پیشاب کرتا تھا۔ جو اس کے بستر کے نیچے رکھا ہوتا تھا۔ ایک رات اس نے اس کی تلاش کیا لیکن وہ نہیں ملا تو اس نے پوچھا کہ وہ پیالہ کہاں ہے؟ گھر والوں نے جواب دیا، بررہ، ام سلامہ کی لونڈی نے وہ پی لیا۔ تو نبی نے جواب دیا، یقیناً اس نے خود کو آگ کی ایک بڑی سی دیوار سے بچا لیا ہے!"

یہ سچ ہے کہ اس مثال میں محمد کا اس لونڈی کے اس عمل پر کوئی اختیار نہیں تھا، لیکن اسے اپنے ردعمل پر تو اختیار تھا۔ اس نے لوگوں کو یقین دلایا کہ اس کا پیشاب اتنا طاقتور ہے کہ اسے پینے سے
مستقبل میں پیٹ کا درد ہمیشہ کے لئے ٹھیک ہو جائے گا۔ ہم نے دیکھا ہے کہ فرقے کے رہنما بالکل ایسا ہی رہنما برتاؤ کرتے ہیں۔ وہ شخصیت کا ایک فرقہ پیدا کرتے ہیں، جس میں ان کے بارے میں ہر بات بہت خاص بات ہوتی ہے۔ کچھ مسلمان علماء اس حدیث کی صداقت سے متفق نہیں ہیں۔ لہذا میں یہ قارئین پر چھوڑتا ہوں کہ وہ اسے حقیقت یا من گھڑت افسانے کے طور پر قبول کرتے ہیں۔ لیکن ابھی سے اپنی ذہن سازی مت کریں کیوں کہ کچھ مزید اسی طرح کے طرز عمل کو ظاہر کرنے والی احادیث موجود ہیں:

"اللہ کے رسول اپنے گھر میں نماز پڑھتے تھے اور اسے لمبا کر دیتے تھے۔ ایک بار انہوں نے کنویں میں پیشاب کیا جو گھر کے اندر واقع تھا۔ انس نے کہا، پورے مدینہ منورہ میں ایسا کوئی کنواں نہیں ہے جس کا ذائقہ اس سے زیادہ ٹھنڈا اور میٹھا ہو۔' انہوں نے کہا، جب صحابہ میرے گھر آتے ہیں تو میں اس کنویں کے میٹھے پانی سے ان کی خدمت کرتا ہوں۔ جہلیہ کے دور میں یہ البرود، 'ٹھنڈے کنویں' کے نام سے جانا جاتا تھا۔"

مجھے حیرت ہے کہ اس نے کنویں میں پیشاب کیوں کیا؟ ویسے یہ ایک عجیب مردانہ فطرت ہے کہ کبھی کبھی ہمارے پاس بیت الخلاء تک رسائی ہوتی ہے لیکن ہم اس کے بجائے دیوار کے اوپر پیشاب کرنے کا انتخاب کرتے ہیں، خاص کر جب کوئی دیکھ نہ رہا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ محمد کو بھی یہی محسوس ہوا ہو جس نے اسے کنویں میں پیشاب کرنے کے لئے مجبور کیا ہو۔ کسی بھی طرح محمد کے پیروکار کہنا تھا کہ (یا تو وہم یا چاپلوسی میں) کہ جب سے محمد نے اس کنویں میں پیشاب کیا ہے اس کا پانی ٹھنڈا اور میٹھا ہو گیا ہے۔

کچھ مسلمان دعویٰ کرتے ہیں کہ محمد کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ لوگ اس کا پیشاب پی رہے ہیں۔ اس صورت میں، کیا اللہ محمد پر وحی نہیں بھیج سکتا تھا؟ کیونکہ وہ تو اس سے بھی کہیں زیادہ معمولی معاملات پر وحی بھیج دیا کرتا تھا۔

چاہے محمد کو اپنے پیشاب کی جادوئی طاقتوں کے بارے میں پتہ تھا یا نہیں، لیکن وہ اپنے لعاب کی "خصوصی طاقتوں" کے بارے میں یقینی طور پر جانتا تھا۔ بخاری کی مندرجہ ذیل احادیث جو صحیح مانی جاتی ہیں ان پر غور کریں:

"خدا کی قسم اگر وہ تھوکتا تو تھوک ان کے ہاتھوں میں آجاتا، ان میں سے کسی ایک کہ [یعنی نبی کے ساتھیوں کے] اور وہ اسے اپنے چہرے اور جلد پر رگڑ لیتے تھے۔"

"پھر نبی نے ایک پانی پینے کا پیالہ منگوایا اور اس میں اپنے ہاتھ اور چہرے کو دھویا اور پھر اس میں سے ایک مٹھی پانی لی اور اس میں پھینک دیا، اور ہم سے کہا کہ اسے پیئو اور اپنے چہروں اور سینوں پر ڈال لو۔ یہ تمہیں ہمیشہ خوس رکھے گا۔"

"نبی عبداللہ بن عبی کی تدفین کے بعد قبرستان آئے۔ لاش کو دوبارا اوپر لایا گیا اور پھر نبی نے اس کے جسم پر تھوکا اور اسے اپنی قمیض میں پہنادی۔"

"محمد کے وضو کرنے کے بعد باقی کا پانی لوگوں نے لے لیا اور انہوں نے اسے اپنے جسموں پر ملنا شروع کر دیا (ایک بابرکت چیز سمجھ کر)۔"

ان تمام احادیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ محمد اپنی شخصیت کا ایک فرقہ بنا رہا تھا۔ اس نے ایک انوکھا انسان ہونے کا دعوی کیا جس کے پیشاب اور تھوک کے اندر خفیہ خصوصی طاقتیں تھیں، جسے ظاہر ہے کہ س زمانے میں پرکھا نہیں جا سکتا تھا۔

محمد کی وفات

۶۲۹ء میں خیبر کی فتح کے بعد ایک یہودی خاتون زینب بنت ال ہیرت نے اسے زہر آلود گوشت کھلا دیا۔ بشر بنت البرس اس وقت محمد کے ساتھ تھا۔ تاہم، اس نے تو وہ کھانا نگل لیا، لیکن محمد نے منہ سے نکال کر پھینک دیا اور کہا، "یہ ہڈی مجھے آگاہ کرتی ہے کہ اس میں زہر ہے۔" آپ کے واقعی دلچسپ اس کی عقل کی تعریف کرنی چاہیئے جس طرح کی وہ باتیں کرتا ہے۔

محمد نے کیوں وہ ہڈی نہیں نگلی یہ بات واضح نہیں ہے لیکن جہاں تک ہم سب جانتے ہیں، ہڈیاں بولتی نہیں ہیں۔ شاید اس نے ذائقے میں کوئی فرق محسوس کیا ہو یا اسے شاید زینب پر شک ہو۔ اس بات کو نظر انداز کرتے ہوئے، محمد نے زینب کو بلایا اور اس نے اعتراف کیا۔ جب محمد نے پوچھا، کیا وجہ تھی جو تم نے یہ کیا؟ اس نے کہا، آپ نے جس طرح میرے لوگوں کو تکلیف دی ہے وہ آپ سے پوشیدہ تو نہیں ہے۔ میں نے سوچا اگر آپ نبی ہوئے تو آپ کو آگاہ کر دیا جائے گا، اور

اگر بادشاہ ہوئے تو ہمیں آپ سے چھٹکارا مل جائے گا۔

تین سال بعد ۸ جون ۶۳۲ء کو محمد کا انتقال ہو گیا۔ محمد کی موت کی وجہ نامعلوم ہے۔ یہ امکان نہیں ہے کہ محمد کی موت اس زہر کی وجہ سے ہوئی چونکہ زہر اثر کرنے میں تین سال لگنا کافی عجیب ہے۔ تاہم کچھ مورخین کا کہنا ہے کہ اس زہر نے اس کے مدافعتی نظام کو کمزور کر دیا تھا، جو آخر کار اسکی موت کا سبب بنا۔ محمد کی عمر ۶۲ سال کا تھا۔

میں مسلمانوں کو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ محمد صرف اپنے وقت کی ایک پیداوار تھا اور اس وقت کا کوئی بھی جنگجو اسی طرح کی حرکتیں کرتا: "میری پیروی کرو یا اپنی جان سے جاؤ!" حالانکہ اگر آج کوئی آدمی خدائی کا دعویٰ کرے اور کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے، یا میں اللہ کا پیغام پھیلا رہا ہوں تو شاید آپ اسے پاگل یا سراسر جھوٹا سمجھیں گے۔ علاوہ ازیں اگر آپ یہ سنیں کہ وہ ہمسائیہ شہروں اور علاقوں کو لوگوں کے سر قلم کر کر کے فتح کر رہا ہے تو آپ اسے ایک ظالم جنگجو کہیں گے۔ اگر آپ کو یہ پتا چلے کہ وہ پہلے

مردوں کو مار دیتا ہے پھر ان کی عورتوں سے شادی کر لیتا ہے تو آپ اسے ایک نفسیاتی زیادہ کرنے والا انسان کہیں گے۔ کوئی بھی صحیح العقل انسان ایسے شخص کو صحیح نہیں کہے گا۔ تخیل کی کوئی حد اسے ایک اچھا انسان نہیں کہہ سکتی ہے۔ بہت سارے مسلمان داعش کو وحشی اور برا کہتے ہیں۔ حالانکہ وہ بالکل وہی کر رہے ہیں جو محمد کرتا تھا۔ جیسے کہ غلام اور جنسی غلام رکھنا، لوگوں کے ہاتھ کاٹ دینا اور زانیوں کو سنگسار کر دینا۔ اگر محمد پہلے چار خلفاء کے وقت تک زندہ رہتا تو محمد اور بھی زیادہ قتل وغارت کرتا اور مزید لوگوں کے سر قلم کرتا، کیونکہ اسلام کی فتح ان کے دور میں اس کے اپنے وقت کے مقابلے میں نمایاں حد تک بڑھ گئی تھی۔ محمد آج کے دور کے اخلاقی معیارات کے مطابق ایک "اچھا" انسان کہلانے کے بھی لائق نہیں ہے اور مسلمان اس کے ایک "کامل" انسان کو ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

باب نمبر ۶: اخلاقیات

"کیا آپ واقعی اچھا بننے کی کوشش صرف خدا کی خوشنودی اور انعام حاصل کرنے کے لئے کرتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو یہ اخلاقیات نہیں ہے، یہ مطلب پرستی ہے۔~رچرڈ ڈاکنز

مذہب کے محافظوں کے پسندیدہ سوالات میں سے ایک سوال کچھ اس طرح کا ہے: اگر آپ خدا سے دور ہو جائیں تو پھر آپ کو اخلاقیات کہاں سے ملے گی؟

اس کا جواب بہت آسان ہے: اخلاقیات کسی خدا کی طرف سے نہیں آتی ہے، وہ انسانی ذہن سے آتی ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہیں۔ اس کے لئے ہمارے پاس ایک اصطلاح، اخلاقی "رُوحِ عَصر" (فِکر و اِحساس کا وہ عُمومی رُجحان جو کسی خاص زَمانہ عہد سے مَخصُوص ہو) بھی موجود ہے۔ یا بطور پروفیسر رچرڈ ڈاکنز اسے "بدلتی ہوئی اخلاقی روح عصر" بھی کہتے ہیں۔ روح عصر لفظ کی اصطلاح سب سے پہلے ایک جرمنی فلسفی جارج ہیگل نے کی تھی۔ آکسفورڈ کی لغت کے مطابق روح عصر "تاریخ کا ایک ایسا بیان کردہ جذبہ یا مزاج ہے جو وقت کے نظریات اور عقائد کے ساتھ بدلتا رہتا ہے"۔ مثال کے طور پر اب تک کی ریکارڈ کی گئی تمام تر انسانی تاریخ کے مطابق غلامی دنیا کی بیشتر تہذیبوں میں روح عصر کا حصہ تھی۔ البتہ پروفیسر ڈاکنز کی بدلتی ہوئی اخلاقی روح عصر کے مطابق ہم دیکھ سکتے ہیں کہ کس طرح انیسویں اور بیسویں صدی میں تقریباً ہر کسی نے اجتماعی طور پر غلامی کو رد کر دیا گیا، جبکہ تمام بڑے مذاہب نے اس سے چشم پوشی کی ہوئی تھی۔

ایک مقبول ثقافت کے مطابق امریکیوں کا خیال ہے کہ ابراہم لنکن وہ پہلا شخص تھا جس نے غلامی کے خلاف آواز اٹھائی، لیکن ابراہم لنکن سے دو سال پہلے زار الیگزنڈر دوم نے ۱۸۶۱ میں روس کے غلاموں کو آزاد کرنے کے لیے حریت کے اس اعلان پر دستخط کیے تھے کہ۔ اس سے پہلے بھی فرانسیسی انقلاب کے پیش نظر غلامی کو مکمل طور پر کالعدم قرار دیا گیا تھا۔ البتہ نپولین نے ۱۸۰۲ میں اسے دوبارا بحال کر دیا تھا۔ اٹھارویں صدی کے آخر میں مختلف مغربی ممالک نے غلامی کے خاتمے یا کم از کم بیک وقت اسے کم کرنے کے لئے سرگرم اقدامات کیے۔ یہ ممکن ہے کہ ابراہم لنکن کے جیسے جدید مفکرین نے زار سکندر دوم سے کسی طرح متاثر ہو کر یہ کیا ہو، لیکن قطع نظر، یہ بات صاف واضح ہے کہ دنیا کے دو مختلف حصوں میں اخلاقی روح عصر مستقل بدل رہی تھی۔

انیسویں صدی میں روس ایک پسماندہ معاشرہ تھا اور روسی زاروں نے اپنی معیشت کو برقرار رکھنے کے کسانوں پر ایک مضبوط گرفت برقرار رکھی ہوئی تھی، لیکن اس سب کے باوجود سکندر دوم نے محسوس کیا کہ اب اخلاقی روح عصر کے بدلنے کا وقت آ گیا ہے۔ یہ ایک بدقسمتی کی بات ہے کہ سکندر دوم کو قتل کر دیا گیا اور اس کے جانشین نے زرعی غلاموں کو آزاد کرنے کے عمل کو ختم کر دیا، جس کے نتیجے میں ایک ایسا معاشرہ تشکیل ہوا جس نے بدلتی ہوئی اخلاقی روح عصر کے آگے بڑھنے کے عمل کو مسترد کر دیا۔ کوئی یہ سوچ کر حیران ہو سکتا ہے کہ کیا روس کا اکتوبر انقلاب ہوتا اگر الیگزینڈر سوئم نے اپنے والد کی آزادی پسند پالیسیوں کو جار رکھا ہوتا۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ کی اخلاقی روح عصر بدلی اور ایک سو سال بعد وہ دنیا کی ایسی سب سے بڑی طاقت بن گیا جو پہلے کبھی کسی نے نہیں دیکھی تھی، جبکہ روسی رومانف شاہی سلسلہ اپنے شاہی خاندان کے ساتھ ۱۷ جولائی، ۱۹۱۸ کے قتل عام میں گر گیا۔

کوئی بھی انسان بدلتی ہوئی اخلاقی روح عصر کے حق میں ایک مضبوط مقدمہ بنا سکتا ہے کہ جو معاشرے اسے نہیں اپناتے انہیں لازمی طور پر اُن کے پہلے سے طے شدہ اور ناقابل تبدیل اخلاقیات اور اس سنگین نتائج کے ساتھ علیحدہ کر دیا جاتا ہے، جیسے روس کے اکتوبر کے انقلاب میں ہوا۔ یہ بات یہاں بتانا ضروری ہے کہ الیگزینڈر دوم کا اخلاقی روح عصر کو مسترد کر دینا اکتوبر انقلاب کا واحد سبب نہیں تھا، لیکن یہ یقیناً اس کے چند اسباب میں سے ایک تھا۔ پاکستان کے ایک انتہائی شاندار اور دلکش دانشور، حسن نثار نے متعدد بار مذہب کا دفاع کرنے والے روایت پرستوں سے اس بارے میں بحث کی ہے کہ اگر انہیں اپنے آباؤاجداد کے نقش قدم پر چلنا اتنا پسند ہے تو پھر وہ گاڑیوں کے بجائے گدھا گاڑیوں میں سفر کیوں نہیں کرتے؟ یا جدید ہتھیاروں کی بڑک رکھنے کے بجائے تلواروں سے کیوں نہیں لڑتے؟ اس کا ایک گھسا پٹا جواب جو انہیں ملتا ہے وہ یہ ہے کہ ٹیکنالوجی بدل سکتی ہے، لیکن اخلاقیات نہیں بدلنی چاہیئے۔ بدلتی ہوئی اخلاقی روح عصر سے انکار کرنے والے ان لوگوں کے پاس جو ایک واحد چیز ہے جو انہیں خواتین کو مساوی حقوق نہ دینے، ہم جنس پرستوں کے وقار کو تسلیم نہ کرنے اور یہاں تک کہ جمہوریت کو بھی مسترد کرنے پر مجبور کرتی ہے وہ صرف اور صرف مذہب ہے۔

کوئی بھی یہ دیکھ سکتا ہے کہ کس طرح یہ روایت پسند لوگ باتوں میں سے اپنے مطلب اور کام کی بات نکال لیتے ہیں، یہ اپنے مفادات کے مطابق چیزوں کا انتخاب کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ اپنے مذاہب میں بھی اپنی ضروریات کے مطابق ترمیم کر لیتے ہیں، جیسا کہ میں نے پہلے بھی بتایا تھا۔ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اخلاقیات کے علاوہ سب کچھ بدل سکتا ہے؟ مجھے پورا یقین ہے کہ یہ معزز روایت پسند کہیں گے کہ اپنی بیوی کی ساتھ زیادتی کرنا بالکل درست ہے جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے:

"اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، ایک عورت کے اوپر اس کے خاوند کا حق سب سے زیادہ ہے۔ اس کے اوپر لازم و ملزوم ہے کہ وہ عبادت سے پہلے اپنے شوہر کے کام کرے، اور اگر وہ اسے خود کے آگے ہتھیار ڈالنے کو کہے [یعنی وہ اسے اس کے جماع کرنے کے لیے بلائے] تو اسے انکار نہیں کرنا چاہئیے، چاہے وہ اونٹ کی کاٹھی پر ہی کیوں نہ بیٹھی ہو۔ (سنن ابن ماجہ، ۱۸۵۴)

حالانکہ کچھ مسلمان علماء جیسے کہ (سمیر ابو حمزہ) نے فتوے جاری کیے ہوئے ہیں اور مسلمان مردوں کو یہ باقاعدہ اجازت دی ہوئی ہے کہ اگر وہ چاہیں تو اپنی بیویوں کے ساتھ سے زیادتی کر سکتے ہیں۔ میں مسلمانوں کو ان مولویوں کی پسندیدگی میں زیادہ الجھانا نہیں چاہتا۔ زیادہ تر مسلمان دراصل اچھے اعتدال پسند انسان ہیں، جو ان کو ایک منافق اور برا مسلمان بنا دیتا ہے۔ مجھے نہیں لگتا کہ عمران خان اور دوسرے اعتدال پسند مسلمان مذکورہ بالا مولویوں سے اتفاق کریں گے۔ یہ صرف اپنے مذاہب اور اس کی تعلیمات کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور در حقیقت خود اخلاقی روح عصر کو اپنا لیتے ہیں، لیکن اس کا اعتراف کرنے سے یا تو یہ لاعلم ہیں یا بہت خوفزدہ ہیں۔

یہ دعوی کرنا غلط نہیں ہے کہ انسانیت کی سب سے بڑی روایت "تبدیلی" ہے۔ جب اس کے بارے میں سب سے پہلے سوچا گیا ہو گا تب سے لیکر اب تک بہت کچھ بدل چکا ہے۔ جیسے کہ خط ای میل میں، گھوڑ سواری بہترین گاڑیوں میں، پہاڑی کوے ہوائی ڈاک میں بدل چکے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اگر سب کچھ بدل سکتا ہے، تو پھر اخلاقیات کیوں نہیں؟ وہ لوگ جو اس بدلتی ہوئی اخلاقی روح عصر کی مخالفت کرتے ہیں وہ حقیقت میں اس کے خلاف نہیں ہیں۔ جیسا کہ اوپر استدلال کیا گیا ہے۔ ان میں سے چند سب سے عظیم روایت پسندوں نے خود بھی حقیقت میں اس بدلتی ہوئی اخلاقی روح عصر کو اپنایا ہوا ہے اور یہ اخلاقیات اپنے صحیفوں میں سے نہیں اخذ نہیں کرتے۔ اس سب کے

باوجود اکیسویں صدی میں ہمارے پاس اخلاقی المیے کیوں ہیں؟ بیسویں صدی کے وسط میں تحریکِ نسواں ہی سب سے بڑا اخلاقی المیہ تھا۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے تک (انسانی تہذیب کے پیمانے پر) خواتین کو وہ عزت یا وہ مقام نہیں ملا ہوا تھا جس سے وہ آج لطف اٹھاتی ہیں۔ نیوزی لینڈ پہلا ملک تھا جس نے ۱۸۹۶ میں خواتین کو ووٹ ڈالنے کی اجازت دی اور اپنی اخلاقی روح عصر کو بدلنا شروع کیا، لیکن اس بات کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ خواتین کے مساوی حقوق کے لئے تحریک پوری دنیا میں بیک وقت شروع ہوئی۔ ۱۹۵۵ میں شہری حقوق کی تحریک نے اخلاقی روح عصر کو افریقی امریکیوں کے مساوی حقوق کی طرف تبدیل کرنا شروع کر دیا تھا۔ اگر اس تحریک میں ایک دہائی اور تاخیر ہو جاتی تو کیا براک اوباما امریکہ کے چوالیسویں صدر بن پاتے؟ اخلاقی روح عصر بدلتی رہتی ہے، کیوں اور کیسے ہم نہیں جانتے، لیکن یہ بدلتی رہتی ہے اور انسانی اخلاقیات میں تمام تر ترقی اس کا ثبوت ہے۔

آج ہم بدلتی ہوئی اخلاقی روح عصر کی ایک اور لہر کے درمیان ہیں۔ یہ تحریک (ایل جی بی ٹی) یعنی ہم جنس پرستوں، دو جنس پرستوں اور خواجہ سرا کے معاشرتی حقوق کی ایک تحریک ہے۔ اگرچہ مغربی دنیا میں ہم جنس پرست ووٹ ڈالنے یا انتخابات لڑنے کے حق سے محروم نہیں ہیں، لیکن جب ان کا مقابلہ انہی کے ہم جنس کسی دوسرے افراد (یعنی کسی عام لڑکی یا لڑکے سے جو ہم جنس پرست نہ ہو) کے ساتھ

سے ہوتا ہے، تب ان کے ساتھ امتیازی سلوک کیا جاتا ہے۔ مجھے کتاب کے اس حصے میں ترمیم کرکے اسے دوبارا لکھنا پڑا کیونکہ آسٹریلیا ابھی بھی ان ممالک میں شامل تھا جو ہم جنس پرستوں کی شادیوں کو نہیں مانتا تھا۔ لیکن میں ہم جنس پرست ریفرنڈم کا شکر گزار ہوں جس کی وجہ سے ۹ دسمبر ۲۰۱۷ کو آسٹریلیا میں ہم جنس پرستوں کی شادی کو اب "قانونی" قرار دے دیا گیا ہے۔ آج سے سو سال بعد جب لوگ اس قانونی تبدیلی پر غور کریں گے تو وہ بھی ویسا ہی سوچیں گے، جیسا کہ آج ہم پہلی بار خواتین کے ۱۹۸۶ میں ووٹ ڈالنے والی بات کے بارے میں سوچتے ہیں۔ کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک عورت کو ووٹ ڈالنے کی اجازت کی اجازت نہ ہو؟ یقیناً ۱۸۹۶ میں ایسے لوگ ہوں گے جو خواتین کو یہ حق دینے کی مخالفت کرتے ہوں گے۔ جس طرح آج ہمارے پاس ایسے لوگ ہیں جو ہم جنس پرستوں کی شادی کو تسلیم نہیں کرتے، لیکن جس طرح وہ زن بیزار اب بڑے پیمانے پر غائب ہو چکے ہیں۔ یہ ہم جنس پرستی سے خوفزدہ لوگ بھی ختم ہو جائیں گے۔ یہ بدلتی ہوئی روح عصر کی ایک بہترین مثال ہے۔ جدید مغربی مغربی اور کچھ خوش قسمت مشرقی تہذیبوں میں اب یہی ہو رہا ہے، لیکن بدقسمتی سے مشرق میں اب بھی مذہب خصوصاً اسلام کا غلبہ ہے۔ چین، ہندوستان، اور دور دراز مشرق کے علاوہ تو ہم جنس پرستوں کے ساتھ بڑے پیمانے پر امتیازی سلوک کیا جاتا ہے۔ اس اخلاقی رویے کو بدلنے کی راہ میں صرف مذہب کھڑا ہوا ہے۔

ہم صرف ہم جنس پرستی کا معاملہ لیتے ہیں۔ اس بدلتی ہوئی اخلاقیات کو زیادہ کُھل کر وہ ممالک اپنا رہے ہیں جن میں مذہبی اثر ورسوخ بہت کم ہے، بمقابل ان ممالک کے جن میں ہزاروں سال پہلے کی اخلاقیات مسلط ہے۔ البتہ ان مذہبی ممالک میں قابل ذکر رعایت کے ساتھ سعودی عرب اور ایران، ہزاروں سال پہلے کی اخلاقیات کا استعمال نہیں کرتے۔ یہاں تک کہ سعودی عرب بھی غلامی کی اجازت نہیں دیتا ہے (کم از کم کاغذ پر یہ دنیا کا آخری ملک تھا جس نے ۱۹۶۲ میں غلامی کا خاتمہ کیا تھا) پھر بھی جب ہم جنس پرستوں کے حقوق کو تسلیم کرنے کی بات آتی ہے تو تمام بندوقیں باہر نکل آتی ہیں صرف اس وجہ سے کہ ان کے صحیفے اس کی حمایت نہیں کرتے۔ اگر مسلمان ممالک غلامی کے بارے میں قرآن کو نظر انداز کر سکتے ہیں، تو ہم جنس پرستوں کو اپنانے کے لیے کیوں نہیں کر سکتے؟

کامل اخلاقیات جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔ اخلاقیات کا مطلب ہمیشہ بدلتے رہنا ہوتا ہے۔ ہم نے کانسی کے عہد اور دور جہالت سے یہاں تک بہت لمبا فاصلہ طے کیا ہے۔ یہ تصور کرنا کچھ غلط نہیں ہے کہ تیئیسویں صدی کے لوگوں کی لوگوں کی عام اخلاقیات ہماری آج کی اخلاقیات سے بہت مختلف ہو گی۔ ہم نے غلامی سے نجات صرف ایک صدی پہلے ہی حاصل کی ہے، ہم نے حال ہی میں اعتراف کیا ہے کہ عورتیں مردوں سے کمتر نہیں ہیں اور ہم نے ہم جنس پرستوں کو برابری کے حقوق دینا ابھی شروع کیا ہے۔ ہم نے ابھی صرف غیر ضروری انسانی تکالیف کو دور کرنا شروع کیس ہے۔ ہماری اخلاقیات مسلسل بدلتی رہتی ہے اور اسے اسی طرح ہونا چاہئیے، اگر ہم رک جائیں گے، تو ہم جمود کا شکار ہو جائیں گے اور یہ ہماری ترقی کا عمل بھی رک جائے گا۔

کچھ جدید عقیدت مند لوگ اخلاقیات کے اس سوال کے ارد گرد دھمک والا رقص کرتے ہیں اور مسلسل اس کی بنیاد کو بدل رہے ہیں۔ میں ایک عیسائی مذہبی فرینک ٹوریک کو اپنے ایک لیکچر میں ایک ملحد کیساتھ اخلاقیات کے سوال پر بحث کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ جب ملحد نے کہا کہ ہم فطری طور دوسروں کا بھلا چاہتے ہیں۔ تو ٹوریک اس کے پاس بار بار جاتا اور پوچھتا، "لیکن یہ بے لوث بھلائی کرنے کا جذبہ ہمارے اندر آتا کہاں سے ہے؟ وہ لفظی طور پر ملحد سے پوچھ رہا تھا کہ کون سا ایسا ذرہ ہے ہمارے جسم میں جو ہمیں بتاتا ہے کہ ہمیں دوسروں کو مارنا نہیں چاہئیے بلکہ دوسروں کی دیکھ بھال کرنی چاہئیے۔ میں نہیں جانتا کہ اس ملحد نے اس بات کا جواب دینے کے بجائے یہ کیوں مان لیا کہ ٹوریک کی دلیل زیادہ مضبوط ہے کہ یہ سب خدا کی طرف سے آتا ہے۔ ٹوریک نے اس نوجوان ملحد سے ایک اور سوال پوچھا، کہ کون کہتا ہے کہ "ایک دوسرے کے ساتھ اچھے تعلقات رکھنا" ایک اچھی بات ہے؟

اس کا جواب بہت آسان ہے: کیا اچھا ہے اور کیا برا ہے یہ خیال سوچنے کے عمل سے آتا ہے۔ ایک نوع کے طور پر ہم نے یہ بات سمجھ لی ہے کہ کسی کو قتل کرنا یا زیادتی کرنا ٹھیک نہیں ہے (انجیل اور قرآن کے برعکس جو کچھ خاص حالات میں حقیقت میں قتل اور عصمت دری کی حمایت کرتے ہیں) نینڈرتھل کے لوگوں نے اپنے بیمار اور بوڑھے لوگوں کی دیکھ بھال کی تھی تو کیا اُنہیں ان کا اپنا یسوع مسیح بھی مل گیا تھا؟ نینڈرتھل کے لوگ انسانوں سے صرف چھ ہزار سال پہلے الگ ہوئے، لیکن ہم اس انسانی بھلائی کے جذبے کا مشاہدہ اس سے بہت پہلے ہومونیڈ (یعنی انسان جیسا ایک رکن) جیسے کہ ہومو ایریکٹس (یعنی ناپید انسان جیسی مخلوق) میں کر چکے ہیں۔ ماہرِ رکازیات نے ایک ۷ لاکھ سال پرانے ایک بوڑھے ہومو ایریکٹس کی کھوپڑی دریافت کی جس میں کتے سے مشابہ ایک نوکیلے دانت کے علاوہ اور کوئی دانت نہیں تھا۔ دانتوں کے خانے کھوپڑی میں مکمل طور پر دوبارہ جذب ہو چکے تھے، اور ایسا صرف اس صورت میں ہو سکتا تھا جب وہ اپنے سارے دانت کھو دینے کے بعد بھی زندہ رہتا، اس میں کئی سال لگے ہوں گے۔

تو دانت کی کمی کے باوجود یہ ہومونیڈ واضح طور پر کافی عرصے تک بچا رہا۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے گروہ نے اس کی دیکھ بھال کی ہو گی؟ ہم جانتے ہیں کہ ہومو ایریکٹس سیدھا چلتے تھے، گوشت کھاتے تھے اور پتھر کے بنیادی اوزار استعمال کرتے تھے۔ اس بوڑھے بیمار ہومو ایریکٹس کے لیے دانت کھونے کے بعد زندہ رہنا مکمل طور پر ناممکن تھا، لیکن ہم جانتے ہیں کہ ایسا ہوا، جس کا مطلب ہے کہ ان کی اچھے سے دیکھ بھال کی گئی ہو گی، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بھلائی اس وقت بھی موجود تھی۔ بندر تک جب اپنے ساتھی بندروں کی نگہداشت کرتے ہیں تو اُن میں انسانوں جیسا بھلائی کا جذبہ دکھائی دیتا ہے۔

میں جو نکتہ بیان کرنے کی کوشش کر رہا ہوں وہ یہ ہے کہ ہم اچھے یا دوسروں کی بھلائی چاہنے والے موسیٰ، عیسیٰ، یا محمد کی وجہ سے نہیں ہیں (اگر آپ اچھائی کی تعریف ان نام نہاد نبیوں سے لیتے ہیں تو بھی)۔ ہم ایک دوسرے کے ساتھ اچھے اس لیے ہیں کہ ہماری نوع کی بقاء اسی پر منحصر ہے۔ ہر نوع کا ایک ہی بنیادی مقصد "زندہ رہنا" ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کی دیکھ بھال کر کے، قتل نہ کر کے اور عصمت دری نہ کر کے ہم اس کی بقاء کے امکان میں اضافہ کرتے ہیں۔

میں ایک پاکستانی اداکارہ وینا ملک کی لازمی طور پر تعریف کرنا چاہتا ہوں جس نے ۲۰۱۲ میں مبینہ طور پر "اشتعال انگیز" تصاویر کھنچوا کر جلد ہی دنیا بھر کی توجہ اپنی طرف مبذول کروائی۔ وینا پاکستان میں پیدا ہوئیں اور کچھ پاکستانی فلموں میں کام کرنے کے بعد وہ بالی ووڈ میں کام کرنے ہندوستان چلی گئیں۔ وہ کچھ فلموں میں نظر آئیں اور پھر مشہور حقیقت پر مبنی ٹی وی پروگرام بگ باس میں چلی گئیں۔ وہاں ایک ہندو آدمی کے ساتھ ان کے گھلنے ملنے پر انتہا پسندوں اور نام نہاد اعتدال پسندوں کی جانب سے پورے پاکستانی میڈیا پر ان کی بہت مذمت کی گئی۔ وینا نے شروع میں اس ہندو آدمی کے ساتھ کسی قسم کے تعلقات پر افواہوں کو مسترد کرنے کی کوشش کی، لیکن آخر کار اس نے اپنی آزادی کے لیے آواز بلند کی۔ اس نے دلیل دی کہ اسے اپنی زندگی میں جو بھی پسند ہے اس کا انتخاب کرنے کی اجازت ہونی چاہیئے۔ آج میڈیا کی جانب سے وہ پاکستانی مشہور شخصیات میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ شخصیت سمجھی جاتی ہیں، لیکن جو لوگ تبدیلی لاتے ہیں ان کو اکثر ناپسند کیا جاتا ہے۔ مجھے نہیں لگتا کہ اُس وقت کے لوگوں کو مارٹن لوتھر کنگ جونیئر یا نیلسن مینڈیلا پسند ہوں گے۔

جب مجھے یہ پتا چلتا ہے کہ یہ روایت پسند خواتین کے چھوٹے کپڑے پہننے اور فلمی صنعت میں کام کرنے کو "مغربی روایات" کہہ کر ممنوع قرار دینے والے نظریات کی حمایت کرتے ہیں، تو مجھے بہت غصہ آتا ہے۔ کچھ بہادر انسان جو صرف مغرب میں پیدا ہوئے، ان کے اعمال کا سارا سہرا مغربی تہذیب کو دے دینے کی ان کی ہمت کیسے ہوتی ہے؟ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کا مردوں کیساتھ گھلنا ملنا، چھوٹے کپڑے پہننا یا سیاست کے بارے میں کچھ کہنا مغربی تہذیب میں بھی منظور نہیں کیا جاتا تھا۔ اس کا سہرا کسی تہذیب کو نہیں بلکہ دراصل اُن بہادر انسانوں کو جاتا ہے جنہوں نے اخلاقی روح عصر کو بدلنا شروع کیا۔ میں غلامی اور زن بیزاری کو ختم کرنے کا سہرا اور کسی مغربی حیثیت رکھنے والے کو نہیں دیتا بلکہ میں اسے اخلاقیات کو بدلنے اور اپنے معاشرے کو ایک قابل قبول جگہ بنانے کی جدوجہد کی ایک انسانی روایت کے طور پر دیکھتا ہوں۔

عظیم سائرس، سائرس سیلنڈر میں آج سے کوئی ۲۵۰۰ سال پہلے سیکولر اقدار کو فروغ دینے والا شاید پہلا آدمی تھا جو ایک فارسی تھا۔ جس طرح مغرب میں جب پہلی بار جمہوریت قائم ہوئی تھی تو لوگوں کو اس پر ملکیت نہیں دی گئی تھی، جیسے کہ خواتین کے مساوی حقوق اور دیگر آزادیاں جن سے مغربی شہری آج لطف اندوز ہوتے ہیں، یہ مغربی روایات نہیں ہیں بلکہ انسانی روایات ہیں۔ خواتین کے مساوی حقوق، ہم جنس پرستوں اور دوسری ثقافتی اقلیتیوں کے حقوق کو محض ایک مغربی روایت ہونے کی بناء پر نظر انداز کرنا فقط غیر منطقی ہے۔ نسل انسانی کو مزید تقسیم کرنے کی بجائے ہمیں چاہیئے کہ ہم بہتر اخلاقیات کو اپنائیں، چاہے اس کا اختراع کہیں سے بھی ہوا ہو۔ اگر اجنبی نسل اچانک ہماری دنیا پر قبضہ کرنے آجائے تو وہ یہ کہیں گے کہ، "انسانوں کے پاس ایٹمی ہتھیار ہیں!" وہ یہ نہیں کہیں گے کہ، "مغربی اور کچھ مشرقی ممالک کے پاس ایٹمی ہتھیار ہیں۔" چاہے ہم کسی بھی نسل سے ہوں یا دنیا کے کسی بھی حصے میں ہوں، وہ پھر بھی ہمیں بطور "انسان" ہی بلائیں گے، کیونکہ انسان ہی ان کا ایک عمومی دشمن

ہو گا۔ اگر ہم اس طرح کہ کسی اجنبی حملے کی صورت میں ایک ہو کر یہ دیکھ سکتے ہیں کہ اتحاد کوئی دور دراز کے فلکیاتی لحاظ سے ناممکن تصور نہیں ہے تو ایک بہتر تہذیب کی تشکیل کے خیالات کے بارے میں ہم متحد کیوں نہیں ہو سکتے؟

یہ نتیجہ کہ چوری نہیں کرنی چاہیئے یا قتل نہیں کرنا چاہئیے کسی صحیفے کی ایجاد نہیں ہے۔ غالباً تہذیب کے قیام سے قبل بھی قتل ہوا کرتے تھے، لیکن ایسا نہیں تھا کہ وہ لوگ کوئی آسمانی احکامات آنے کے منتظر تھے، بلکہ ایسا قوانین اور قانون کے نفاذ کی کمی کی وجہ سے ہوتا تھا۔ میسوپوٹیمیا کے بادشاہ حمورابی کو ۱۷۵۴ قبل مسیح میں تختی پر قوانین لکھنے والے پہلے شخص کا اعزاز حاصل ہے۔ اس کے قوانین کچھ معاملات میں اچھے تھے لیکن کچھ دوسرے معاملات میں بہت فرسودہ تھے۔ حمورابی عیسیٰ کے زمانے سے پہلے اور یقیناً محمد کے وقت سے بھی پہلے تک زندہ رہا۔ اگرچہ ہمارے پاس کسی تختی پر یہ نہیں لکھا ہوا لیکن یہ سمجھنا کچھ مشکل نہیں ہے کہ میسوپوٹیمیا سے پہلے کی تہذیبوں کے بھی کچھ طرح کے قوانین ہوں گے۔ ان سے پہلے کے مقامی قبائل کے پاس بھی کچھ طرح کے قوانین تھے۔ اب ذرا فرض کریں کہ ہمیں اپنی اخلاقیات ابراہیمی خدا سے حاصل کرنی ہے، تو ہم ہم جنس پرستوں کو ماردیں گے کیونکہ وہ اس طرح پیدا ہوئے ہیں، ہم خواتین کو کمتر سمجھیں گے کیونکہ مشرق وسطیٰ کے کچھ قدیم مردوں نے انہیں ایسا پایا اور ہم شاید اب بھی غلام اور جنسی غلام رکھیں گے۔ کوئی بھی شخص اگر کہے کہ وہ اپنی اخلاقیات کسی صحیفے سے لیتا ہے تو یا تو وہ جاہل ہے یا سراسر جھوٹ بول رہا ہے۔

میں سیم ہیرس اور بین شاپیرو کے مابین ایک گفتگو دیکھ رہا تھا جو ۲۰۱۷ کے آخر اور ۲۰۱۸ کے اوائل میں ہوئی تھی۔ جب میں نے پہلی بار شاپیرو کو جانا تو وہ مجھے بہت ذہین، صاحب فکر اور معقول لگا۔ مجھے کوئی شک نہیں ہے کہ وہ ان تمام خصوصیات کا مالک ہے جن کا میں نے ابھی ذکر کیا، تو مجھے لگا کہ وہ ضرور ایک ملحد ہو گا۔ البتہ میں یہ دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا کہ وہ مذہب کا ایک اور شکار تھا میں تھا۔ بین بالکل اپنے والدین کی طرح ایک راسخ الاعتقاد یہودی ہے۔ یہ ایک اور بہترین دانشمند، ذہین، اور معقول انسان کی مثال ہے جو اپنے مذہب کی طرف سے ملی ہوئی توہم پرستی اور من گھڑت کہانیوں کا شکار ہے۔ شاپیرو جو عام طور پر تقریباً ہر دوسرے مضمون میں استدلال اور بہترین وضاحت تلاش کر کے بات کرتا ہے، جب مذہب کی بات کی جائے تو وہ ان خصائل کو چھوڑ دیتا ہے اور اُنہی مبہم دلائل کے اردگرد گھومتا ہے جو اس سے پہلے کے معتقدین استعمال کرتے تھے۔ جب بات خدا کے سوال کی ہو تو اس کا انداز مبہم اور پرانے فلسفیانہ لوگوں کی طرح ہو جاتا ہے اور وہ بغیر کسی قابلِ فہم استدلال کے بولتا ہے۔ گفتگو کے دوران ایک خاص نکتے پر شاپیرو نے ڈیوڈ ہیوم سے متاثرہ ہی عام مذہبی فقرہ استعمال کیا کہ "سائنس آپ کو کہتی ہے کہ، "یہ ایسا ہے" لیکن مذہب آپ کو بتاتا ہے کہ، "ایسا ہونا چاہئیے"۔

یہ ایک اور بیوقوفانہ دعویٰ ہے جس کے پیچھے کوئی ٹھوس بنیاد نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ سائنس "کیا" کا جواب دیتی ہے اور وجہ بتاتی ہے۔ لیکن مذہب صرف یہ بتاتا ہے کہ ایسا ہونا چاہئیے۔ وجہ صرف "چاہئیے" کا جواب دینے کا بہترین طریقہ نہیں ہے بلکہ یہ حقیقت میں اس کے جواب دینے کا واحد طریقہ ہے۔ یہ دعویٰ کرنا کہ مذہب ہمیں بتاتا ہے کہ ہمیں کس طرح برتاؤ کرنا چاہئیے کم و بیش ایک خوفناک دعوی ہے۔ جب بھی آپ معتقدین سے اس سوال پر جرح کریں وہ اس قسم کے مبہم بیانات کے ساتھ واپس آتے ہیں کہ، "مذہب ہمیں بتاتا ہے کہ ہمیں اچھا رہنا چاہئیے" اور "مذہب ہمیں بتاتا ہے کہ ہمیں ایماندار رہنا چاہئیے" وغیرہ وغیرہ۔ لیکن جب آپ اسے مزید تفصیل سے دیکھتے ہیں تو آپ کو پتا چلتا ہے کہ "اچھے" اور "ایماندار" کی مذہبی تعریف ہماری تعریف سے بالکل مختلف ہے۔

اسلام چوری کی سزا کے طور پر ہاتھ کاٹ دینے کا حکم دیتا ہے۔ یہ وہ چیز ہے اسلام میں جس میں مسلمان دماغی کلابازیاں نہیں لگاتے۔ لیکن اس کی ایک وجہ ہے کہ کیوں بیشتر مسلمان ممالک میں چوروں کے ہاتھ نہیں کاٹے جاتے ہیں۔ توجیہ کے ذریعے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مجرم کو سزا کے بعد بحال ہونے کا موقع دینا چاہئیے۔ ہاتھ کاٹنے کی قصاص کو روکنے کے لئے یہ وجہ کافی اچھی ہے۔ جدید توجیہ نے اس مثال میں واضح طور پر سوال "چاہئیے" کا جواب دیا ہے۔ معتقدین اس بات پر بحث اور دعویٰ کر سکتے ہیں کہ نتائج کا یہ خیال ان کے مذہب سے آتا ہے، وہ یہ بھی دعوی کر سکتے ہیں کہ

مذہب ہی آپ کو فرد کو سزا کا تصور ملتا ہے۔ لیکن ایک بار پھر یہ ایک فضول دعویٰ ہو گا کیونکہ اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ ان مذاہب سے پہلے جو لوگ موجود تھے اُنہیں نتائج کے تصور کے سمجھ نہیں تھی۔ کچھ بندروں خصوصا بن مانس کی نسل نے بنیادی نتائج کو سمجھنے کا مظاہرہ کیا ہے۔ میکس پلانک انسٹیٹیوٹ برائے ارتقائی انسانیات، لیپزگ، جرمنی میں کیتھرین ریڈل نے یہ پتہ لگایا کہ بن مانس ان افراد کو سزا دیتے ہیں جو ان کا کھانا چوری کرتے ہیں لیکن ان کو نہیں دیتے جو دوسروں کھانا چوری کرتے ہیں۔

لہذا اگر بن مانس برے افراد کو سزا دینے کے تصور کو سمجھتے ہیں تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ بیحد بنیادی توجیہات کو سمجھنے کے بھی اہل ہوں گے۔ کیا بن مانسوں کا بھی کوئی ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ، یا محمد ہو گا؟ کوئی نہیں جانتا؟ بن مانس اب شاید اس مرحلے سے گزر رہیں ہیں جس سے لاکھوں سال پہلے کے شروعاتی ہومونیڈ گزرے تھے۔ ہو سکتا ہے انہیں بھی جب کسی غیر واضح یا نا معلوم مظاہرے کا سامنا ہو تا ہو تو وہ توہم پرست بن جاتے ہوں یا کوئی جادوئی دیوتا ایجاد کرتے ہوں۔ ہو سکتا ہے ان میں سے کچھ ہوشیار بندر شاید پہلے ہی نبوت کا دعوی کر چکے ہوں اور جو ہوشیار نہیں ہیں ان کو بے وقوف بنا رہے ہوں۔ ہمیں کیا معلوم؟ جیسا کہ اوپر دکھایا گیا ہے، کہ مذہب کا "چاہئیے" والا دعویٰ بالکل غلط اور اس میں ایسی کوئی توجیہ موجود نہیں ہے، جبکہ توجیہ ہی تو ہماری بہتر اخلاقیات کی بنیاد ہے۔

جو دوسرا دعویٰ شاپیرو جیسے لوگ کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ مغربی دنیا یہود و عیسائی اقدار کی بنیاد پر بنائی گئی ہے۔ مغربی جمہوریتیں یہود و عیسائی اقدار کے مقابلے میں زیادہ تر یونانی اور رومن اقدار پر بنائی گئی ہیں،

لیکن جمہوریت بدلتی ہوئی اخلاقی روح عصر اور نئی سوچ کی حمایت کرتی ہے، جبکہ مذہبی 'اخلاقیات' یہ نہیں کرتی ہے۔ در حقیقت جمہوریت مذہب کے عین بر خلاف ہے۔ مذاہب میں اخلاقیات وقت کے ساتھ نہیں بدلتے ہیں، لیکن جمہوریت میں ہمیشہ اخلاقیات قانون سازی یا بڑے پیمانے پر عوامی مباحثے کے ذریعے بدلتے رہتے ہیں۔ یہاں جمہوریت سے میرا مطلب جمہوریت کی وہ روایتی تعریف نہیں ہے جہاں لوگ جاتے ہیں اور اپنے قائد کا انتخاب کرتے ہیں، لیکن کچھ سب سے بنیادی اصول جیسے کہ دلائل اور جوابی دلائل پیش کرنا ہے۔ تبدیلی اتنا مضبوط رجحان ہے کہ اس حقیقت کے باوجود کہ مذاہب کا ارتقاء نہیں ہونا چاہئیے، آخر کار وہ ترقی کر جاتے ہیں۔ جدید عیسائی زانی عورت کو اس کے والد کی دہلیز کے آگے سنگسار کرنے کے خیال یا ہم جنس پرستوں کو قتل کرنے کی حمایت نہیں کرتے ہیں، لیکن یہود و عیسائی اقدار کے مطابق ہمیں ابھی بھی ایسا ہی کرنا چاہئیے۔ مسلمان بھی اب محمد کے اسلام سے اوپر آ چکے ہیں۔ ہم جنس پرستوں، مرتدین اور زانیوں کے لیے رواداری بڑھتی جا رہی ہے۔ ڈینمارک کی کارٹون والی کہانی کے بعد کچھ مسلمان باہر آئے اور انہوں نے کہا کہ اگرچہ وہ محمد کا کارٹون بنانے کی حمایت نہیں کرتے لیکن وہ پھر بھی کارٹون بنانے والے کو مارنے کے

خلاف ہیں۔ سعودی عرب جیسا ملک جس نے ایک طویل عرصے تک خواتین کو محکوم بنا کر رکھا اور جہاں خواتین کو گاڑی چلانے تک کی اجازت نہیں تھی، وہاں بھی ۲۰۱۷ میں ایک بل پاس کیا گیا جس میں خواتین کو گاڑی چلانے کی اجازت دے دی گئی ہے، اور ۵ مارچ ۲۰۱۸ کو ایک قانون پاس کیا گیا جس کے مطابق اب سعودی خواتین بغیر کسی مرد یا ہم منصب کی سرپرستی کے اکیلے سفر کر سکتی ہیں۔ یہ واضح مثالیں ہیں کہ لوگ آہستہ آہستہ اپنے مذہب کی اخلاقیات سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔

جب سیم ہیرس نے یہود و عیسائی اقدار کے ہونے سے انکار کیا تو شاپیرو نے اس سے پوچھا کہ وہ کہاں پیدا ہوا تھا؟ شاپیرو یہ بحث کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اگر آپ کسی ایسے ملک میں پیدا ہوئے ہیں جس میں آبادی کی اکثریت یہود و عیسائی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس ملک میں خود بخود یہود و عیسائی اقدار موجود ہیں۔ یہ سچ ہے کہ بانی باپ ریاستہائے متحدہ میں سے کسی کو بھی غلامی یا خواتین کے ووٹ ڈالنے کے قابل نہ ہونے والی بات میں کچھ غلط نظر نہیں آتا تھا، یہ لوگ انتہائی روشن خیال تھے اور اپنے ملک کو اس وقت کے یورپ سے ایک مختلف ملک بنانے کے لئے پیاسے تھے۔ زیادہ تر بانی خاندانی عیسائی تھے، لیکن وہ بنیاد پرست عیسائی نہیں تھے۔ شاپیرو کا خیال تھا کہ ہم جنس پرستوں کی قتل و غارت ختم کر کے الٹا انہیں شادی کے لیے مساوی حقوق دینے کی حقیقت کا سہرا مذہب کو جاتا ہے۔ یہ ایک غیر معقول دعویٰ ہے کیونکہ اس اصول کے حساب سے کسی بھی ملک میں ہمیں اس آمریت کو سہرا دینا چاہیئے جو آمریت سے جمہوریت کی طرف جاتی ہے۔ اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ امریکہ کی جڑیں یہود و عیسائی ہیں، تو بھی یہ حقیقت کہ جس طرح ان اقدار کو اس وقت کے عیسائیوں کی جانب سے باہر پھینک دیا گیا، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ لوگ آہستہ آہستہ اپنے ورثے کو مسترد کر رہے تھے۔ ریاستہائے متحدہ میں یہود و عیسائی کے روایتی اقدار کے خاتمہ کا سہرا مذہب کو نہیں جاتا ہے۔

باب نمبر ۷: قرآن

بطور منبع معروضی اخلاقیات انجیل ان بدترین کتابوں میں سے ایک ہے جو کہ ہمارے پاس موجود ہیں۔ یہ یقیناً سب سے بری کتاب ہوتی اگر ہمارے پاس قرآن نا ہوتا۔

~ سیم ہیرس

مسلمان اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ قرآن خدا کے حقیقی الفاظ پر مبنی کتاب ہے جو کہ رسول اللہ پر فرشتے جبرائیل کے ذریعے بطور وحی نازل ہوئی۔ موجودہ زمانے میں ذرا تصور کریں کہ اگر ایک شخص آپ کے پاس آکر کہے کہ وہ اپنے ذہن میں کچھ آوازیں سنتا ہے اور اسے یقین ہے کہ خدا اس سے باتیں کرتا ہے تو کوئی بھی ایسے شخص کی باتوں کو سنجیدگی سے نہیں لے گا، لیکن جب آپ یہ کہتے ہیں کہ ایسا شخص ۱۴۰۰ سال پہلے آیا تو یہ دعویٰ یکایک قابل یقین ہو جاتا ہے۔ قرآن سائنسی غلطیوں سے پُر ہے اور یہ ساتویں صدی سے تعلق رکھنے والی دیگر کتابوں سے کسی طرح بھی مختلف نہیں ہے۔ ہمیں قرآن کے مصنف کے خلاف اپنا مقدمہ قائم کرنے کے لیے صرف ایک ایسی آیت دریافت کرنی ہے جو سائنسی یا پھر اخلاقی اعتبار سے غلط ہو۔ اگر یہ کتاب کسی علیم وخبیر ہستی کی تخلیق کردہ ہوتی جو لاکھوں کہکشاؤں کا خالق ہے، تو قطع نظر دسیوں آیات کے یقیناً اس میں ایک بھی ایسی آیت نہ ہوتی جو کہ سائنسی طور پر غلط ہوتی۔ اس کے برعکس قرآن ایسی آیات سے بھرا پڑا ہے جو کہ یا تو سائنسی طور پر غلط ہیں یا پھر اخلاقی طور پر غیر شائستہ ہیں۔ آئیں قرآن کے ساتھ منسوب چند تمثیلی مسائل کا جائزہ لیتے ہیں۔

کیا قرآن واقعی خدا کے الفاظ پر مبنی کتاب ہے؟

مسلمان اس بات کے دعوے دار ہیں کہ قرآن ہر قسم کے عیب اور غلطی سے پاک خدا کے الفاظ پر مبنی کتاب ہے، جو کہ تمام کائنات کا خالق ہے۔ وہ اکثر مندرجہ ذیل آیت کا حوالہ دیتے ہیں:

"تم فرماؤ اگر آدمی اور جن سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کی مانند لے آئیں تو اسکا مثل نہیں نا لا سکیں گے اگرچہ ان میں ایک دوسرے کا مددگار ہوں۔"

(قرآن ۱۸:۸۸)

اسکا مطلب ہے کہ کوئی بھی شخص قرآن سے بہتر کتاب تحریر نہیں کر سکتا جو کہ ایک اور اسلامی دعویٰ ہے۔ ایسی کتابیں بہت بڑی تعداد میں لکھی گئی ہیں، جو کہ غلامی، قتل عام، زن بیزاری، کفار کے قتل عام اور تشدد کی تائید نہیں کرتیں، مگر صرف اور صرف طریقہ دوئم کی تائید کی خاطر ہم اس دعوے کی تردید نہیں کرتے، بلکہ بذات خود قرآن کا تجزیہ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ آیا واقعی یہ ایک شہ پارہ ہے جو کہ ایک ذہین وفطین ہستی ہی تخلیق کر سکتی ہے۔

سب سے پہلا سوال جو ذہن میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ "آخر خدا نے اس دور میں مشرق وسطی میں اتنی بڑی تعداد میں انبیاء کیوں بھیجے جب تبلیغ یا تو صرف آمنے سامنے بیٹھ کر بات چیت کے ذریعے ہی ممکن تھی یا پھر کتاب کے ذریعے ممکن تھی؟" اگر آج میں ایک ویڈیو بناتا ہوں تو وہ ویڈیو چوبیس گھنٹے کے اندر اندر ان افراد کی نسبت کہیں زیادہ افراد تک رسائی حاصل کر سکتی ہے جن تک ماضی میں رسول اللہ مہینوں میں رسائی حاصل کر پاتے تھے۔

اگلا سوال یہ ہے کہ "اللہ نے تمام زبانوں کو رد کر کے صرف ایک زبان کو ہی کیوں منتخب کیا---اور وہ بھی اس زبان کو جسے با آسانی توڑا اور مروڑا جا سکتا ہے؟" مسلمان کہیں گے کہ اس طرح تو تمام زبانوں کو ہی توڑا مروڑا جا سکتا ہے۔ یہ سچ ہے، لیکن یہ تو فقط ایک انسانی مسئلہ ہے نا، تو آخر خدا کوئی ایسی زبان کیوں کر تخلیق نہ کر سکا جسے توڑا مروڑا نہ جا سکتا ہو؟ بہر حال وہ ہر شے پر قادر تو ہے۔

جب بھی کہیں دہشت گردانہ حملہ ہوتا ہے، مسلمان دھڑلے سے کہتے ہیں کہ یہ بھٹکے ہوئے لوگ ہیں، جو کہ اسلام کے پر امن پیغام کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ یہاں آپ سوال کر سکتے ہیں کہ آخر خدا نے اتنی سادہ اور آسان کتاب کیونکر تخلیق نہ کی کہ جسکا اس قدر آسانی کے سے غلط مطلب نکالا جانا ممکن ہی نہ ہوتا؟ مندرجہ ذیل آیت پر ذرا غور کیجیے:

"---اور لڑو اللہ کی راہ میں اور جان لو کہ اللہ سنتا اور جانتا ہے---" (قرآن ۲:۲۲۴)

مندرجہ بالا آیت کے بڑی آسانی کے ساتھ مندرجہ ذیل دو مطالب لئے جا سکتے ہیں:

۱۔ اللہ کی راہ میں جہاد کیا جائے اور اللہ کے پیغام کی تشہیر کی جائے۔ (محمد نے بہر صورت یہ دونوں کام سرانجام دیئے)

۲۔ اللہ کی راہ میں جہاد کیا جائے اور مسلمانوں کے علاقہ جات کی حفاظت کی جائے۔

ہم با آسانی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کس طرح کے مسلمان اس آیت کی کسطرح تشریح کریں گے۔ داعش سے تعلق رکھنے والے افراد پہلی تشریح کو مقدم جانیں گے، جبکہ جدید سوچ رکھنے والے اور ذرا کم تشدد پسند مسلمان دوسری تشریح کے حق میں دلائل دیں گے۔ اسی طرح ایک اور آیت ہے:

"تم پر فرض ہوا خدا کی راہ میں لڑنا اور وہ تمھیں ناگوار ہے اور قریب ہے کہ کوئی بات تمھیں بری لگے اور وہ تمھارے حق میں بہتر ہو اور قریب ہے کہ کوئی بات تمھیں پسند آئے اور وہ تمھارے حق میں بری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔" (قرآن ۲:۲۱۶)

ایک بار پھر یہاں کچھ مسلمان اس بات پر زور دیں گے کہ اللہ انھیں اپنے دفاع کی خاطر لڑنے کی تاکید کر رہا ہے، جبکہ کچھ کہیں گے کہ اللہ انھیں کفار پر حملہ کرنے کا حکم دے رہا ہے۔ آپ ان آیات کے مطالب کو جس طرح چاہیں توڑ مروڑ سکتے ہیں۔

اب آیئے یہی طریقہ (خدا کے مقابلے میں) کافی کم عقل انسان کے قول پر آزماتے ہیں:

"خلا میں کوئی بھی شے روشنی کی رفتار سے زیادہ تیزی کے ساتھ سفر نہیں کر سکتی۔"~البرٹ آئن اسٹائن

میرے خیال میں "میں اس بیانیے کو غلط سمجھنے سے قاصر ہوں!" یہ نہ صرف بالکل واضح ہے بلکہ اسے ریاضی کی پشت پناہی بھی حاصل ہے۔ آئن اسٹائن کے یہ نکتہ دریافت کرنے کے سو سال بعد تک کوئی بھی شخص اسے غلط ثابت نہ کر سکا- اگر آئن اسٹائن ایک انسان ہو کر اتنا واضح اور سادہ بیانیہ تخلیق کر سکتا ہے تو خدا ایسا کیوں نہیں کر سکا؟

اسلامی عقیدے کے مطابق ابراہیم کا خدا اس حد تک نکما تھا کہ وہ اپنی سابقہ کتابوں یعنی توریت اور انجیل کی حفاظت تک نہ کر سکا- کیا کائنات کے خالق نے اپنی دو سابقہ ناکامیوں سے کوئی سبق نہیں سیکھا؟ اس مرتبہ اس نے ارادہ کیا کہ "میں ایک ایسی کتاب بناؤں گا جسے کوئی تبدیل نہیں کر سکے گا!" لیکن کیا وجہ تھی کہ لاکھوں کہکشاؤں کا خالق مشرق وسطی کے صحراؤں میں بسنے والے کمزور انسانوں کو اپنی کتاب کے مطالب میں ترامیم وتحاریف کرنے سے باز نہ رکھ سکا؟ اسے اپنے پیغام کی تبلیغ وتشہیر کی غرض سے انبیاء کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اگر وہ چاہتا تھا کہ لوگ اس پر ایمان لے آئیں تو پھر کیا وجہ تھی کہ اس نے اپنا پیغام لوگوں کے ذہنوں پر بذات خود ثبت نہ کیا؟ جو ذات ہر شے پر قادر ہو کیا اس سے اس قسم کی توقعات رکھنا زیادتی کے زمرے میں آتا ہے؟ یہ سب کچھ تقریباًیوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے خدا خود چاہتا ہے کہ انسان اسکا پیغام سمجھنے میں ناکام ہوں اور وہ مہربان خدا انھیں ہمیشہ کے لیے آگ کے شعلوں کی نذر کر سکے۔

سب سے آخری بات یہ کہ خدا تمام تر معجزات کا مظاہرہ موجودہ دور کے بجائے زمانہ قدیم ہی میں کیونکر کیا کرتا تھا؟ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ بہت اچھا ہوتا اگر کوئی ابراہیم، موسی، عیسی اور محمد کے درمیان رہ رہا ہوتا اور ابراہیم کے صاحبزادے کی جگہ پر کسی نامعلوم مقام سے دنبہ نمودار ہوتا ہوا دیکھتا، بحیرہ احمر کو تقسیم ہوتا ہوا دیکھتا، مسیح کو پانی پر چلتا ہوا دیکھتا اور محمد کے ہاتھوں چاند کو ٹکڑوں میں تقسیم ہوتے ہوئے دیکھتا (اگرچہ کسی نے انھیں پروں والے گھوڑے پر سوار آسمان کی جانب محو سفر نہیں دیکھا تھا) اور پھر وہ یہ تمام معلومات اپنی قدیم کتابوں میں تحریر کرتا۔ مگر ایسی صرف ایک ہستی ہے اور وہ خدا ہے۔ آنے والی نسلوں سے یہ توقع رکھی جاتی ہے کہ وہ ان باتوں پر بنا سوچے سمجھے ایمان لے آئیں۔ چلیں اب زیر نظر آیت پر غور کرتے ہیں:

"اور کافروں کو جہاں پاؤ مارو- اور انھیں نکال دو جہاں سے انھوں نے تمھیں نکالا تھا اور انکا فساد تو قتل سے بھی زیادہ سخت ہے اور مسجد حرام کے پاس ان سے نا لڑو جب تک وہ تم سے نا لڑیں اور اگر وہ تم سے لڑیں تو انھیں قتل کرو کافروں کی یہی سزا ہے- پھر اگر وہ باز رہیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے-اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نا رہے اور ایک اللہ کی عبادت ہو پھر اگر وہ باز آئیں تو زیادتی نہیں مگر ظالموں پر۔۔۔(قرآن ۲:۱۹۱-۱۹۳)

میں ایک اکیسویں صدی سے تعلق رکھنے والا فرد ہوں اور میں اس آیت کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنے کے لیے مختلف زاویوں سے سوچ سکتا ہوں۔ کوئی بھی شخص جو کہ محض لفاظی پر مہارت رکھتا ہو با آسانی کہہ سکتا ہے کہ "حارث سلطان فتنہ پھیلا رہا ہے، لہذا اسلام پر ایمان رکھنے والے ہر شخص کا یہ فرض ہے کہ اسے جہنم واصل کر دے (قتل کر دے)"۔ بالکل اسی طریقے سے جہادی نوجوان مسلمان مردوں کا استعمال کرتے ہیں۔

"بھارت کشمیر پر قابض ہو گیا ہے، لہذا بھارتیوں کو قتل کرو!" یا پھر "یہودیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کر لیا ہے لہذا تمام یہودیوں کو قتل کر دو۔" اگر زیر نظر آیت کے حقیقی معنی یہ نہیں ہیں (جیسا کہ ایک ترقی پسند مسلمان اصرار کرتا ہے) تو یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا خدا لامحدود فراست کا حامل ہونے کے باوجود اپنے پیغام کی ترویج واشاعت کے لیے بہتر الفاظ کا انتخاب نہیں کر سکتا تھا؟

موجودہ دور میں ایسے سینکڑوں علماء موجود ہیں جو اپنی من مانی سوچ کے مطابق قرآن سے معانی و مطالب اخذ کرتے ہیں۔ آیئے قرآن میں موجود کچھ ایسے عام مسائل کا جائزہ لیتے ہیں جنھوں نے ان علماء کو خاطر خواہ مشکل میں مبتلا کر دیا ہے۔

۔زمین چپٹی ہے۔(شیخ عبد العزیز ابن عبد اللہ)

۔زمین چپٹی نہیں ہے۔(ذاکر نائیک)

۔سورج زمین کے گرد گردش کرتا ہے۔(شیخ بندر الخیبری)

۔سورج زمین کے گرد گردش نہیں کرتا۔(ذاکر نائیک)

۔مرتد کو قتل کرو۔(یوسف القرادوی)

۔مرتد کو قتل نہ کرو۔(ڈاکٹر شبیر علی)

۔ارتقاء درست ہے۔(ڈاکٹر یاسر قاضی)

۔ارتقاء درست نہیں ہے۔(ڈاکٹر ذاکر نائیک)

مزید کچھ ایسی قرآنی آیات بھی ہیں جو واضح طور پر درست نہیں ہیں۔ جیسا کہ:

"پاکی ہے اسے جس نے سب جوڑے بنائے ان چیزوں سے جنھیں زمین اگاتی ہے اور خود ان سے اور ان چیزوں سے جن کی انھیں خبر نہیں۔" (قرآن ۳۶:۳۶)

یہ آیت دعویٰ کر رہی ہے کہ تمام جانور جوڑوں یعنی نر اور مادہ کی شکل میں پیدا کئے گئے ہیں۔ اب ذرا وہپ ٹیل چھپکلی کو دیکھیں جو کہ مکمل طور پر ایک "مادہ" نوع ہے اور یہاں "نر" مکمل طور پر غیر ضروری اور ناپید ہے۔ یہ چھپکلیاں بیضہ کی بارآوری کے بغیر پیدا ہوتی ہیں۔ جسے عام طور پر غیر جنسی تولید بھی کہا جاتا ہے۔ چلیں آئیں اب خدا سے متعلق ان مسائل کی جانچ کرتے ہیں جنکا انکشاف اس باب میں میں نے اب تک کیا ہے:

۱۔ خدا انسانوں سے براہ راست بات چیت نہیں کر سکتا لہذا وہ اس مقصد کے لیے رسولوں کو معبوث فرماتا ہے۔

۲- یہ انبیاء ہمیشہ زندہ نہیں رہ سکتے لہذا وہ اپنے پیچھے کتاب چھوڑ جاتے ہیں-

۳۔ اس کتاب کا با آسانی غلط مطلب نکالا جا سکتا ہے لہذا آپ کو مستقل طور پر انبیاء سے ملتے جلتے علماء کی ضرورت رہتی ہے۔

۴- ان میں مختلف اقسام کے علماء ہوتے ہیں جو کہ 'خدا کے اصل پیغام' کا پرچار کر رہے ہوتے ہیں-

'خدا کے اصل پیغام' سے متعلق لاتعداد الجھنیں پائی جاتی ہیں۔ یہ الجھنیں ہرگز پیدا نہ ہوتیں اگر اللہ جو کہ ہر شے پر قادر ہے، اپنا پیغام براہ راست انسانوں کے ذہنوں میں ثبت کر دیتا یا ہزاروں سال پہلے کتابیں نازل کرنے کے بجائے کوئی اور طریقہ اختیار کر لیتا۔ انسان نے اس سے کہیں زیادہ بہتر طریقے ایجاد کئے ہیں۔ ہم کسی بھی مشین میں کوئی سافٹ وئیر کو بنا کر کوئی بھی چیز اس میں بڑی آسانی سے کسی بھی بدعنوانی یا گڑبڑ بغیر کے با آسانی اتار سکتے ہیں۔ آئیں اب قرآنی تعلیمات کو ذرا تفصیل کے ساتھ زیر بحث لاتے ہیں۔

صحائف میں موجود سائنسی غلطیاں

عیسائیوں کے برعکس مسلمان قرآن کے لفظی مطالب پر حقیقتاً ایمان رکھتے ہیں۔ جدت پسند عیسائی جب انجیل میں موجود سائنسی غلطیوں پر اٹکتے ہیں، تو انھیں استعارہ قرار دے دیتے ہیں۔ لیکن مسلمان قرآن میں موجود ہر ہر لفظ پر حقیقتاً ایمان رکھتے ہیں۔ وہ طوفان نوح پر ایمان رکھتے ہیں، آدم اور حوا کے سب سے پہلے انسان ہونے پر ایمان رکھتے ہیں، جنکے بچوں نے مبینہ طور پر اپنے ہی بہن بھائیوں سے شادیاں کیں۔ چاند کے ٹکڑوں میں تقسیم ہو جانے پر ایمان رکھتے ہیں، یونس کے تین راتوں تک مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہنے پر اور اسی قسم کی بہت سی دیگر باتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

عیسائیوں کے برعکس جو کہ صحائف کو سائنس کے ساتھ ہم آہنگ قرار دینے پر اصرار نہیں کرتے، مسلمان بڑے دھڑلے کے ساتھ یہ دعویٰ کرتے نظر آتے ہیں کہ سائنس آجکل جو کچھ دریافت کر رہی ہے، بالکل وہی کچھ انکا اللہ اور اسکا رسول چودہ سو سال قبل اپنی کتاب میں بیان کر چکے ہیں۔ بہت سے دیگر دعووں کی طرح اس دعوے کا بھی حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مسلمان اپنے ان دعووں کی پشت پناہی کی خاطر اپنی ذہانت کو بددیانتی کی انتہاؤں پر پہچا دیتے ہیں۔ یہ ان آیات کے معانی و مطالب کو توڑ مروڑ کر انھیں بالکل ہی تبدیل کر دیتے ہیں۔ انٹرنیٹ پر وہ تمام دعوے بکھرے پڑے ہیں، جو سائنس سے متعلق قرآن نے کئے ہیں۔ لہذا اس بات کی بہت اہمیت ہے کہ ان دعووں کے جوابی نکات کی جانب توجہ مبذول کی جائے۔

سب سے پہلا سوال جو کہ ذہن میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ آخر کوئی بھی اہم نکتہ مسلمان قرآن میں اسی وقت کیوں دریافت کرتے ہیں، جب سائنس اسکا انکشاف کر چکی ہوتی ہے۔ واضح طور پر اس رویے کو پس اندیشی کہا جا سکتا ہے۔ آپ ان مبہم آیات کو توڑ مروڑ کو کسی بھی شکل میں ڈھال سکتے ہیں۔

آئیں اسی قسم کی چند آیات کا جائزہ لیتے ہیں:

بِگ بینگ

"کیا کافروں نے یہ خیال نہ کیا کہ آسمان اور زمین ملے ہوئے تھے تو ہم نے انھیں علیحدہ کیا اور ہم نے ہر جاندار چیز پانی سے بنائی تو کیا وہ ایمان نہیں لائیں گے ؟" (قرآن: ۲۱:۳۰)

مسلمان دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ آیت ہمیں بگ بینگ کے بارے میں بتا رہی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی فرمارہا ہے کہ "تمام اجسام آپس میں ملے ہوئے تھے اور اس نے انھیں علیحدہ کر دیا۔"

سب سے پہلی غلطی یہ ہے کہ زمین اور آسمان آپس میں کبھی بھی ملے ہوئے نہیں تھے۔ وہ صرف توانائی تھی جو کہ ایک انتہائی باریک نقطے میں مرکوز تھی حتیٰ کہ وہاں مادے کا وجود بھی نہیں تھا۔ چونکہ مادہ اور توانائی در حقیقت ایک ہی شے کے دو نام ہیں، جو کہ ایک دوسرے کا متبادل ہیں۔ (اس معلومات کی فراہمی پر ہم مذہبی صحائف کے نہیں بلکہ آئن اسٹائن کے مشکور ہیں)۔ لہذا اس توانائی نے بگ بینگ کے فوراً بعد چند مخصوص حالات میں ہائیڈروجن کے ایٹموں کو جنم دیا۔ نسبتاً ٹھوس عناصر جیسا کہ لوہا، نکل، سیلیکون اور کاربن وغیرہ اس وقت تک وجود میں نہیں آئے تھے۔ لہذا یہاں زمین کے وجود کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

ابتدائی ستارے بگ بینگ کے لاکھوں سال بعد وجود میں آئے۔ یہ ستارے مختلف عناصر جیسا کہ کاربن، لوہا، سیلیکون، آکسیجن اور سونے وغیرہ کے کارخانے تھے۔ جنھوں نے مختلف سیاروں اور آخر کار زندگی کو بھی جنم دیا۔ کارل سیگن کے مشہور و معروف قول کے مطابق "ہم سب ستاروں کی دھول کی پیداوار ہیں۔" اگر یہ بڑے ستارے تباہ نہ ہوتے تو یہاں زمین اور زندگی کا سرے سے کوئی وجود ہی نہ ہوتا۔ لہذا زمین اور آسمان کبھی بھی ملے ہوئے نہیں تھے۔ زمین اور اس جیسے دوسرے سیاروں کی تخلیق کے لیے جو مواد درکار تھا، وہ بہت طویل مدت بعد وجود میں آیا یعنی اجزائے ترکیبی ابتداء میں موجود نہیں تھے۔

آئیں اب اسی آیت کے دوسرے حصے پر نظر ڈالتے ہیں جسکے مطابق: "ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی سے پیدا کیا۔" یہ درست ہے کہ ہمارے جسم کا ۶۵ فیصد حصہ پانی پر مشتمل ہے۔ مگر اسکا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ ہمارا جسم پورے کا پورا ہی پانی سے بنا ہے۔ ایسا فقط اس لیے ہے کہ ہمارے جسم کے خلیوں میں پانی موجود ہے تا کہ وہ کیمائی عمل کو جاری و ساری رکھ سکے۔ ہمارے جسم کا ایک بہت بڑا حصہ خلا پر مشتمل ہے۔ جی---- آپ نے بلکل درست پڑھا--- خلا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ہمارے جسم میں موجود ہر شے ایٹموں سے مل کر بنی ہے اور ایٹم کا بڑا حصہ خالی جگہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ در حقیقت ایک ایٹم کا ۹۹۰۹ فیصد حصہ خالی جگہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں موجود نیوکلیس اور الیکٹران بمشکل ۰۱. فیصد حصے پر قابض ہوتے ہیں۔ اگر ہم ان ایٹموں میں موجود خالی جگہ کو ختم کر دیں تو انسانی جسم کا سائز سکڑ کر ایک چینی کے دانے کے برابر رہ جائے گا۔ مزید اگر ہم اس معاملے کو کیمائی نقطہ نظر سے دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ ہمارے جسم کا ۶۵ فیصد حصہ آکسیجن پر، ۱۸ فیصد حصہ کاربن پر،

۱۰ فیصد حصہ ہائیڈروجن پر اور ۳ فیصد حصہ نائٹرجن پر مشتمل ہے۔ جبکہ باقی عناصر کا ذکر یہاں غیر ضروری ہے۔ تو اگر اللہ نے یہ کہا ہوتا کہ: "ہم نے ہر زندہ شے آکسیجن سے پیدا کی ہے۔" تو مسلمان جب بھی یہی کہتے کہ "اللہ نے یہ بات ہمیں ۱۴۰۰ سال قبل ہی بتادی تھی۔"

جہاں تک انسانی جسم کے پانی سے بنے ہونے سے متعلق دعوے کا تعلق ہے، محمد یہ دعویٰ کرنے والے پہلے انسان نہیں تھے۔ قدیم یونانی فلسفی تھیلز جو کہ ۶۲۴ قبل مسیح میں پیدا ہوا، یہ دعویٰ کرنے والا پہلا شخص تھا، کہ انسانی جسم پانی سے بنا ہے۔ قرآن کے برعکس اس نے درحقیقت وہ تفصیلی وجوہات بیان کی ہیں جن کی بنیاد پر وہ انسانی جسم کے پانی سے بنے ہونے پر یقین رکھتا تھا اور جو کہ بڑی حد غلط ہیں۔ اٹھارویں صدی تک یہ عام خیال تھا اور محمد نے وہی کچھ کہا جو اس دور میں ہر شخص بخوبی جانتا تھا۔

ایک عالم یہ کہے گا کہ بلاشبہ بگ بینگ کے وقت وہاں زمین موجود نہیں تھی۔ اللہ آپ کو محض یہ بتا رہا ہے کہ وہ تمام اجزائے ترکیبی جو زمین کی تشکیل کے لیے ضروری تھے، اس وقت موجود تھے۔ اجزائے ترکیبی جیسا کہ ہائیڈروجن جس نے بڑے بڑے ستاروں کو جنم دیا اور جنھوں نے نسبتاً بھاری عناصر کو جنم دیا۔ مسلمانوں کے دفاع میں، میں دیکھ سکتا ہوں کہ کس طرح ایک سیدھا سادھا مدرسے کا مسلمان ان علماء کی علمی بددیانتی سے متاثر ہوتا ہے۔ لیکن یہ علماء آپکو یہ نہیں بتاتے کہ ان آیات سے اگلی آیات کیا کہتی ہیں:

"اور زمین میں ہم نے لنگر ڈالے کہ انھیں لے کر نہ کانپے اور ہم نے اس میں کشادہ راہیں رکھیں کہ کہیں وہ راہ پائیں اور ہم نے آسمان کو چھت بنایا اور وہ اس کی نشانیوں سے روگرداں ہیں۔" (۲۱:۳۱-۳۲)

مندرجہ بالا آیات ظاہر کرتی ہیں کہ زمین اور آسمان ایک ہی وقت میں تخلیق کئے گئے، جبکہ درحقیقت زمین کا ظہور نو ارب سال بعد ہوا۔ مگر اللہ نے اس بات کے تذکرے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ یا تو اللہ اپنے معاملات میں بے حد سست ہے یا پھر قرآن کا مصنف یہ جانتا ہی نہیں تھا کہ وہ آخر بات کس چیز سے متعلق کر رہا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ دوسرا امکان حقیقت سے زیادہ قریب ہے۔

اب آپ ضرور کہیں گے کہ "بہرحال یہ آیات کہتی ہیں کہ زمین اور آسمان آپس میں ملے ہوئے تھے۔ مشرق وسطیٰ کا ایک جنگجو بھلا کس طرح یہ جان سکتا تھا؟" محمد بہرحال ایک ذہین انسان تھا اور زمین اور آسمان کے باہم ملے ہونے کا تصور اسلام سے کہیں زیادہ پرانا ہے۔ مثال کے طور پر قدیم مصری بھی اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ زمین اور آسمان ملے ہوئے تھے۔ جب زمین کے خدا "گیب" نے اپنی بیوی "نوت" (جو کہ آسمان کی دیوی تھی) سے علیحدگی اختیار کی تو ہمیں زمین اور آسمان حاصل ہوئے۔ قدیم سمیریوں کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ ایسا اس وقت ہوا جب آسمان کا خدا "این" اپنی بیوی "کی" سے علیحدہ ہوا جو کہ زمین کی دیوی تھی۔

یہاں ایک اور آیت ہے جسے میں وقتاً فوقتاً دہرانا پسند کرتا ہوں۔ کیونکہ یہ آیت قرآنی دعوے اور بگ بینگ نظریے کے بیک وقت پرخچے اڑا کر رکھ دیتی ہے:

"بے شک تمھارا رب اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے پھر عرش پر استوا فرمایا۔"

(قرآن ۷:۵۴)

اب اگر ہم یہ فرض کرلیں کے کہ قرآن اور بگ بینگ نظریہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ ہیں تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ قرآن کے مطابق جس دن بگ بینگ کی شروعات ہوئی اسکے نو ارب سال بعد وہ چھٹا دن آیا جب زمین کا ظہور ہوا۔ یعنی اللہ کا ایک دن ڈیڑھ ارب سال کے برابر ہے۔ یعنی ایک قادر مطلق خدا نے اتنا طویل انتظار کیا جبکہ وہ صرف "کن" کہہ کر یہ کام کر سکتا تھا۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت سے ظاہر ہے۔

"نیا پیدا کرنے والا آسمانوں اور زمینوں کا اور جب کسی بات کا حکم فرمائے تو اس سے یہی فرماتا ہے کہ ہو جا وہ فوراً ہو جاتی ہے۔" (قرآن ۲:۱۱۷)

یعنی وہ کہہ سکتا تھا "یہاں زمین بن جائے" اور چند سیکنڈوں میں کام ہو جاتا۔ اسے اربوں سال بلکہ چند دن بھی انتظار نہ کرنا پڑتا۔ اور آخر میں درج ذیل آیت ملاحظہ کیجئے:

اور آسمان کو ہم نے ہاتھوں سے بنایا اور بے شک ہم وسعت دینے والے ہیں۔ (قرآن ۵۱:۴۷)

یاد کیجئے گا کہ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ کس طرح یہ مسلمان علماء علمی بد دیانتی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ مندرجہ بالا آیت اسکی ایک حقیقی مثال ہے۔ اب ہم جانتے ہیں کہ کائنات وسعت اختیار کر رہی ہے۔ لہٰذا یہ مسلمان علماء اس آیت کی پرانی تشریح کو رد کر کے نئی تشریح پیش کر رہے ہیں۔ تاہم قرآن یہ بالکل بھی نہیں کہتا کہ کائنات وسعت اختیار کر رہی ہے: درست ترجمے کے مطابق:

اور ان سے پہلے قوم نوح کو ہلاک فرمایا بے شک وہ فاسق لوگ تھے۔ اور آسمان کو ہم نے ہاتھوں سے بنایا اور بے شک ہم وسعت دینے والے ہیں اور زمین کو ہم نے فرش کیا تو ہم ہی اچھے بچھانے والے ہیں۔ (قرآن ۵۱:۴۶-۴۸)

جب آپ مذکورہ بالا آیت سے پہلے کی اور بعد کی آیات پڑھتے ہیں تو واضح طور پر سمجھ سکتے ہیں کہ یہاں اللہ محض اپنی طاقت بیان کر رہا ہے۔ وہ محض یہ کہہ رہا ہے کہ اس نے پہلے نوح کی قوم پر عذاب نازل کیا کیونکہ وہ آسمان کا خالق ہے۔ جو کہ وسیع و عریض ہے اور وہ زمین کا خالق ہے، جسے اس نے پھیلایا ہے۔ وہ سادہ لوح عربوں سے محض یہ کہہ رہا کہ وہ ہر شے پر قادر ہے۔ یہاں کائنات کے وسعت پذیر ہونے کا بیان سرے سے ناپید ہے۔ اس تضاد کو سمجھنے کے لیے آئیں چند مزید تراجم پر نظر ڈالتے ہیں۔

پکھتال: ہم نے قوت کے ساتھ آسمان کو تعمیر کیا اور ہم ہی ہیں جس نے اسے وسعت عطا فرمائی۔

یوسف علی: ہم نے طاقت اور مہارت کے ساتھ آسمان کی تعمیر کی کیونکہ وہ ہم ہی ہیں جس نے خلا کی وسعت کو تخلیق کیا۔

واضح طور پر خدا محض کائنات کی وسعت سے متعلق شیخی بگھار رہا ہے۔ کوئی بھی شخص رات کے وقت آسمان کی جانب دیکھ کر یہ مفروضہ قائم کر سکتا ہے کہ یہ وسیع و عریض ہے مگر درحقیقت کتنا وسیع و عریض ہے یہ مشرق وسطی سے تعلق رکھنے والے سادہ لوح افراد بیان کرنے سے قاصر ہیں۔

جنینیات

بگ بینگ کی طرح مسلمانوں کا دوسرا پسندیدہ دعویٰ یہ ہے کہ قرآن نے جنینیات کے تمام مراحل کی وضاحت ۱۴۰۰ سال پہلے ہی کردی تھی۔ جب سائنس نے ان مراحل کی ٗن گٗن بھی نہیں پائی تھی۔

اس سے پہلے کہ میں اس مرکزی آیت پر روشنی ڈالوں جسے مسلمان قرآن میں موجود جدید ترین علم کے ثبوت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ہم قرآن کے مصنف کے چند مزید ایسے دعووں پر نظر ڈالیں، جو اس نے جنینیات سے متعلق پیش کئے ہیں۔ یہ آیات اور حدیث ہمیں بہتر طور پر سمجھنے میں مدد دیتی ہیں کہ قرآن کے مصنف کے پاس جنینیات کے علم کی وضاحت کہاں سے آئی تھی۔ آئیں درج ذیل آیت پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

"تو چاہیئے کہ آدمی غور کرے کہ کس چیز سے بنایا گیا ہے۔ جست کرتے پانی سے جو نکلتا ہے پیٹھ اور سینوں کے بیچ سے۔" (قرآن ۸۶:۶-۷)

مسلمان علماء اکثر و بیشتر اس آیت سے متعلق بات کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ کیونکہ غالباً وہ اب تک اس آیت کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کا کوئی طریقہ دریافت نہیں کر سکے۔ اس آیت کے مطابق انسان کی تخلیق ایک بہاؤ پذیر رطوب (اسپرم) کے ذریعے ہوئی ہے۔ جو کہ ریڑھ کی ہڈی اور پسلیوں کے درمیان پیدا ہوتا ہے۔ قرآن کے مطابق یہ وہ جگہ ہے جہاں یہ نطفہ پیدا ہوتا ہے۔

تصویر نمبر ۸.۱

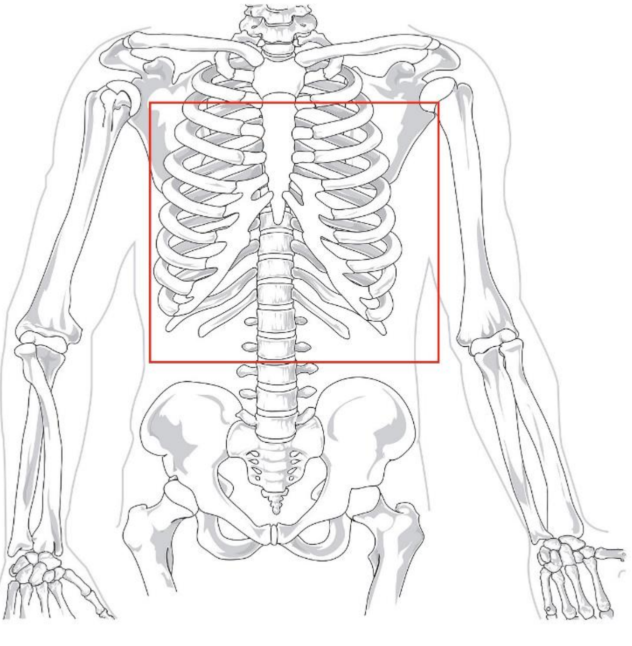

دوسری بہت سی غلط آیات کی طرح مسلمان علماء اس آیت کو زیر بحث لانے سے بھی گریز کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ اس میں من مانی ترامیم کرنے سے قاصر ہیں۔ بھلا کون جان سکتا ہے کہ ہمارے خصیے (ٹیسٹکل) ریڑھ کی ہڈی اور پسلیوں کے درمیان چھپے ہوتے ہیں؟ کچھ مسلمان علماء یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ جو مادہ منی (سیمن) کی تیاری کے لیے ضروری ہوتا ہے پروسٹیٹ گلینڈ (بڑے غدود) سے آتا ہے، جو کہ درست ہے۔ تاہم بڑا غدود بھی ہماری پسلیوں اور ریڑھ کی ہڈی کے نزدیک نہیں پایا جاتا۔

دوسری آیت دعویٰ کر رہی ہے کہ منی اپنے اخراج کے بعد ایک چپچپاتے لوتھڑے میں تبدیل ہو جاتا ہے اور پھر بچے کی جنس کا تعین ہوتا ہے۔

کیا وہ ایک بوند نہ تھا اس منی کا کہ گرائی جائے۔ پھر خون کی پھٹک ہوا تو اس نے پیدا فرمایا پھر ٹھیک بنایا تو اس سے دو جوڑ بنائے مرد اور عورت۔ (قرآن ۷۵:۳۷-۳۹)

ظاہر ہے کہ یہ درست نہیں ہے کیونکہ بچے کی جنس حمل ٹہرنے کے فوراً بعد ہی متعین ہو جاتی ہے۔ قرآن کا یہ دعویٰ اس صحیح حدیث کی توثیق کر رہا ہے:

"رسول اکرم نے فرمایا، ہر رَحم (بچہ دانی) میں اللہ ایک فرشتہ تعینات کرتا ہے، جو کہتا ہے، یارب العالمین! منی کا ایک قطرہ یارب العالمین! جما ہوا خون، یارب العالمین! گوشت کا ایک ننھا سا لوتھڑا۔ پھر اگر اللہ اپنی مخلوق کی تکمیل چاہتا ہے، تو فرشتہ دریافت کرتا ہے۔ یارب العالمین! یہ نر ہو گا یا مادہ؟ بدنصیب ہو گا یا خوش نصیب؟ اور اسے کتنا رزق ملے گا؟ اور اسکی عمر کتنی ہو گی؟ یعنی سب کچھ تحریری طور پر طے کر لیا جاتا ہے۔ جبکہ بچہ ابھی ماں کے پیٹ میں ہی ہوتا ہے۔"

یہ بات انتہائی حیرت انگیز ہے کہ کس طرح مسلمان ان آیات کے سائنسی مزاج سے متعلق دعوے کرتے ہیں۔ مگر فرشتے کی مداخلت کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ جو کہ مکمل طور پر غیر سائنسی ہے۔ اگر مباحثہ کی غرض سے ہم فرشتوں کی موجودگی کو نظر انداز کر بھی دیتے ہیں، تو بھی یہ حدیث، آیت کی تفصیلی وضاحت کر رہی ہے، اور دعویٰ کر رہی ہے کہ منی پہلے جمے ہوئے خون کی شکل اختیار کرتی ہے۔ پھر یہ جما ہوا خون گوشت کے لوتھڑے میں تبدیل ہوتا ہے، اور پھر بچے کی جنس متعین ہوتی ہے۔ حدیث کے بقیہ حصے سے متعلق بحث یہاں غیر ضروری ہے۔

آئیں اب اس مرکزی آیت پر نظر ثانی کرتے ہیں، جسکے بارے میں مسلمان علماء بڑے اعتماد کے ساتھ یہ دعویٰ کرتے ہیں، کہ یہ آیت قرآن کی فراہم کردہ جنینیات سے متعلق جدید ترین معلومات کا واضح ثبوت ہے:

"اور بے شک ہم نے آدمی کو چنی ہوئی مٹی سے بنایا۔ پھر اسے پانی کی بوند کیا۔ ایک مضبوط ٹہراؤ میں۔ پھر ہم نے اس پانی کی بوند کو خون کی پھٹک کیا، پھر خون کی پھٹک کو گوشت کی بوٹی پھر گوشت کی بوٹی کو ہڈیاں پھر ان ہڈیوں پر گوشت پہنایا اور پھر اسے اور صورت میں اٹھان دی تو بڑی برکت والا ہے اللہ سب سے بہتر بنانے والا ہے۔"

(قرآن ۲۳:۱۲-۱۴)

محض آسانی کی خاطر اللہ یہاں دعویٰ کر رہا ہے کہ اس نے انسانوں (میں یہاں مرد کے بجائے انسان کا لفظ استعمال کرنے کو ترجیح دوں گا) کو مٹی سے پیدا کیا۔ چونکہ آدم کی تخلیق کے وقت نطفے کا وجود نہیں تھا۔ لہذا اللہ نے اسے مٹی سے پیدا کیا۔ تاہم جب یہ سلسلہ شروع ہو گیا تو اس نے وہ جادوئی مادہ جسے نطفہ (اسپرم) کہا جاتا ہے، تخلیق کیا۔ اب یہ نطفہ بڑی ہی مظبوطی کے ساتھ شکمِ مادر میں قیام پذیر ہوتا ہے، پھر یہ نطفہ جمے ہوئے خون میں تبدیل ہوتا ہے، پھر یہ ہڈیوں اور گوشت کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور پھر ایک انسان وجود میں آجاتا ہے۔

مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد اوپر بیان کردہ مراحل کو ماں کے پیٹ میں بچے کی نشوونما سے متعلق درست سمجھتی ہے۔ اس آیت کو دو مختلف زاویوں سے دیکھا جا سکتا ہے:

۱۔ بحیثیت ایک عام انسان جو کہ تفصیلات سے تو آگاہ نہیں ہوتا، مگر کسی حد تک دور دور سے مشاہدہ کرتا ہے۔

۲۔ جدید ترین معلومات کی روشنی میں ایک تنقیدی تجزیہ کرنا چاہیئے۔

زاویہ اول

میں جنینیات کا ماہر نہیں ہوں مگر معلومات کے بغیر بھی کہہ سکتا ہوں کہ ہم جب بھی جنسی عمل سے گزرتے ہیں، مرد منی خارج کرتا ہے۔ لہذا اس عمل کا تعلق انسانی بچوں کی تخلیق سے ہے۔ جب یہ منی عورت کے جسم میں داخل ہوتا ہے تو یہ ضرور کچھ ایسا کرتا ہے جسکے نتیجے میں نو ماہ کے اندر اندر ایک انسانی بچہ وجود میں آجاتا ہے۔ یہ سب نہ تو سمجھنا مشکل ہے اور نہ ہی اسکی پیشن گوئی کوئی مشکل کام ہے۔ تاہم مجھے اس پورے عمل سے متعلق تفصیلات کا قطعی علم نہیں کیونکہ اللہ نے یہ تفصیلات فراہم ہی نہیں کیں ہیں۔ بیرونی مشاہدے کی بنیاد پر یہ کہنا بہت آسان ہے کہ یہ منی عورت کے شکم (مضبوط ٹھکانہ) میں قیام کرے گا اور پھر سارا عمل ایک انتہائی چھوٹی شے کے وجود میں آنے سے شروع ہوگا۔ جو کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑی ہوتی جائے گی۔ جیسا کہ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ حاملہ خاتون کے پیٹ کا حجم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتا جاتا ہے۔ یہ تمام وضاحت "مضبوط ٹھکانے" کی حد تک تو مذکورہ بالا آیت کا احاطہ کر رہی ہے۔ جسکا بنیادی مطلب یہ ہے کہ یہ (منی) اندر داخل ہوتا ہے اور وہاں مضبوطی سے قیام پذیر ہو جاتا ہے۔ اس تمام بحث میں اب تک کچھ خاص نظر نہیں آتا۔ لیکن یہ انصاف نہیں ہے۔ قرآن ان تفصیلات کے مقابلے میں تھوڑی زیادہ معلومات مہیا کرتا ہے، جو کہ میں اس دور میں ایک عام آدمی کی حیثیت سے جان سکتا تھا۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ وہ (منی) پہلے جمے ہوئے چپچپے مادے میں تبدیل ہوتا ہے اور پھر گوشت کے لوتھڑے کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ جمے ہوئے چپچپے مادے سے اللہ کی کیا مراد ہے؟ ساتویں صدی سے تعلق رکھنے والے ایک عربی کے طور پر میں غالباً ہمت ہار سکتا تھا اور کہہ سکتا تھا کہ محمد لازمی طور پر خدا کی جانب سے عطا کردہ علم رکھتا ہے۔ کیونکہ میں نہیں جانتا تھا کہ وہ جما ہوا چپچپا مادہ کیا ہے جو کہ آگے چل کر گوشت کے لوتھڑے میں اور پھر ہڈیوں میں تبدیل ہوتا ہے۔ آخر کار ہم ایک نئے بچے کی تخلیق کرتے ہیں---ایک بار پھر---کچھ خاص نہیں ہے۔ لہذا اگر ساتویں صدی سے تعلق رکھنے والے ایک عربی کے نقطہ نظر سے بھی میں اس آیت کو دیکھوں تو مجھے "جمے ہوئے چپچپے مادے" کے سوا کچھ ایسا نہیں ملتا جسکا مشاہدہ میں ذاتی طور پر جنسی فعل کی انجام دہی سے لے کر بچے کی پیدائش تک کے مراحل میں نہ کر سکوں۔

زاویہ دوئم

دوسرا زاویہ جس کے ذریعے ان تمام معاملات پر نظر ڈالی جاسکتی ہے کافی دلچسپ اور یقینی طور پر بہتر ہے۔ کیوں ناں ہم اپنے تصورات کو وسعت دینے کے لیے جدید علم کا استعمال کریں؟ محمد آخر ایسا کیا جانتے تھے جو کہ اس دور کا عام آدمی نہیں جانتا تھا؟ تفصیل میں جانے سے قبل میں، میں مذکورہ بالا آیت میں موجود اُس لفظ کے ترجمے کی بات کرنا چاہوں گا جو کہ اس سارے معاملے میں تنازعہ کی وجہ ہے۔ اس آیت میں محمد نے لفظ "علق" کا استعمال کیا ہے، جو کہ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے:

۱۔ چپچپاتا ہوا جما ہوا خون (درست ترجمہ)

۲-جونک جیسامادہ(ہارون یحیی جیسے مسلمانوں کا استعمال کر دہ ترجمہ)

یہاں یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ آخر اس لفظ "جونک "کا استعمال کیوں کیا جاتا ہے۔ صرف اسلئے کہ وہ مسلمان جو کہ دوسرے ترجمہ کی درستگی پر اصرار کرتے ہیں۔ انکا دعویٰ ہے کہ جنین جونک کا ہم شکل ہوتا ہے۔ جیسا کہ نیچے دی گئی تصویر میں دکھایا گیا ہے:

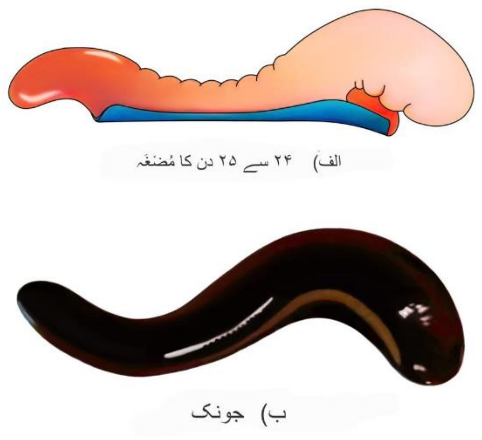

تصویر نمبر ۸.۲

یہ غالباً وہ واحد مرحلہ ہے جہاں مومنین جنین کو کھینچ تان کر اسکے کچھ حصوں کو کاٹ کر اسے جونک کی شکل دینے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ جبکہ در حقیقت محض چوبیس دن پرانا جنین کچھ اس طرح نظر آتا ہے، جس طرح مندرجہ ذیل تصویر میں دکھایا گیا ہے:

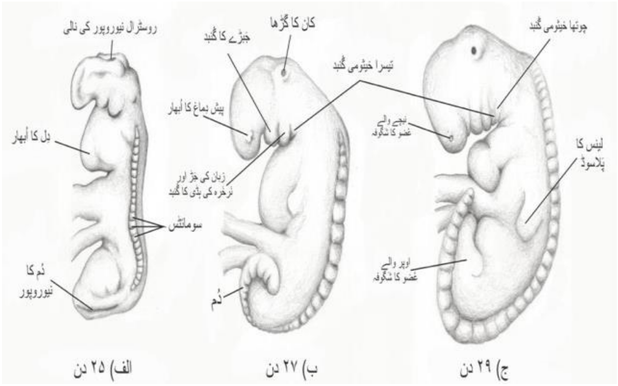

تصویر نمبر ۸.۳

یہ جنین جونک کی نسبت گردے سے زیادہ مشابہہ ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ محمد اس بات سے واقف نہیں تھا کہ گردے کی شکل کیسی ہوتی ہے۔ اگر چہ محمد کے دنیا میں جنم لینے سے قبل بھی بہت سے طبیب گردے، جگر اور دل کی اشکال سے آگاہ تھے۔ ذرا غور کریں کہ کس طرح پہلی تصویر میں دل نکال کر مسلمان عذر خواہ اسے جونک کا ہم

شکل قرار دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی ضروری ہے کہ تمام پرانی تفاسیر میں لفظ "علق" کا ترجمہ "جمے ہوئے خون کے لوتھڑے" کے طور پر کیا گیا ہے، "جونک" کے طور پر نہیں کیا گیا۔ مندرجہ ذیل حدیث دیکھیں:

"اللہ کے سچے رسول نے فرمایا، (تخلیق کے معاملے میں) انسان کو چالیس دن تک ماں کے پیٹ میں رکھا جاتا ہے پھر وہ جمے ہوئے گاڑھے خون میں تبدیل ہوتا ہے اور پھر اتنے ہی عرصے میں وہ گوشت کے ٹکڑے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔" (صحیح بخاری، جلد ۴ کتاب ۵۴، صفحہ ۴۳۰)

اس حدیث کا با آسانی مطلب نکالا جا سکتا ہے کہ محمد کا مقصد یہاں جما ہوا خون تھا جونک کی ہم شکل کوئی شے نہیں تھا۔ اگر ہم "چپچپاتے ہوئے جمے ہوئے خون" کے معنوں پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں جھوٹ مکمل طور پر عیاں ہے۔ کیونکہ جنین کی تخلیق اور بڑھنے کے مراحل میں کوئی مرحلہ ایسا نہیں آتا جب وہ چپچپاتے ہوئے جمے ہوئے خون یا کسی بھی قسم کے خون میں تبدیل ہو جاتا ہو۔ ہمیں اس آیت کا تنقیدی جائزہ کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ بحیثیت ایک عام انسان میں پہلے ہی اس بات کا اظہار کر چکا ہوں کہ اس آیت میں کچھ خاص نہیں ہے۔ لیکن اب بھی اس بات پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ آخر محمد نے اس جانب اشارہ کرنے کی ضرورت کیوں محسوس کی؟ اور آخر وہ اس معاملے میں اتنے پُر اعتماد کیوں تھے؟

بنیادی طور پر قرآن میں شکم مادر میں بچے کی تخلیق کے چار مراحل بیان کئے گئے ہیں:

۱- نطفے کا کسی محفوظ مقام پر ٹھہر جانا (ماں کے پیٹ میں)

۲- چپچپاتا ہوا جما ہوا خون

۳- گوشت اور پھر ہڈیاں

۴- ایک نئی تخلیق کی تکمیل

ایک یونانی طبیب جالینوس جس کا انتقال محمد کی پیدائش سے تقریباً ۵۰۰ سال قبل ۲۱۰ عیسوی میں ہوا۔ اس نے ماں کے پیٹ میں بچے کی تخلیق کے مراحل کو کافی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس نے جو کچھ لکھا ہے اس کے مطابق:

سب سے پہلا مرحلہ یہ ہے کہ نطفہ کی شکل غالب ہی رہتی ہے (نطفہ عربی زبان کا لفظ ہے جو کہ انگریزی لفظ اسپرم کا ہم معنی ہے) جو اسقاط حمل اور جراحی دونوں عملوں کے دوران دیکھا جا سکتا ہے۔ اس وقت حیرت انگیز طور پر بقراط بھی جاندار میں آنے والی اس تبدیلی کو جنین کا نام نہیں دے سکتا تھا۔ جیسا کہ آج کل ہم دیکھتے ہیں کہ اگر چھٹے دن نطفہ رَحم سے خارج ہو جائے تو اسے نطفہ ہی کہا جاتا ہے۔

لیکن جب یہ خون سے بھر جاتا ہے ("جما ہوا چپچپاتا ہوا خون" یا عربی زبان کا "علق") اور دل، دماغ اور جگر تب بھی غیر واضح اور مبہم شکل کے حامل ہوتے ہیں۔ تاہم ان میں اب ایک قسم کی یکجہتی ہوتی ہے اور وہ حجم کے حساب سے بھی کافی بڑے ہوتے ہیں۔ یہ دوسرا مرحلہ ہوتا ہے۔ جنین کا مادہ اب گوشت کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور اب یہ نطفے کا ہم شکل نہیں رہتا۔ اس طرح آپکو معلوم ہوتا ہے کہ بقراط بھی اس شکل کو نطفہ نہیں کہتا تھا۔ بلکہ اسے جنین کہا جاتا ہے۔

اس بات پر بھی غور کریں کہ جالینوس نے اسے "جونک" کے بجائے "خون" کا نام دیا ہے۔ اگر جالینوس کے کام کو باقی سب نے نقل کیا ہے، تو یہ مفروضہ با آسانی قائم کیا جا سکتا ہے کہ محمد نے بھی جالینوس کے کام کے اس حصے کو نقل کیا ہے۔ مزید اگر اللہ کچھ خفیہ معلومات فراہم کرنا چاہتا تھا تو وہ یقیناً اس لفظ سے کہیں بہتر لفظ کا انتخاب کر سکتا تھا۔ جو کہ آگے چل کر **"خون" یا "جونک"** جیسے ابہام کا باعث نہ بنتا۔ اس نے مزید لکھا:

تیسرا مرحلہ اس کے تبعد آتا ہے۔ جس میں کہا جاتا ہے کہ تین بنیادی حصوں اور ایک بیرونی لکیر کا واضح طور پر دیکھا جانا ممکن ہے۔ یعنی تینوں حصوں کا ایک خاکہ (جسے گوشت یا عربی زبان میں "مدغا" کہا جاتا ہے)۔ آپ یہاں تینوں بنیادی حصوں میں آنے والی تبدیلیاں واضح طور پر دیکھیں گے۔ پیٹ کے حصوں میں آنے والی تبدیلیاں تھوڑی مبہم انداز میں نظر آئیں گی اور دیگر اعضاء میں آنے والی تبدیلیاں اس سے بھی کہیں زیادہ مبہم انداز میں نظر آئیں گی۔ کچھ عرصہ بعد یہاں "ٹہنیاں" تخلیق ہوتی ہیں۔ جیسا کہ بقراط نے اسکا اظہار کیا اور "ٹہنی" کی اصطلاح شاخوں سے مشابہت کی بنیاد پر استعمال کی گئی۔

چوتھا اور آخری مرحلہ وہ ہے جب اعضاء کے تمام حصے نمایاں ہو جاتے ہیں، اور اس مرحلے پر آکر ذہین و فطین بقراط اسے محض جنین نہیں کہتا، بلکہ تیار شدہ مکمل "بچہ" کہتا ہے۔ وہ یہ کہتا ہے کہ جب یہ جھٹکے کھاتا ہے اور کسی جانور کی طرح متحرک ہوتا ہے تو یہ مکمل طور پر تخلیق پا چکا ہوتا ہے (ایک نئی تخلیق یا عربی زبان میں "خلق")۔

آپ یہاں واضح طور پر دیکھ سکتے ہیں کہ محمد نے بالکل وہی مراحل بیان کئے ہیں جو جالینوس اس کی پیدائش سے ۵۰۰ سال قبل ہی بیان کر چکا تھا۔ جالینوس کی تحقیق محفوظ تھی اور چھٹی صدی کی آغاز میں اسکا ترجمہ عربی زبان میں کیا گیا۔ جس میں بچے کی تخلیق کے مراحل کو قرآن میں بیان کردہ مراحل کی نسبت ذرا زیادہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ مسلمان علماء کو جالینوس کے کام سے متعلق کافی حد تک آگاہی حاصل ہے۔ اگرچہ انھوں نے اسکے بارے میں سنا بھی نہیں ہے۔

پہلی دو آیات میں جو آخری قابل غور نکتہ ہے وہ یہ ہے کہ بچے کی تخلیق کا وصف مردانہ نطفے سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ جو کہ ایک محفوظ مقام یعنی شکم مادر میں قیام کرتا ہے۔ بچے کی تخلیق میں عورت کے جسم کا کوئی اور کردار یہاں بیان نہیں کیا گیا۔ مثال کے طور پر بیضہ کی فراہمی وغیرہ کی جانب کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ ہم استعاراتی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ نطفہ یا اسپرم خاتون کے جسم میں داخل ہوتا ہے اور پھر بچے کی شکل میں باہر آجاتا ہے۔ مگر ہم جانتے ہیں کہ نطفہ یا اسپرم بالکل بھی کارآمد نہیں ہوگا اگر خاتون کے جسم میں بیضہ ہی موجود نہ ہو۔ اگر کوئی عورت بانجھ ہو یعنی اسکے جسم میں بیضوں کا وجود نہ ہو تو وہ "محفوظ مقام" یعنی رَحم یا بچہ دانی کی موجودگی کے باوجود بچہ پیدا کرنے سے قاصر رہے گی۔ درحقیقت پولی سسٹک اووئیرین سائنڈروم ہارمون میں ہونے والے اس عدم توازن کا نام ہے، جو کہ ایام حیض اور ایام بیض ریزی میں خلل پیدا کرنے کا باعث بنتا ہے۔ بیضہ جات کی عدم تیاری اور عدم موجودگی بانجھ پن کا سب سے عام سبب ہے۔ یہ بلکل وہی غلطی ہے جو کہ جالینوس سے سرزد ہوئی۔ لہذا اسکی نقل

کرنے والے نے بھی اس غلطی کا ارتکاب کیا۔ اب ہم سمجھ سکتے ہیں کہ محمد نے آخر کیوں اس قدر اعتماد کے ساتھ یہ سب کچھ قرآن میں شامل کیا۔ ظاہر ہے اسلئے کہ یہ اس دور کا عام علم تھا۔ جسکے لیے ہم جالینوس کے مشکور ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ محمد کو آخر جالینوس کے کام کے بارے میں کسطرح معلوم ہوا؟

جوندیشاپور جو کہ موجودہ ایران کے جنوب مشرقی حصے میں واقع ہے۔ وہاں علم الادویات اور طب سے متعلق ایک عظیم تعلیمی ادارہ ہوا کرتا تھا۔ اس دور میں حارث ابن کلادہ نامی ایک عرب طبیب ہوا کرتا تھا۔ جس نے طب کی مزید تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے جوندیشاپور کا دورہ کیا۔ جب حارث واپس مکہ پہنچا تو محمد نے اپنے صحابہ کو علاج کی غرض سے حارث کے پاس بھیجا۔ یہ مفروضہ بڑی سہولت کے ساتھ قائم کیا جاسکتا ہے کہ حارث جالینوس کے کام سے آگاہ تھا اور اس نے یہ معلومات محمد تک انکے بیمار صحابہ کے ذریعے منتقل کر دیں۔ جب محمد تخلیق کے ان مراحل کو اپنے مصنف عبداللہ ابن ابی السرح کے سامنے بیان کر رہے تھے، جس نے محمد کے دیگر اصحاب کی طرح کہا" خدائے بزرگ برتر جو کہ تمام خالقوں سے بہتر ہے" - محمد نے یہ الفاظ بھی آیت میں شامل کر لئے یہ جانتے بوجھتے ہوئے کہ یہ خدا کے الفاظ نہیں ہیں۔

یہاں اس بات کا تذکرہ نہایت ضروری ہے کہ عبداللہ بن ابی السرح نے کافی مرتبہ محمد کے اس رویے کو محسوس کر کے اسلام سے کنارہ کشی اختیار کی۔ اس نے واضح طور پر محسوس کرتا تھا کہ محمد مختلف آیات میں من مانی تخفیف اور اضافہ کرتا ہے۔ جو کہ اس بات کا واضح ثبوت تھا کہ وہ آیات دراصل خدا کے الفاظ نہیں بلکہ خود محمد کی اپنی تخلیق کردہ ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ جب فتح مکہ ہوا تو محمد نے عبداللہ بن ابی السرح کے قتل کا حکم جاری کر دیا اور اس کی زندگی کے بدلے کوئی تاوان قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

میٹھے اور نمکین پانی سے متعلق غلطی

کچھ قدرتی مظاہر ایسے ہیں جنھیں نہ صرف جدید سائنس نے سمجھ لیا ہے بلکہ انکی وضاحت بھی کر دی ہے۔ تاہم مسلمان اب بھی اپنی مقدس کتاب یعنی قرآن میں فراہم کردہ معلومات کو جدید سائنسی معلومات پر ترجیح دینے پر اصرار کرتے ہیں۔ مندرجہ ذیل دو آیات ملاحظہ کیجئے:

"اور وہی ہے جس نے ملے ہوئے رواں کئے دو سمندر یہ میٹھا ہے نہایت شیریں اور یہ کھاری ہے نہایت تلخ اور انکے بیچ پردہ رکھا اور روکی ہوئی آڑ۔" (قرآن ۲۵:۵۳)

"اس نے دو سمندر بہائے کہ دیکھنے میں معلوم ہوں ملے ہوئے۔ اور ہے ان میں روک کہ ایک دوسرے پر بڑھ نہیں سکتے۔" (قرآن ۵۵:۱۹-۲۰)

ان دو آیات میں اس بات کا اظہار واضح طور پر کیا گیا ہے کہ اللہ نے میٹھے اور نمکین پانی کے درمیان ایک آڑ تخلیق کی ہے۔ لہذا یہ آپس میں کبھی مل نہیں سکتے۔ اگر آپ درحقیقت اس مقام کو دیکھیں جہاں میٹھے اور نمکین پانی آپس میں ملتے ہیں، تو کچھ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے یہ دونوں اقسام کے پانی ایک دوسرے میں حل نہیں ہو رہے۔ مزید آپ دونوں پانیوں یعنی میٹھے اور کھارے پانی کے رنگوں کے درمیان واضح فرق بھی محسوس کر سکتے ہیں۔ محمد کا غالباً یہی خیال تھا جس کے مطابق دریاؤں کا میٹھا پانی سمندر کے کھارے پانی سے آلودہ نہیں ہوتا۔

پہلا نکتہ یہ ہے کہ دریاؤں کا پانی سمندروں کے پانی سے آلودہ اسلئے نہیں ہوتا کیونکہ دریا سمندر کی نسبت زیادہ اونچائی پر واقع ہوتے ہیں۔ لہذا یہ ہمیشہ دریا ہوتے ہیں جنکا پانی سمندر میں گرتا ہے۔ سمندر کا پانی دریاؤں میں نہیں گرتا (ایسا صرف اُس وقت ہوتا ہے جب تمام دنیا میں سطح سمندر بلند ہو جاتی ہے، مگر یہ صورت حال رونما ہونے کی صورت میں نئے دریا تشکیل پاتے ہیں۔ جو کہ اوسط سطح سمندر سے بلند ہوتے ہیں)۔ ایک مسلمان سوال کر سکتا ہے کہ دریاؤں اور سمندروں کے درمیان آڑ کیوں حائل ہے؟ اس سوال کا جواب بے حد سادہ اور آسان ہے: میٹھے پانی کی کثافت کھارے پانی یعنی سمندری پانی کی کثافت سے مختلف ہوتی ہے۔ تو جب یہ آپس میں ٹکراتے ہیں تو بے حد آہستگی کے ساتھ آپس میں حل ہوتے ہیں۔

اگر دریاؤں کا پانی سمندری پانی میں حل نہ ہو رہا ہوتا تو ساری دنیا میں پانی کی سطح یکساں نہ ہوتی۔ ہم جانتے ہیں کہ دنیا کا درجہ حرارت بڑھ رہا ہے جسکی وجہ سے سطح سمندر بلند ہو رہی ہے۔ ایک مسلمان جو کہ میٹھے اور کھارے پانی کے آپس میں حل پذیر ہونے پر یقین نہیں رکھتا، وہ سطح سمندر کے بلند ہونے کو بھی تسلیم نہیں کرے گا۔ کیونکہ یہ سطح کبھی بلند نہیں ہو سکتی، اگر میٹھا اور کھارا پانی ایک دوسرے میں حل نہ ہو۔ آپ ایک خالی گلاس کو آدھا سمندری پانی سے اور آدھا نلکے کے میٹھے پانی سے بھریں اور مشاہدہ کریں۔ اس سادہ سے تجربے کا نتیجہ آپ کی قرآنی آیات کو باطل قرار دینے کے لیے کافی ہو گا۔

فرعون کی لاش

قرآن غلط فہمیوں اور کم علمی کا مرقع ہے، اور اس میں حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے۔ مندرجہ ذیل قرآنی آیت کو دیکھیں:

"اور ہم بنی اسرائیل کو دریا پار لے گئے تو فرعون اور اسکے لشکروں نے اسکا پیچھا کیا۔ سرکشی اور ظلم سے یہاں تک کے اسے ڈوبنے نے آلیا بولا میں ایمان لایا کہ کوئی سچا معبود نہیں سوا اسکے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں مسلمان ہوں۔ کیا اب اور پہلے سے نافرمان رہا اور تو فسادی تھا۔ آج ہم تیری لاش کو اترا دیں گے کہ تو اپنے پچھلوں کے لیے نشانی ہو اور بے شک لوگ ہماری آیات سے غافل ہیں۔"

(قرآن ۱۰:۹۰-۹۲)

مسلمان ان آیات کو کچھ اس طرح لیتے ہیں کہ جیسے اللہ لوگوں کو بتا رہا ہو کہ ان سے پہلے ایک شخص فرعون بے ایمان تھا۔ اللہ نے اسکی لاش کو محفوظ کر دیا۔ تا کہ وہ ان لوگوں کے لیے ایک عبرت کا نشان بن سکے جو اللہ کی نافرمانی کی جرات کرتے ہیں۔ یہ وہ بات ہے جو اللہ کہہ رہا ہے مگر اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ سوائے اس معلومات کے کہ تقریباً تمام فرعونوں کی لاشوں کو حنوط کر کے محفوظ کر لیا گیا تھا اور یہ محمد کے دور کی ایک جانی مانی حقیقت تھی۔

مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ فرعون کی لاش کی باقیات کا مشاہدہ کرنے کے بعد سائنس یہ بات ثابت کر چکی ہے کہ اسکی موت ڈوبنے کے باعث ہوئی۔ یہ خاص طور پر کہا جاتا ہے کہ بحیرہ احمر میں پیدا ہو جانے والے شگاف کے راستے فرعون، موسیٰ کا پیچھا کر رہا تھا۔ جب اللہ نے اس شگاف کو پُر کر دیا تو فرعون نے اسلام قبول کر لیا۔ اگلی آیت میں کہا جاتا ہے کہ، "ہم تمھارے جسم کو محفوظ کر دیں گے تا کہ تم ان لوگوں کے لیے نشانِ عبرت بن سکو، جو کہ تمھارے بعد آنے والے ہیں۔" جب ہم کسی کے بارے میں

یہ کہتے ہیں کہ وہ صرف جسمانی طور پر زندہ ہے تو اسکا مطلب عام طور پر یہ ہوتا کہ جس شخص کی ہم بات کر رہے ہیں وہ بمشکل زندہ ہے۔ یہ اصطلاح استعاراتی طور پر کسی بے حد برے یا ظالم انسان کے لیے بھی استعمال کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ وہ خود تو زندہ ہے مگر اسکا ضمیر مر چکا ہے۔ دونوں طرح سے مذکورہ بالا آیت فرعون کی حقیقی موت کے بارے میں کوئی وضاحت نہیں کرتی ہے۔

لیکن چونکہ یہ ان آیات کی محض وہ وضاحت ہے جسے مسلمان درست سمجھتے ہیں۔ لہذا ہم زاویہ دوئم کا اطلاق بھی کریں گے۔ ماہرین مصریات بنا کسی اختلاف کے فرعون کی زندگی کے بارے میں کی گئی اس اسلامی وضاحت کو رد کرتے ہیں۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ صریح جھوٹ کہاں سے آیا؟ سب سے پہلا اور واحد شخص جس نے یہ دعویٰ کیا کہ فرعون کی لاش کی باقیات یہ ثابت کر رہی ہیں کہ اسکی موت ڈوبنے کے باعث واقع ہوئی، وہ ڈاکٹر موریس بکائل تھا۔ اس سے پہلے کہ ہم ڈاکٹر بکائل کے دعوے کی تفصیلات سے متعلق جاننے کی مزید کوشش کریں، یہ جاننا انتہائی ضروری ہے کہ ڈاکٹر بکائل در حقیقت کون ہے؟

ڈاکٹر موریس بکائل ایک فرانسیسی طبیب تھا اور فرانسیسی سوسائٹی برائے مصریات کا ایک رکن تھا۔ بنیادی طور پر یہ ایک عام ڈاکٹر تھا۔ جیسا کہ وہ ڈاکٹر ہوتے جن کی اپنی ایک دکان ہوتی ہے۔ جہاں پر آپ بیماری کی صورت میں بغرض علاج جاتے ہیں۔ وہ سوسائٹی برائے مصریات کا رکن ضرور تھا مگر اسکا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ وہ بذات خود مصریات کا ماہر تھا۔ بالکل اسی طرح جس طرح شوقیہ طور پر قائم کئے گئے کسی فلکیاتی تحقیقاتی ادارے کی رکنیت مجھے ماہر فلکیات نہیں بنا سکتی۔ ماہر فلکیات بننے کے لیے مجھے آسٹروفزکس میں پی ایچ-ڈی یا اسکے مساوی کچھ کرنا پڑے گا۔ ڈاکٹر بکائل بھی مصریات یا بشریات سے متعلق کسی باضابطہ تربیت کا حامل نہیں تھا۔

تو آخر کس بنیاد پر ڈاکٹر بکائل نے ۱۹۷۳ میں یہ دعویٰ کیا؟ ڈاکٹر بکائل سعودی عرب کے بادشاہ شاہ فیصل کا خاندانی طبیب بنا۔ سعودی دین اسلام کی ترویج و اشاعت کی ایک باقاعدہ تاریخ رکھتے ہیں۔ اب بھلے وہ ترویج و اشاعت جبر و تشدد یا پھر زبانی تبلیغ کے ذریعے کی گئی ہو۔ ڈاکٹر بکائل نے فرعون کی حنوط شدہ لاش کا معائنہ ۱۹۸۰ میں کیا۔ جب یہ لاش فرانس لائی گئی اور اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ لاش پر موجود نمک کے ذرات اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ اس کی موت سمندر میں ڈوبنے کے باعث واقع ہوئی۔ مزید اس نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ فرعون کی لاش ساحل پر سمندری پانی سے بھیگتی رہی اور پھر مصریوں نے اسے وہاں سے اٹھا کر حنوط کیا۔ کہانی اس وقت آگے بڑھی جب ڈاکٹر بکائل کو مذکورہ بالا آیات کے بارے میں بتایا گیا، اور انہوں نے (بنا کسی مستند ثبوت) جوش میں آ کر کہا، "میں اسلام قبول کرتا ہوں۔" میں کسی بھی ایسے مشہور و معروف ماہر مصریات سے واقف نہیں ہوں جس نے ڈاکٹر بکائل جیسا دعویٰ کیا ہو۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ قرآنی آیات میں یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ وہ (فرعون) غرق ہوا، پھر اسکا جسم سمندری پانی میں بھیگتا رہا اور پھر اسے حنوط کر دیا گیا۔ لاشوں کو حنوط کرنا مصر کا ایک عام رواج تھا۔ یونانی تاریخ دان ہیروڈوٹس (جسے بابائے تاریخ کے نام سے بھی جانا جاتا ہے) نے پانچویں صدی قبل مسیح میں مصر میں رائج لاشیں حنوط کرنے کے رواج سے متعلق لکھا ہے۔ یعنی اُس دور میں بھی تعلیم یافتہ یونانی، مصر میں رائج اس رسم سے بخوبی آگاہ تھے۔ آنے والی صدیوں میں تعلیم یافتہ رومیوں نے اس یونانی ادب سے واقفیت حاصل کر لی۔ لہذا وہ بھی مصر میں رائج اس قدیم رسم سے آگاہ ہو گئے۔ اب اگر ہم قرآنی آیات کو بطور دعویٰ لیں کہ اللہ نے فرعون کی لاش کو محفوظ کر دیا تو اس دعوے کو ہر گز سنجیدگی سے نہیں لیا جا سکتا۔ کیونکہ قدیم مصری فرعون کی پیدائش سے طویل عرصہ قبل اپنے بادشاہوں کی لاشیں حنوط کرتے چلے

آرہے تھے۔ مزید ڈاکٹر بکائل کی یہ دریافت اس حقیقت کو نظر انداز کر رہی ہے کہ موت کے وقت فرعون کی عمر ۹۰ سال تھی اور اسکی جسمانی حالت بالکل بھی اس قابل نہیں تھی کہ وہ اپنی بگھی میں سوار ہو کر بھی موسیٰ کا پیچھا کر پاتا۔ وہ گٹھیا کے مرض کا شدت سے شکار تھا۔ لہذا بگھی پر سوار ہو کر غیر ہموار راستے پر سفر کرنا (جسکے لیے کافی حد تک توانائی درکار ہوتی ہے) تو دور کی بات اسکے لیے تو چلنا بھی ممکن نہیں تھا۔

سب سے آخری بات یہ کہ فرعون کی لاش پر موجود نمک دراصل وہ مادہ ہے جسے قدیم مصری لاشیں حنوط کرنے کی غرض سے ان پر لگانے کے لیے استعمال کیا کرتے تھے۔ بالکل اسی طرح کا نمک نما مادہ تمام حنوط شدہ لاشوں پر موجود ہے۔ اگر ہم ڈاکٹر بکائل کے دعوے کو سنجیدگی سے لیں تو ہمیں یہ مفروضہ قائم کرنا پڑے گا کہ تمام فرعونوں کی اموات سمندر میں ڈوبنے کے باعث ہوئیں۔ ڈاکٹر بکائل اس نمک نما مادے کے بارے میں ضرور جانتا اگر اس نے دیگر حنوط شدہ لاشوں کا معائنہ کیا ہوتا۔ مجھے اس بات پر تعجب ہے کہ ڈاکٹر بکائل نے یہ نتیجہ آخر کیونکر نکال لیا کہ فرعون کی موت ڈوبنے کے باعث ہوئی۔

اگرچہ ڈاکٹر بکائل نے باضابطہ طور پر کبھی اسلام قبول نہیں کیا۔ لیکن اگر ہم مسلمانوں کے اس دعوے کو تسلیم کر بھی لیں کہ اس نے درحقیقت ایسا کیا تھا تو بھی ایک شخص کا یہ عمل کہ وہ ایک مبہم آیت پر کہہ اٹھے کہ "میں اسلام قبول کرتا ہوں" اسکی ذہانت کی اچھی نقشہ کشی نہیں کرتا۔ ڈاکٹر بکائل کے دفاع میں، میں یہ کہنا چاہوں گا کہ میں نہیں سمجھتا کہ وہ کوئی کم ذہانت کے حامل شخص ہیں۔ لہذا مجھے شک ہے کہ انھوں نے فرعون کی حنوط شدہ لاش کا مشاہدہ کرنے کے بعد کبھی کہا ہوگا کہ "میں اسلام قبول کرتا ہوں۔" اگر انھوں نے اسلام قبول کیا بھی تھا تو یہ کوئی انہونی بات نہیں ہے بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اپنے مذہب کو خیر باد کہہ کر دوسرا مذہب اختیار کر لیتے ہیں۔ مگر تبدیلی مذہب کا یہ جواز بلاشبہ بہت کمزور ہے

پہاڑوں سے متعلق معلومات

زیر نظر آیات کو سائنسی معجزہ ثابت کرنے کے لئے اتنی زیادہ شدت کے ساتھ کوششیں نہیں کی گئیں، جتنی شدت کے ساتھ اوپر بیان کردہ آیات کو معجزہ ثابت کرنے کی غرض سے کی جاچکی ہیں۔ تاہم کچھ جدید مسلمان علماء ان کے بارے میں دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ اپنے مصنف کی الوہیت کا ثبوت ہیں۔

کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنایا؟ اور پہاڑوں کو چھڑی کی مانند نہیں بنایا؟ (قرآن ۷۸:۶-۷)

اور اس نے زمین میں لنگر ڈالے کہ تمھیں لے کر نہ کانپے اور ندیاں اور راستے بنائے کہ تم راہ پاؤ- (۱۶:۱۵)

اگر آپ مسلمان بھی ہیں تو بھی غالباً یہ سوچ سکتے ہیں کہ ان آیات میں کچھ بھی خاص نہیں ہے۔ آپ بالکل درست ہیں، ان میں واقعی کچھ بھی خاص نہیں ہے۔ بنیادی طور پر یہ آیات یہ کہہ رہی ہیں کہ اللہ نے زمین کو انسانوں کے لیے بحیثیت قیام گاہ بنایا اور اس پر پہاڑ تخلیق کیے۔ ظاہر ہے کہ اس آیت میں کچھ خاص نہیں کیونکہ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ پہاڑ ہوا میں معلق نہیں ہوتے بلکہ زمین پر ہی موجود ہیں۔ دوسری آیت نہایت سادہ انداز میں کہہ رہی ہے کہ ہم نے بڑی مضبوطی کے ساتھ پہاڑوں کو زمین پر قائم

کیا تا کہ یہ حرکت نہ کر سکیں۔ پہلی نظر میں ان آیات میں کچھ خاص نظر نہیں آتا، لیکن ہمیشہ کی طرح جدید علماء ان مبہم آیات کو توڑ مروڑ کر ان میں سے اپنے من مانے مطالب نکال ہی لیتے ہیں۔ کچھ مسلمان علماء جیسے کہ ایک ویب سائٹ (اسلامک گائیڈ ڈاٹ کام) کے مبلغین ان آیات کا ترجمہ اور تشریح کچھ اس طرح کرتے ہیں:

"کیا ہم نے زمین کو بچھونے کی مانند نہیں بنایا اور پہاڑوں کو میخوں کی مانند نہیں بنایا؟" (۸۷:۶-۷)

یہاں لفظ "میخوں (وہ دھاتی اشیاء جو کہ خیموں کو زمین پر گاڑنے کے کام آتی ہیں)" کا استعمال کر کے علماء یہ کہہ رہے ہیں کہ پہاڑ جنھیں آپ زمین کی سطح سے اوپر دیکھتے ہیں وہ سطح زمین سے نیچے گہری جڑیں رکھتے ہیں۔ مندرجہ ذیل تصاویر دیکھیں:

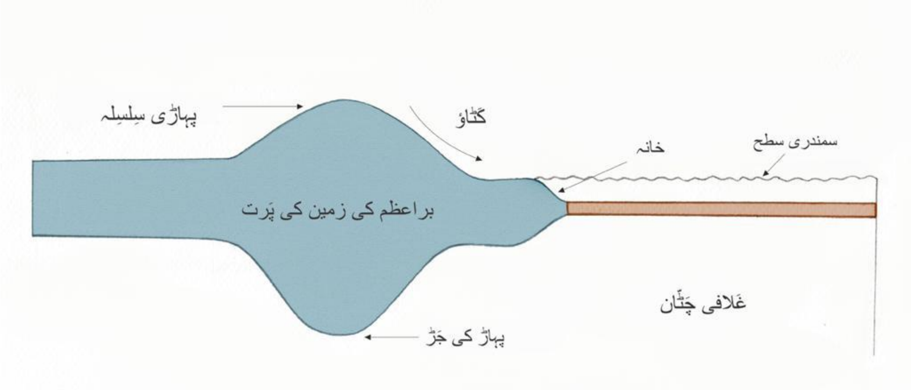

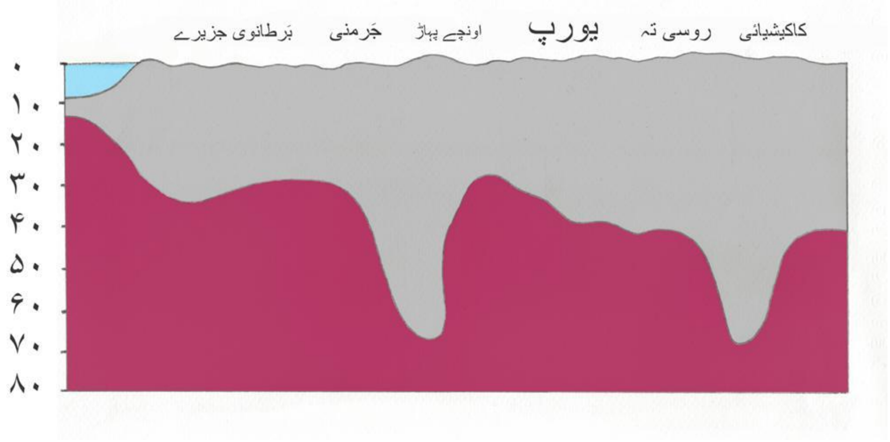

اگر آپ ان تصاویر پر ایک نظر ڈالیں تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ واہ--- قرآن تو واقعی خدا کی کتاب ہے۔ تاہم ان مسلمان علماء کی زیادہ تر تشریحات کی طرح یہ تصاویر بھی دھوکے پر مبنی اور بے حد سوچ بچار کے بعد منتخب کردہ ہیں۔

پہلا نکتہ یہ ہے کہ کیا واقعی پہاڑ زیر زمین جڑیں رکھتے ہیں؟ اگر چہ اس دعوے سے محمد واقف نہیں تھا اور یہ اتنا ہی نا قابل اعتبار دعویٰ ہے جتنا کہ فرعون کا بگھی میں سوار ہو کر موسیٰ کے تعاقب سے متعلق دعویٰ تھا۔ پہاڑوں کی جڑوں یا بنیادوں سے متعلق حوالہ جات ان کتابوں میں موجود ہیں جو کہ محمد کی پیدائش سے پہلے لکھی گئیں۔ ایوب کی اس آیت پر غور کریں:

لوگ چقمق چٹان پر اپنے ہاتھوں سے حملہ کرتے ہیں اور پہاڑوں کی بنیادوں کو ننگا کر دیتے ہیں۔

(قرآن ۲۸:۹)

اور یونس کے بارے میں کیا خیال ہے؟

میں پہاڑوں کی جڑوں تک دھنس گیا۔ مجھے ہمیشہ کے لیے زمین کے نیچے روک دیا گیا۔ لیکن خداوند نے میری زندگی کو گڑھے سے نکال۔ (قرآن ۲:۶)

مسلمانوں کے برعکس عیسائی انجیل کی نوک پلک سنوارنے اور جدید سائنسی معلومات کو اس کے ساتھ نتھی کرنے کے عمل میں بہت زیادہ ماہر نہیں ہیں۔ محمد نے دیگر قصوں کی طرح یہ قصہ بھی غالباً انجیل سے ہی مستعار لیا ہے۔ کچھ مسلمانوں کا یہ کہنا ہے چونکہ انجیل بھی خدا کا کلام ہے۔ اگر چہ اس میں لوگوں نے اپنی من مانی تبدیلیاں کر کے اسے غیر معتبر کر دیا ہے۔ لیکن اب بھی اس میں کافی حد تک خدا کی فراہم کردہ معلومات موجود ہیں۔ جیسا کہ پہاڑوں کی زیر زمین بنیادیں، طوفان نوح، آدم اور حوا کا قصہ وغیرہ۔

دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ میخیں، جڑیں یا چھڑیاں پہاڑوں کی گہرائی کی وضاحت کرنے کے لئے بہترین مثالیں نہیں ہیں۔ اگر ہم مختلف جڑے ہوئے پہاڑوں (جیسا کہ ہمالیہ، ایلپس اور کوہِ اینڈس وغیرہ) پر نظر ڈالیں تو ہم دیکھ سکتے ہیں کہ یہ پہاڑ کچھ اس طرح تشکیل پاتے ہیں۔ جب دو ارضیاتی پرتیں ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں اور پھر ٹکراؤ کی رفتار مادے کو اوپر آسمان کی جانب اور نیچے زمین کے اندرونی حصے کی جانب دھکیل دیتی ہے، تو اس کے نتیجے میں پہاڑی سلسلے کی تشکیل ہوتی ہے۔ یہ درست ہے کہ پہاڑ کا وہ حصہ جو کہ زمین کے سطح کے اوپر واقع ہوتا ہے اس حصے کی نسبت کہیں زیادہ چھوٹا ہوتا ہے جو کہ زمین کی سطح کے نیچے واقع ہوتا ہے۔ تاہم میخیں، کیلیں اور چھڑیاں سب کی سب مثالیں گہری جڑوں یا بنیادوں کے ساتھ (پہاڑ کے) اوپری حصے کے تصور سے اخذ شدہ ہیں۔ جبکہ یہ پہاڑ زمین کے دو حصوں کے زوردار طریقے سے ٹکراؤ کے نتیجے میں وجود میں آتے ہیں۔ اللہ نے اپنے ہاتھوں سے بڑی چٹانوں کو زمین میں ٹھونکا نہیں ہے۔ بہترین مشابہت اس وقت نظر آتی ہے جب مکھن کے دو ٹکڑوں کو ذرا قوت کے ساتھ آپس میں ٹکرایا جائے۔ نتیجے کے طور پر آپکو مکھن کا ایک بڑا ٹکڑا حاصل ہو گا جس میں مکھن کا کچھ حصہ اوپر کی جانب اور کچھ حصہ نیچے کی جانب ہو گا۔ یہ تجربہ پہاڑوں کی تخلیق اور انکی شکل وہیت دونوں کی وضاحت کر دے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ علم ساتویں صدی سے تعلق رکھنے والے ایک عربی کے لحاظ سے کافی زیادہ ہے۔ لہذا ہمارے پاس اس طرح کی کوئی آیت موجود نہیں ہے۔ مزید بحیثیت میخ ایک پہاڑ کی جڑ کی وضاحت درست نہیں ہے۔ کیونکہ بنیاد یا جڑ کسی واحد پہاڑ کا حصہ نہیں ہے، بلکہ ایک مکمل پہاڑی سلسلے کا حصہ ہے۔ ایک بہتر آیت وہ ہوتی جو اس حقیقت کی جانب اشارہ کرتی کہ ایک سلسلے میں موجود تمام پہاڑ زیر زمین ایک مشترکہ بنیاد رکھتے ہیں۔

تاہم فقرہ "پہاڑ بطور میخ" اس بات کی جانب دلالت کرتا ہے کہ جیسے ایک پہاڑ ہے جسکا کچھ حصہ زمین کی سطح کے نیچے واقع ہے۔ جو کہ ظاہر ہے کہ درست نہیں ہے۔ یہ آیت اس وقت زیادہ درست معلوم ہوتی جب کسی واحد پہاڑ کی بات کی جارہی ہوتی۔ جیسا کہ تصویر ۴.۷ میں دکھایا گیا ہے۔ تاہم جُڑے ہوئے پہاڑ جو کہ پہاڑی سلسلے ہیں وہاں بہت سے پہاڑ واحد بنیاد یا جڑ رکھتے ہیں۔

مبہم آیات کے ساتھ یہی مشکل ہے کہ لوگ انکی تشریحات من مانے انداز میں کرسکتے ہیں۔ ذرا تصور کریں کہ اگر پہاڑوں کی تخلیق کا طریقہ یہ ہوتا کہ خلا میں تیرتے ہوئے چٹانوں کے ٹکڑے زمین کی سطح سے ٹکراتے اور زمین سے ٹکرا کر ٹوٹنے پھوٹنے کے بجائے ان ٹکڑوں کا ۷۰ فیصد حصہ زمین میں دھنس جاتا اور ۳۰ فیصد حصہ زمین کی سطح سے باہر رہ جاتا۔ اگر یہ صورت حال ہوتی تو یہ اللہ کے الفاظ کی بالکل درست وضاحت ہوتی:

ہم نے زمین پر پہاڑ بنائے اور انھیں زمین کے اندر مضبوطی سے میخوں کی مانند ٹھہرایا۔

اللہ کا مطلب غالباً وہ ہے جو میں نے بعد میں بیان کیا بجائے اسکے جو کہ میں نے پہلے بیان کیا۔ بہر حال قرآنی نقطہ نظر سے ہر شے بے حد سادہ ہے۔ زمین پھیلائی گئی ہے اور آسمان نظر نہ آنے والے ستونوں پر قائم ہے۔ آسمان کسی کتابچے کی طرح لپیٹ دیئے جائیں گے۔ یہ سب کچھ سائنس کے بجائے شاعری کی مانند معلوم ہوتا ہے۔

تیسرا سب سے آخری نکتہ یہ ہے کہ پرت والے پہاڑ، پہاڑ کی واحد قسم نہیں ہیں۔ پہاڑوں کی دیگر کئی اقسام بھی ہیں۔ جیسا کہ مقطوعہ پہاڑ، آتش فشاں پہاڑ، سطح مرتفع پہاڑ اور گول گنبد نما پہاڑ وغیرہ وغیرہ۔ ذرا اس آتش فشاں پہاڑ کی عمودی تراش کا مشاہدہ کریں۔ یہاں آپ واضح طور پر دیکھ سکتے ہیں کہ اس پہاڑ کی جڑ یا بنیاد کسی بھی طرح ایک میخ یا چھڑی سے مشابہہ نہیں ہے۔

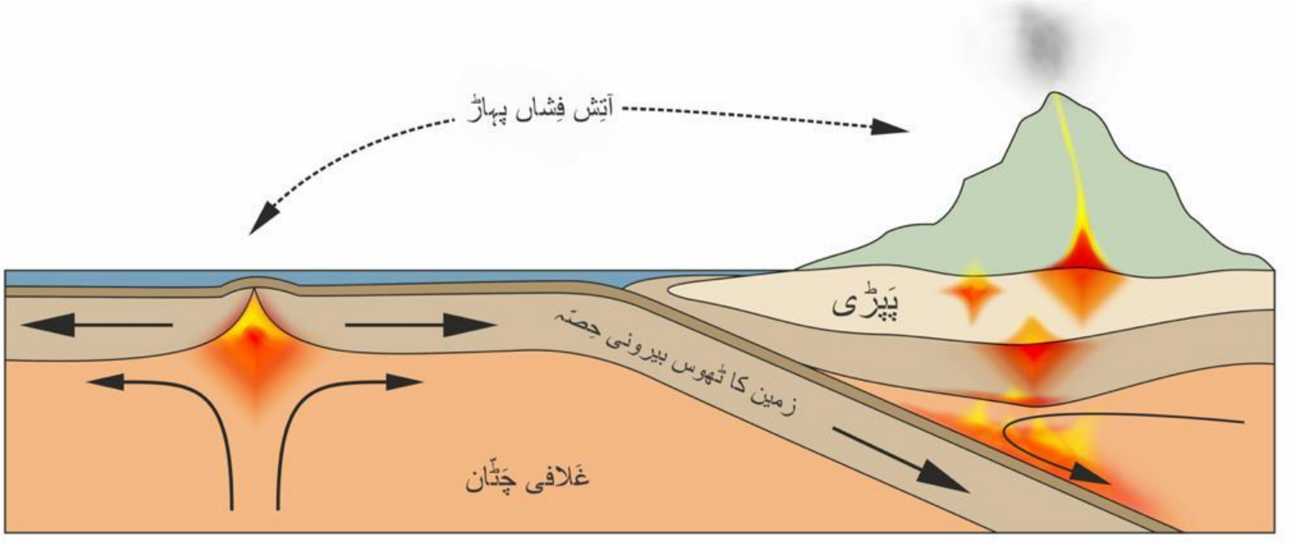

یا پھر نیچے دیئے گئے سطح مرتفع پہاڑ کی عمودی تراش پر غور کریں۔ یہاں بھی کوئی چھڑی یا میخ کی ہم شکل بنیاد یا جڑ موجود نہیں ہے۔

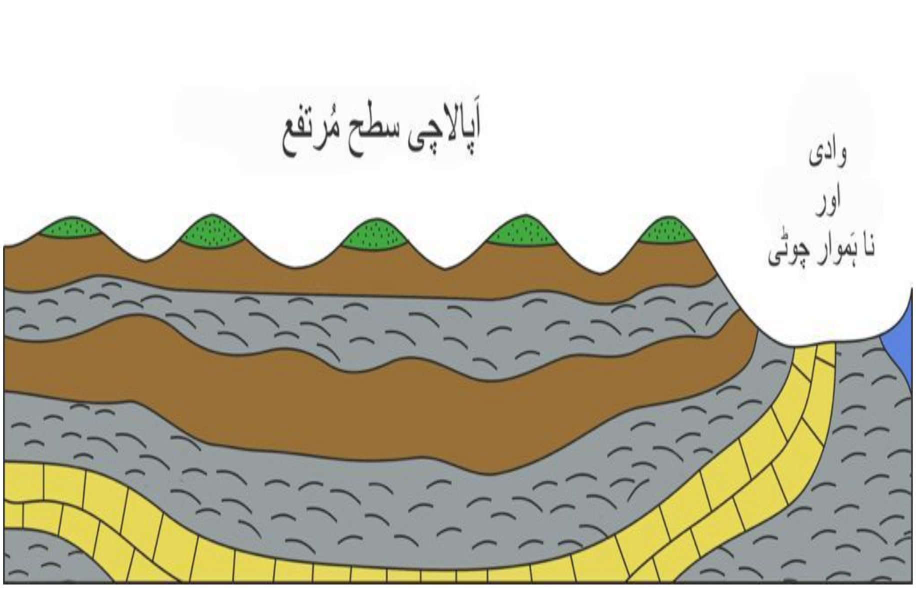

یہاں میں یہ کہنا چاہوں گا کہ اگر آپ محاورتاً بات کر رہے ہیں تو آپ پہاڑ کے زیر زمین حصے کو میخ یا چھڑی سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔ مگر آپ اس تشبیہ کو بحیثیت سائنسی حقیقت تسلیم نہیں کر سکتے۔ اگر خدا کی جگہ میں ہوتا تو اس آیت کو کچھ یوں تحریر کرتا:

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کس طرح ہم نے پہاڑ تخلیق کرنے کے لیے زمین کی پرتوں کو آپس میں ٹکرایا، اگرچہ انھیں تخلیق کرنے کے لیے ہمارے پاس دیگر طریقے بھی تھے۔

اگر اللہ یہ چاہتا کہ ہم اس پر ایمان لے آئیں تو یقیناً وہ ہمیں ان مبہم آیات کی نسبت کہیں زیادہ بہتر آیات عطا کرتا۔

سمندروں کا اندھیرا

"یا جیسے اندھیریاں کسی کنڈے کے دریا میں اس کے اوپر موج اور موج کے اوپر اور موج اس کے اوپر بادل اندھیرے ہیں۔ ایک پر ایک جب اپنا ہاتھ نکالے تو سجھائی دیتا معلوم نہ ہو اور جسے اللہ نور نہ دے اس کے لیے کہیں نور نہیں ہے۔" (قرآن ۲۴:۴۰)

میں اس آیت کو یہاں شامل کرنے نہیں چاہتا تھا کیونکہ اس میں کچھ ذرا بھی خاص نہیں ہے۔ لیکن چونکہ میں قرآنی موضوعات کا زیادہ سے زیادہ احاطہ کرنا چاہتا تھا، لہٰذا میں نے اسے یہاں شامل کرنے کا فیصلہ کیا۔ سمندر کی تہہ میں تاریکی ہے یہ جاننے کے لیے کسی بھی شخص کو سمندر کی تہہ میں اترنے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ اگر آپ دریا میں جھانکنے کی کوشش کریں تو محسوس کریں گے کہ یہ تہہ کی جانب تاریک سے تاریک تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ میں نے اس بات کا مشاہدہ اس وقت کیا جب زندگی میں پہلی بار میں نے سمندر میں تیراکی کی۔ آیت کا بقیہ حصہ جو کچھ بتاتا ہے وہ بھی بالکل واضح ہے۔ سمندر کی تہہ میں تاریکی ہے۔ (سمندر کی سطح سے محض چالیس میٹر کی گہرائی پر یہ

تاریک ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ مگر یہاں تاریکی کا موازنہ حقیقی تہہ کی تاریکی سے نہیں کیا جاسکتا)۔ یہاں لہروں کے اوپر لہریں ہوتی ہیں اور پھر بادل ہوتے ہیں۔ ایک دس سالہ بچہ بھی ان تمام چیزوں کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔

قرآن اور دماغ کا بالائی حصہ

دیکھو اگر وہ باز نہ آئے گا تو ہم اسے سر کے اگلے حصے سے پکڑ کر کھینچیں گے۔ یعنی اس جھوٹے خطاکار کے سر کے اگلے حصے کو کھینچیں گے۔ (قرآن ۹۶:۱۵-۱۶)

پہلا نکتہ: میں یہ دیکھ کر ہمیشہ محظوظ ہوتا ہوں کہ کس طرح جدید مسلمان علماء الفاظ کے نت نئے معنی و مطالب دریافت کر لیتے ہیں۔ جب سائنس کچھ ایسا دریافت کرتی ہے جس کے مطابق ان الفاظ کو توڑا مروڑا جاسکتا ہو۔ مسلمان علماء آیات کی نت نئی تشریحات میں مصروف رہتے ہیں۔ تاکہ اس دعوے کی ترویج واشاعت کر سکیں کہ یہ الفاظ کسی خدا کے رقم کردہ ہیں۔ کیونکہ یہ دنیا سے متعلق جدید ترین معلومات فراہم کر رہے ہیں۔ درحقیقت یہ ایک علمی اور ذہانتی بدعنوانی ہے کیونکہ ہم ہمیشہ آیات کی نئی تشریحات اسی وقت حاصل کرتے ہیں۔ جب سائنس کچھ نیا دریافت کر چکی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر اس آیت میں لفظ "ناصیہ" کا ترجمہ بطور "دماغ کا بالائی حصہ" کیا گیا ہے۔ لیکن اگر ہم پرانے تراجم پر نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہاں اس لفظ کا ترجمہ بطور "پیشانی کے بال" یا ایسے بال سے کیا گیا ہے جو آپ کے سر کے اگلے حصے پر موجود ہوں اور آپ کی پیشانی پر پڑے رہتے ہوں۔ آئیں اب کچھ اور تراجم پر نظر ڈالتے ہیں:

۔ ہر گز نہیں، یقیناً اگر وہ باز نہ آیا تو ہم ضرور اسے پیشانی کے بالوں کے ساتھ گھسیٹیں گے۔ (صحیح عالمگیر)

۔ اسے خبر دار ہونے دو، اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اسے پیشانی کے بالوں سے کھینچیں گے۔ (یوسف علی)

اگر یہاں ہم مذکورہ لفظ "ناصیہ" کا مطلب بطور "پیشانی کے بال" لیں تو جملہ کچھ بامعنی معلوم ہو رہا ہے۔ "ہم انھیں پیشانی کے بالوں سے دبوچیں گے / گھسیٹیں گے۔" اگرچہ یہ الفاظ کچھ پر تشدد معلوم ہو رہے ہیں، لیکن ان کے معنی بہر حال واضح ہیں۔ آپ کسی کو بھی دماغ کے اگلے حصے کے ذریعے کس طرح دبوچ سکتے ہیں؟ آپ کسی کو بالوں کے ذریعے ہاتھ کے ذریعے یا پاؤں وغیرہ کے ذریعے دبوچ سکتے ہیں۔ مگر آپ کسی کو آنت کے ذریعے، گردے کے ذریعے یا دماغ کے اگلے حصے کے ذریعے ہر گز نہیں دبوچ سکتے۔

اس آیت کا دوسرا حصہ ایک سوال کو جنم دے رہا ہے: بالوں کا گنہگار اور جھوٹا ہونا کیونکر ممکن ہے؟ جب مسلمان دوران نماز خدا کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں تو انکے سروں کے اگلے حصے بالوں سمیت زمین کو چھوتے ہیں۔ اگر آپ خدا کے آگے سجدہ نہیں کرتے تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ آپ کے سر کے اگلے حصے یعنی پیشانی پر موجود بال بھی اللہ کے آگے سجدہ ریز نہیں ہوتے۔ اسلئیے اللہ غصے میں آجاتا ہے اور انھیں "جھوٹے اور گنہگار پیشانی کے بال" کہہ کر پکارتا ہے۔ مسلمان علماء چالاکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ لفظ "ناصیہ" کا اصل مطلب دراصل دماغ کا اگلا حصہ ہے۔ تو ہاں، میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہاں اللہ کی مراد دماغ کے اگلے حصے سے ہی ہے اور اللہ اس حصے کو ہی جھوٹا اور گنہگار قرار دے رہا ہے۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا کہ ان مبہم آیات کی درست یا غلط ہر من مانے انداز میں تشریح ممکن ہے۔

اس لفظ کا استعمال قرآن میں دو مزید مواقع پر بھی کیا گیا ہے اور یہاں مکمل طور پر واضح ہے کہ یہاں لفظ "ناصیہ" پیشانی کے بالوں کی جانب اشارہ کر رہا ہے، دماغ کے اگلے حصے کی جانب نہیں:

۔گنہگار اپنی نشانی سے پہچانے جائیں گے تو پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے دبوچے جائیں گے۔

(۵۵:۴۱ یوسف علی)

۔مجرم اپنی علامتوں سے پہچانے جائیں گے اور وہ اپنے پیشانی کے بالوں اور پاؤں کے ذریعے دبوچے جائیں گے۔(۵۵:۴۱ صحیح عالمگیر)

۔میں نے اللہ پر بھروسہ کیا جو میرا رب اور تمھارا رب ہے۔کوئی چلنے والی مخلوق ایسی نہیں جسکے پیشانی کے بال اسکے قبضہ قدرت میں نہ ہوں۔بے شک میرا رب سیدھے راستے پر ملتا ہے۔(۱۱:۵۶ صحیح عالمگیر)

۔میرا اور تمھارا رب۔کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کے پیشانی کے بال اسکے قبضہ قدرت میں نہ ہوں! دیکھو! میرے رب کا راستہ سیدھا ہے۔(۱۱:۵۶ پکھتال)

اوپر دی گئی کسی بھی امثال میں "دماغ کا اگلا حصہ "بطور ترجمہ "ناصیہ "کوئی واضح مفہوم تشکیل نہیں دے رہا۔جیسا کہ یہاں واضح ہے کہ اللہ لوگوں کو انکے پیشانی کے بالوں کے ذریعے پکڑنے اور زیر نظر معاملے میں پاؤں کے ذریعے بھی پکڑنے کا عادی ہے۔اگر "ناصیہ "کا مطلب دماغ کا اگلا حصہ ہوتا، تو ظاہر ہے کہ کسی بھی شخص کا دماغ کے اندرونی اگلے حصے اور پاؤں کے ذریعے دبوچے جانے کا تصور ہی مضحکہ خیز ہوتا۔

دوسرا نکتہ: آئیں فقط مباحثے کی غرض سے یہ فرض کرلیں کے یہاں "ناصیہ" سے اللہ کی مراد درحقیقت دماغ کا اگلا حصہ ہی ہے، اور چونکہ مسلمان علماء نے یہ مطلب دریافت کیا ہے۔سائنس نے اسکی بنیاد پر مزید دریافتیں کی ہیں۔فنکشنل میگنیٹک ریسونینس امیجنگ (ایف ایم آر آئی) کا استعمال آجکل اس بات کا فیصلہ کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ بڑھ رہا ہے کہ آیا کوئی شخص جھوٹ بول رہا ہے یا نہیں۔نیچے دی گئی تصاویر دماغ کے ان حصوں کو ظاہر کر رہی ہیں جو کہ دماغ جھوٹ بولنے اور دھوکہ دینے کے لیے استعمال کرتا ہے۔

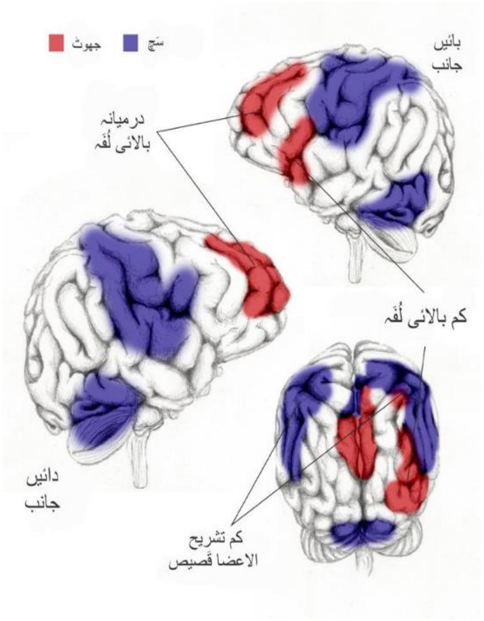

مسلمانوں کی قائم کردہ ویب سائٹ پر انسانی دماغ کا محض ایک ضمنی نقشہ پیش کرتی ہیں۔ جو کہ ہمیں اس دھوکے میں مبتلا کر دیتا ہے کہ جھوٹ اور دھوکہ دہی کے لیے استعمال ہونے والے دماغی حصے دراصل دماغ کے اگلے حصے کے ذیلی حصے ہوتے ہیں۔ تاہم اگر ہم دماغ کا مشاہدہ اوپر کی جانب سے کریں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مذکورہ حصے درحقیقت دماغ کے مرکزی حصے کے دائیں جانب سے منسلک ہوتے ہیں۔ ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ تکنیکی طور پر یہ حصے دماغ کے اگلے حصے کے ذیلی حصوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ لیکن "دماغ کا اگلا حصہ" وہ اصطلاح ہے جو کہ دماغ کا مطالعہ کرنے کی غرض سے ایجاد کی گئی ہے۔

سائنسدان اسے مزید چھوٹے حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں اور ان حصوں کو مزید نام دے سکتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے قطب شمالی درحقیقت دنیا کے سب سے اوپری حصے پر واقع نہیں ہے۔ مگر پھر بھی ہم اپنے سیارے کا نقشہ بناتے وقت اسے سب سے اوپر دکھاتے ہیں۔ ہم باآسانی زمین کے نقشے کو الٹا کر سکتے ہیں۔ اس طرح قطب شمالی سب سے نیچے جا سکتا ہے۔

بارش اور ژالہ باری

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نرم نرم چلاتا ہے بادل کو پھر انھیں آپس میں ملاتا ہے۔ پھر انہیں تہہ پر تہہ کر دیتا ہے۔ تو تم دیکھو کہ اس کے بیچ میں سے مینہ نکلتا ہے اور اتارتا ہے۔ اس میں سے جو برف کے پہاڑ ہیں۔ ان میں سے کچھ اولے پھر ڈالتا ہے۔ انہیں جس پر چاہے اور پھیر دیتا ہے۔ انھیں جس سے چاہے قریب ہے اسکی بجلی کی چمک آنکھ لے جائے۔ (قرآن ۲۴:۴۳)

اس آیت میں موجود مواد کو خدائی علم قرار دینا مسلمان علماء کی ایک اور انتہائی عامیانہ کوشش ہے۔ زمانہ قدیم ہی میں لوگ بادلوں، بارش اور ژالہ باری کے درمیان موجود تعلق کی نوعیت سے آگاہ ہو چکے تھے۔

غالباً ۶۵۰ قبل مسیح میں بابل کے لوگوں نے بادلوں کی ساخت اور دیگر نظری مظاہر کو دیکھتے ہوئے موسم میں آنے والی عارضی تبدیلیوں سے متعلق پیشن گوئیاں کرنے کی کوشش کی تھی۔ ارسطو کو موسمیات کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ ارسطو نے موسم کے تصور کو چار عناصر یعنی مٹی، آگ، پانی اور ہوا کے باہمی عمل کے ذریعے بیان کرنے کی کوشش کی تھی۔ ارسطو کے شاگرد تھیوفراسٹس نے موسمی علامات سے متعلق سب سے پہلی کتاب مرتب کی اور اس کتاب میں اس نے مشاہدات کی بہت ساری اقسام تحریر کیں جو موسم سے متعلق پیشن گوئیوں کی غرض سے کی جانی چاہئیں۔ اس کتاب میں موجود رہنمائی سے موجودہ دور میں بھی استفادہ حاصل کیا جاتا ہے۔

قدیم یونان میں لوگ اپنی معلومات کو اپنے فائدے کے لیے استعمال کیا کرتے تھے۔ ہوا کی حرکت اور آسمان پر سورج اور چاند کے مقامات پر توجہ مرکوز کرکے قدرتی مظاہر جیسا کہ جوار بھاٹوں وغیرہ سے متعلق پیشن گوئیاں کی جاتی تھیں، اور ان پیشن گوئیوں کی روشنی میں زراعت اور ماہی گیری وغیرہ سے متعلق روزمرہ سرگرمیوں کو بہتر طریقے سے انجام دیا جاتا تھا۔

اوپر دی گئی آیت میں قرآن کا مصنف بالکل سادہ اور واضح الفاظ میں کہہ رہا ہے کہ اللہ تعالی بادلوں کو حرکت دیتا ہے اور بارشوں اور ژالہ باری کا باعث بنتا ہے۔ آیت کے دوسرے حصے میں اس بات کا اظہار کیا گیا ہے کہ اللہ کس قدر مہربان ہے اور پھر مزید کہا گیا ہے کہ وہ اس بات پر مکمل قدرت رکھتا ہے کہ کس کو ژالہ باری اور آسمانی بجلی کا نشانہ بنائے۔ یہاں میں ایک بار پھر کہنا چاہوں گا کہ یہ قدرتی مظاہر ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ مثال کے طور پر بارش، بادل، ژالہ باری اور آسمانی بجلی کی چمک دمک وغیرہ۔ لہذا اس آیت میں کچھ بھی خاص نہیں ہے۔

چپٹی زمین

محمد کے دور میں زمین کی ساخت سے متعلق دو نظریات کا دور دورہ تھا۔

۱- زمین گول ہے (یونانیوں اور ہندوستانیوں کا نظریہ)

۲- زمین چپٹی ہے (ساتویں صدی کے عربیوں کا عام نظریہ)

جیسا کہ ہم نے جنینیات کے معاملے میں دیکھا۔ محمد وہاں قدیم یونانیوں کے تحقیقی کام سے بذریعہ سرقہ استفادہ کرتے نظر آئے۔ تاہم یہاں وہ اپنے ذاتی محسوسات پر بھروسہ کرتے ہوئے، زمین کو چپٹا قرار دے رہے ہیں۔

آیئے کچھ ایسی قرآنی آیات کا جائزہ لیتے ہیں جو کہ زمین کو کسی بچھونے کی مانند پھیلا ہوا قرار دے رہی ہیں:

۔ جس نے تمھارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا۔ (۲:۲۲)

۔ اور ہم نے زمین پھیلائی اور اس میں لنگر ڈالے اور اس میں ہر چیز اندازے سے اگائی۔ (۱۵:۱۹)

۔وہ جس نے تمھارے لیے زمین کو بچھونا کیااور تمھارے لیے اس میں چلتی راہیں رکھیں اور آسمان سے پانی اتاراتو ہم نے اس سے طرح طرح کے سبزے کے جوڑے نکالے۔(۲۰:۵۳)

۔وہ جس نے تمھارے لیے زمین کو بچھونا کیااور تمھارے لیے اس میں راستے کئے کہ تم راہ پاؤ۔(۴۳:۱۰)

۔وہ ہم نے زمین کو پھیلایااور اس میں لنگر ڈالے اور اس میں ہر بارونق جوڑا اگایا۔(۵۰:۷)

۔اور زمین کو ہم نے فرش کیاتو ہم ہی اچھے بچھانے والے ہیں۔(۵۱:۴۸)

۔اور اللہ نے تمھارے لیے زمین کو بچھونا بنایا۔(۷۱:۱۹)

۔کیا ہم نے زمین کو بچھونے کی مانند نہیں بنایا؟اور پہاڑوں کو میخوں کی مانند نہیں بنایا؟(۷۸:۶-۷)

۔اور اسکے بعد زمین پھیلائی۔(۷۹:۳۰)

اوپر بیان کردہ تمام قرآنی آیات میں تمام مقبول عام تراجم کے مطابق (جن میں پکھتال، یوسف علی اور صحیح عالمگیر شامل ہیں) زمین کو بچھونے کی مانند پھیلا ہوا یا چوڑا اور وسیع بیان کیا گیاہے۔ آپ کسی قالین یا بچھونے کو کسی گول شے کی مانند لڑھکا نہیں سکتے، اور نہ ہی کسی گیند کو بچھا سکتے ہیں، اور آپ یقیناً ایک گول شے کو وسیع اور پھیلا ہوا بھی نہیں کہہ سکتے۔

پہلا نکتہ: زیادہ تر مسلمان ان آیات سے آگاہی نہیں رکھتے اور انھیں یہ بات نہیں معلوم ہوتی کہ قرآن زمین کو چپٹا بتاتا ہے۔ اگر مسلمانوں نے درحقیقت قرآن کی تعلیم حاصل کی ہوتی تو دنیا میں زمین کو چپٹا ثابت کرنے کی غرض سے ایک تحریک ضرور چلی ہوتی۔ وہ مسلمان جو کہ زمین کے گول ہونے کے تصور کو قبول کر چکے ہیں، مگر ساتھ ہی ساتھ وہ ان آیات سے بھی واقفیت رکھتے ہیں، وہ یہ تسلیم کر چکے ہیں کہ یہاں زمین کو حقیقی معنوں میں چپٹا نہیں کہا جا رہا۔ انکا کہنا ہے کہ زمین ہمیں اپنے حجم کی وجہ سے چپٹی محسوس ہوتی ہے۔ لہذا اللہ اسے انسانی نقطہ نظر سے چپٹا قرار دے رہاہے۔ مسلمانوں کے لیے کس قدر آسان ہے کہ جس جگہ مناسب سمجھیں قرآنی آیات کو انسانی نقطہ نظر کے حوالے سے منسوب کر دیں اور جس جگہ مناسب سمجھیں اسے خدا کی طرف سے عطا کردہ علم قرار دے دیں۔ محمد کے زمانے سے تعلق رکھنے والے افراد یقینی طور پر یہ بات نہیں جانتے تھے کہ دماغ کے اگلے حصے کا جھوٹ بولنے کی جبلت سے کچھ لینا دیناہے۔ لیکن اب چونکہ مسلمانوں کو یہ بات معلوم ہو چکی ہے، لہذا متعلقہ آیات کو توڑ مروڑ کر مختلف معنی پہنائے جا رہے ہیں اور یہ ہمیشہ اسی طرح کرتے رہیں گے۔ اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ اللہ قرآن میں صرف انسانی نقطہ نظر سے بات کرتا ہے تو پھر یقیناً قرآن میں مستقبل سے متعلق معلومات کا ہونا ممکن نہ ہوتا اور اس میں ان سائنسی حقائق کا تذکرہ مکمل طور پر بے معنی ہو جاتا، جن سے اس دور کے لوگ واقف نہیں تھے۔ مگر مسلمان علماء ان آیات کو اپنی مرضی سے توڑ مروڑ کر مختلف معنی دے دیتے ہیں۔

دوسرا نکتہ: مسلمان علماء کے قائم کردہ جوڑ توڑ کے معیارات کے باوجود مسلمانوں کے لیے یہ بہت مشکل ہے کہ وہ اوپر بیان کردہ نو کی نو آیات کو توڑ مروڑ کر ان کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال سکیں۔ ہمیشہ کی طرح انھیں ایک آیت تلاش کرنی تھی جس میں وہ من مانی تبدیلیاں کر سکتے یا پھر ایک واحد لفظ کا انتخاب کرنا تھا۔ جسے مختلف معنی دے کر جدید دور سے ہم آہنگ کیا جا سکتا۔ بالآخر وہ اسے تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ذاکر نائیک اور ہارون یحییٰ نے آخری آیت کا ترجمہ کچھ اس طرح کیا:

۔اور ہم نے زمین انڈے کی ہم شکل بنائی۔(۷۹:۳۰)

ایک بار پھر یہ جدید علماء ہی ہیں جو کہ اس لفظ کے نئے مطالب دریافت کر سکے۔ بقیہ آٹھ آیات میں موجود تمام الفاظ کا کسی انڈے نما شکل سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ تاہم عربی لفظ "دحھا" جو کہ قرآن کی مندرجہ بالا آیت میں استعمال ہوا ہے، دراصل دو مطالب کا حامل ہے یعنی "انڈہ" اور "پھیلایا ہوا" تو کس مطلب کو درست مانا جائے؟ "انڈے" کو یا "پھیلایا ہوا" کو؟ ظاہر ہے کہ اگر قرآن کا مصنف دیگر آٹھ مثالوں میں زمین کو "پھیلایا ہوا" کہہ رہا ہے اور نویں آیت میں ایک ایسا لفظ استعمال کر رہا ہے جس کے دہرے معنی ہیں، تو آپ کو اسی مفہوم کو درست ماننا چاہئیے جو کہ دیگر آٹھ آیات میں استعمال کردہ الفاظ کے معانی و مطالب سے مماثلت رکھتا ہو۔ قرآن کی آیت ۴۹:۷۳ میں انڈے کے لئے "بیضتہ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ یہاں بہت سے مسلمان علماء بھی ذاکر نائیک اور ہارون یحییٰ کے من مانے مفہوم سے اتفاق نہیں کرتے۔

تیسرا نکتہ: ذاکر نائک اور ہارون یحییٰ کے برعکس جنھوں نے اس لفظ کا مفہوم تبدیل کیا ہے، کچھ مسلمان علماء ایسے ہیں جنھوں نے حقائق کی شکل بگاڑنے کے لیے ایک دوسرے طریقے کا استعمال کیا۔ ان علماء کا دعویٰ ہے کہ اوپر دی گئی نو آیات زمین کی گول ساخت کے خلاف نہیں جا رہیں۔ انکا کہنا ہے کہ نیچے دی گئی آیت زمین کے گول ہونے کا ثبوت ہے:

اس نے آسمان اور زمین حق بنائے رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور اس نے چاند اور سورج کو کام میں لگایا ہر ایک ایک ٹھہرائی معیاد کے لئے چلتا ہے سنتا ہے وہی صاحب عزت بخشنے والا ہے۔(قرآن ۳۹:۵)

اس آیت کے ساتھ ایک بہت بڑا سائنسی مسئلہ لاحق ہے۔ جسے میں مختصرا بیان کروں گا۔ جیسا کہ اکثر مسلمان علماء یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ ہمیں بتا رہا ہے کہ 'وہ دن کو رات پر اور رات کو دن پر لپیٹتا ہے۔' لہٰذا یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ زمین گول ہے۔ اگر یہ چپٹی ہوتی تو رات اور دن دنیا میں ہر جگہ اچانک سے ظاہر ہو جاتے۔ اگر زمین چپٹی ہوتی تو درحقیقت تمام دنیا میں دن اچانک ہی ظاہر ہوتا۔ تاہم اس خیال کا منبع وہ مفروضہ ہے جس کے تحت قرآن کا مصنف ہر حقیقت سے آگاہ ہے۔ اس بات کا کوئی امکان نہیں ہے کہ محمد اس بات سے آگاہ تھا۔ کیونکہ جس وقت روم میں دن کا وقت ہوتا ہے اس وقت مکہ میں بھی دن کا وقت ہو گا یا نہیں۔

ان مسلمان علماء کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ دن اور رات کا لپیٹا جانا درحقیقت دائراتی حرکت کو ظاہر کر رہا ہے۔ کیونکہ آپ ایک چپٹی شے پر نہیں لپیٹ سکتے۔ اللہ تعالی واضح طور پر دن کے مختلف حصے تشکیل دے رہا ہے۔ اس کی مثال طلوع آفتاب، صبح، دوپہر، سہ پہر اور رات کی تاریکی ہے۔ یہ بالکل واضح ہے کہ دن آہستہ آہستہ رات میں تبدیل ہوتا ہے اور رات آہستہ آہستہ دن میں تبدیل ہوتی ہے۔ لپٹنے سے مراد یہاں دن کے اوقات میں آہستہ آہستہ آنے والی تبدیلیاں ہیں۔ ذرا آہستہ آہستہ کسی ٹرے کے

لپیٹے جانے پر غور کریں: آپ بائیں جانب سے شروع کرتے ہیں اور اب آہستہ آہستہ ٹرے کے داہنی حصے کو لپیٹنا شروع کرتے ہیں، تو ٹرے کے جو حصے کاغذ سے چھپتے جاتے ہیں وہ تاریکی میں ڈوبتے چلے جاتے ہیں۔ یہ درحقیقت وہ بات ہے جو خدا دن کے رات میں لپیٹے جانے کے حوالے سے کہہ رہا ہے اور یہاں یقینی طور پر زمین کا گول ہونا ضروری نہیں ہے۔

زمین کا ارضِ مرکزی نمونہ

گول زمین کے تصور کے برعکس جس سے صرف قدیم یونانی اور ہندو واقفیت رکھتے تھے۔ زمین کا کائناتی مرکز ہونے سے متعلق نظریہ یعنی سورج کے زمین کے گرد گردش کرنے سے متعلق نظریہ کاپرنیکن انقلاب سے پہلے تمام دنیا میں تسلیم کیا جاتا تھا۔ محمد کے پاس اسی نظریہ کو درست سمجھنے اور اسکا پرچار کرنے کے سوا کوئی اور چارہ نہیں تھا۔ آئیں نیچے دی ہوئی آیت پر ایک نظر ڈالتے ہیں:

اس نے آسمان اور زمین حق بنائے رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور اس نے چاند اور سورج کو کام میں لگایا اور ہر ایک ایک ٹھہرائی معیاد کے لیے چلتا ہے، سنتا ہے وہی صاحب عزت بخشنے والا ہے۔ (۳۹:۵)

غور کریں کہ کس طرح مسلمان یہ دعویٰ کرنے کے لیے اس آیت کا استعمال کرتے ہیں کہ قرآن میں زمین کو گول کہا گیا ہے۔ لیکن جب دن اور رات کی تخلیق کا سورج کے مدار سے متعلق ہونے کا معاملہ سامنے آتا ہے، تو یہ اپنی بات سے مکمل طور پر پھر جاتے ہیں اور ایک سو اسی ڈگری کا موڑ کاٹ کر کہتے ہیں کہ سورج کے جس مدار کی بات اللہ کر رہا ہے وہ کہکشاں کے مرکز کے گرد واقع ہے۔

کوئی بھی قدیم یونانی، ہندو یا مصری کہکشاں کے مرکز کے گرد سورج کے مدار کی موجودگی سے واقف نہیں تھا اور نا ہی محمد کو اس بات کا کوئی علم تھا۔ یہ دعویٰ مضحکہ خیز ہے۔ کیونکہ یہاں ایک بہت بڑے بلیک ہول کے گرد سورج کے مدار کی موجودگی سے متعلق بات نہیں کی جارہی جو کہ کہکشاں کے مرکز میں واقع ہے۔ جب زمین کے چپٹے ہونے کی بات سامنے آتی ہے تو یہ علماء کہتے ہیں کہ خدا انسانی سمجھ بوجھ اور انسانی نقطہ نظر کے مطابق بات کر رہا ہے۔ تو پھر خدا کیونکر یہاں سورج کے زمین کے گرد گھومنے، اور دن اور رات کی تخلیق میں اپنا کردار ادا کرنے سے متعلق، اس دور میں رائج عام انسانی نقطہ نظر کے مطابق، بات نہیں کر رہا؟ یہ بات بالکل واضح ہے کہ سورج کا مدار دن اور رات کی تخلیق کے تناظر میں زیر بحث لایا جارہا ہے۔ نہ صرف اوپر بیان کردہ آیت میں بلکہ نیچے دی ہوئی آیات میں بھی:

اور تمھارے لیے سورج اور چاند مسخر کئے جو برابر چل رہے ہیں اور تمھارے لیے رات اور دن مسخر کئے۔ (۱۴:۳۳)

اور اس نے تمھارے لیے مسخر کئے رات اور دن اور سورج اور چاند اور ستارے اس کے حکم سے باندھے ہیں۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں عقل مندوں کے لئے۔ (۱۶:۱۲)

اور وہی ہے جس نے بنائے رات اور دن اور سورج اور چاند اور ہر ایک ایک گھیرے میں پیر رہا ہے۔ (۲۱:۳۳)

اے سننے والے کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ رات لاتا ہے دن کے حصے میں اور اس نے سورج اور چاند کام میں لگائے۔ ہر ایک ایک معینہ معیاد تک چلتا ہے اور یہ کہ اللہ تمھارے کاموں سے باخبر ہے۔(۳۱:۲۹)

رات لاتا ہے دن کے حصے میں اور دن لاتا ہے رات کے حصے میں اور اس نے کام میں لگائے سورج اور چاند۔ ہر ایک ایک مقررہ معیاد تک چلتا ہے۔ یہ ہے اللہ، تمھارا رب اسی کی بادشاہی ہے اور اس کے سوا جنھیں تم پوجتے ہو دانہ خرما کے چھلکے تک کے مالک نہیں۔(۳۵:۱۳)

سورج کو نہیں پہنچتا کہ چاند کو پکڑ لے اور نہ رات دن پر سبقت لے جائے اور ہر ایک ایک گھیرے میں پیر رہا ہے۔(۳۶:۴۰)

بے شک تمھارا رب اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے۔ پھر عرش پر استوا فرمایا۔ جیسا کہ اسکی شان کے لائق ہے۔ رات دن کو ایک دوسرے سے ڈھانکتا ہے کہ جلد اسکے پیچھے لگا آتا ہے اور سورج اور چاند اور تاروں کو بنایا۔ سب اس کے حکم کے دبے ہوئے سن لو اسی کے ہاتھ میں ہے پیدا کرنا اور حکم دینا۔ بڑی برکت والا ہے اللہ رب سارے جہان کا۔(۷:۵۴)

اور اسکی نشانیوں میں سے ہیں رات اور دن سورج اور چاند سجدہ نہ کرو سورج کو اور نہ چاند کو اور اللہ کو سجدہ کرو جس نے انھیں پیدا کیا اگر تم اسکے بندے ہو۔(۴۱:۳۷)

مجھے اوپر بیان کردہ تمام آیات کی وضاحت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ آپ واضح طور پر دیکھ سکتے ہیں کہ قرآن کا مصنف اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ دن اور رات سورج اور چاند کی گردش کی وجہ سے وجود میں آتے ہیں۔ تمام تر تاریخ میں انسان سورج کو دن سے اور چاند کو رات سے منسوب کرتے آئے ہیں اور محمد بھی ان لوگوں سے ذرا مختلف نہ تھا۔ وہ بھی یہی سمجھتا تھا کہ سورج کی زمین کے گرد گردش دن اور رات کی تخلیق کا سبب ہے۔ اگر اللہ یہاں کسی بھی طرح سورج کے مدار کے کہکشاں کے مرکز میں واقع ہونے سے متعلق بات کر رہا ہوتا تو اسے اوپر دی گئی ہر ایک آیت میں دن اور رات کا تذکرہ کرنے کی ضرورت کیوں پیش آتی؟ یہاں ایک ایسی مثال بھی موجود ہے جس میں اللہ درحقیقت سورج اور چاند کے مداروں کے حوالے سے دن اور رات کی تخلیق سے متعلق بات نہیں کر رہا۔

اللہ ہے جس نے آسمانوں کو بلند کیا بے ستونوں کے۔ تم دیکھو پھر عرش پر استوا فرمایا۔ جیسا اس کی شان کے لائق ہے اور سورج اور چاند مسخر کیا۔ ہر ایک ایک ٹھہرائے ہوئے وعدہ تک چلتا ہے۔ اللہ کام کی تدبیر فرماتا اور مفصل نشانیاں بتاتا ہے۔ کہیں تم اپنے رب کا ملنا یقین کرو۔(۱۳:۲)

حتی کہ یہاں بھی اللہ سورج اور چاند کے مداروں کا ذکر اس طرح کر رہا ہے جیسے وہ ایک جیسے ہوں۔ مگر ہم یہاں یہ نتیجہ ہرگز نہیں نکال سکتے کہ اللہ یہاں دن اور رات سے متعلق بات کر رہا ہے۔ پچھلی آیات میں اللہ سورج کے زمین کے گرد گردش کرنے سے متعلق بات نہیں کر رہا تھا تو پھر اس نے آخر کیوں ایک ہی آیت میں دن اور رات کا تذکرہ سورج اور چاند کے مداروں کے طور پر کیا؟ جیسا کہ اوپر جب وہ سورج اور چاند کی تخلیق سے متعلق بات کر رہا ہے، تو وہ کسی بھی چیز کے حوالے کے بغیر محض یہی بات کر رہا ہے جیسا کہ ہر شے کا تذکرہ یہاں مکمل طور پر غیر ضروری ہو۔ تاہم جب وہ دن اور رات کے بارے میں بات کر رہا ہے، تو وہ خاص طور پر سورج اور چاند کے مداروں کا تذکرہ کر رہا ہے۔ درج ذیل آیات ملاحظہ ہوں:

اور انکے لئے ایک نشانی رات ہے ہم اس پر سے دن کھینچ لیتے ہیں۔ جب ہی وہ اندھیرے میں ہے اور سورج چلتاہے اپنے ایک ٹھہراؤ کے لیے یہ حکم ہے زبردست علم والے کا۔(۳۸-۳۶:۳۷)

میں سمجھنے سے قاصر ہوں کہ آخر سورج کس مقام پر رکتاہے۔ واضح طور پر اللہ یہاں دن اور رات کے سورج کے مدار ہونے سے متعلق بات کر رہاہے۔ مگر مسلمان علماء اس حقیقت میں من مانی ترمیم کرنے کے بعد یہ کہتے ہیں کہ خدا یہاں انسانی نقطہ نظر کے مطابق بات کر رہاہے۔

نیچے دی گئی آیت میں سب کچھ حتمی طور پر واضح ہے:

اے محبوب کیا تم نے اپنے رب کو نہیں دیکھا کہ کیسا پھیلایا سایہ اور اگر چاہتا تو اسے ٹھہرایا ہوا کر دیتا۔ پھر ہم نے سورج کو اس پر دلیل کیا۔(۲۵:۴۵)

یہاں اللہ سورج کی حرکت کو سائے سے تعبیر کر رہاہے۔ وہ اس بات سے واقف ہے کہ سایہ آسمان پر سورج کی حرکت کی وجہ سے تغیر پذیر ہے۔ مثال کے طور پر عین دوپہر کے وقت جب سورج براہ راست آپ کے سر پر ہوتا ہے تو آپ کا سایہ چھوٹا ہوتا ہے۔ لیکن جیسے جیسے دن ڈھلتا ہے آپ کا سایہ بتدریج بڑا ہوتا جاتا ہے۔ خدا ہمیشہ کی طرح اپنی طاقت سے متعلق شیخی کا اظہار کر رہاہے اور کہہ رہاہے کہ اگر وہ چاہتا تو سایوں کو ساکن کر سکتا تھا۔ مگر اس سایوں کے حجم کو سورج کے ذریعے تغیر پذیر کر دیا۔ اگر معاملہ یہی ہے تو سایوں کا سورج سے بھلا کوئی اور تعلق کیا ہو سکتا تھا؟ کہکشاں کے مرکز کے گرد گردش کرتے سورج کا زمین پر بننے والے سایوں سے بھلا کیا لینا دینا؟ اس آیت کا سورج کے کہکشاں کے مرکز کے گرد گردش کرنے سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ اگر سورج زمین کے گرد گردش کر رہا ہوتا تو تب ہی اسکا کوئی مکمل اور حقیقی مطلب ہوتا۔ لیکن چونکہ ہم جانتے ہیں کہ سورج زمین کے گرد گردش نہیں کرتا تو یہاں قرآن کی یہ آیات مکمل طور پر باطل قرار پاتی ہیں۔

قرآن مبہم معلوم ہوتا ہے جب بھی نامعلوم قدرتی مظاہر سے متعلق بات کرتا ہے۔ تاہم یہاں یہ واضح طور پر سورج کے مدار سے متعلق بات کر رہاہے۔ احادیث دیگر معاملات کی طرح اس معاملے میں بھی محمد کے خیالات کا زیادہ تفصیلی نقشہ پیش کرتی ہیں۔ ذرا اس حدیث پر ایک نظر ڈالیں:

حضرت ابوذر سے روایت ہے کہ محمد نے ایک دن کہا، "کیا تم جانتے ہو کہ سورج کہاں جاتا ہے؟" انھوں نے جواب دیا، "اللہ اور اسکا رسول بہتر جانتے ہیں۔"

محمد نے فرمایا، بے شک یہ (سورج) اس وقت تک سفر کرتا ہے جب تک یہ خدائی تخت (عرش) کے نیچے نہیں پہنچ جاتا۔ پھر وہ اس وقت تک وہاں سجدے میں پڑا رہتا ہے جب تک اس سے یہ نہیں کہا جاتا "اٹھ جا اور اس جگہ چلا جا جہاں سے تو آیا ہے۔" پھر واپس جاتا ہے اور اپنے طلوع کے مقام سے ظاہر ہوتا ہے اور سرکنا شروع کرتا ہے۔ یہاں تک کہ خدائی تخت (عرش) کے نیچے پہنچ کر سجدہ ریز ہو جاتا ہے اور اسی حالت میں اس وقت تک رہتا ہے جب تک اس سے یہ نہیں کہا جاتا کہ "اٹھ جا اور اس جگہ چلا جا جہاں سے تو آیا ہے۔" پھر وہ پلٹ جاتا ہے اور اپنے طلوع کے مقام سے ظاہر ہوتا ہے، اور پھر وہ سرکتا ہے۔ (اتنے عام انداز میں) کہ لوگ اس میں کوئی غیر معمولی پن محسوس نہیں کر پاتے۔ یہاں تک کہ وہ خدائی تخت (عرش) کے نیچے اپنی آرام کی جگہ تک پہنچ جاتا ہے۔ پھر اس سے یہ کہا جائے گا "اٹھ جا اور اپنے مقام غروب سے ظاہر

ہو۔"اور وہ اپنے مقام غروب سے ظاہر ہو گا۔ محمد نے فرمایا"کیا تم جانتے ہو کہ ایسا کب ہو گا؟"ایسا اس وقت ہو گا جب ایمان کچھ فائدہ نہ دے گا۔ ان لوگوں کو جو اس وقت سے پہلے ایمان نہ لائے یا انھوں نے ایمان کا کچھ فائدہ نہ اٹھایا۔(صحیح مسلم،۱:۲۹۷)

اس حدیث کے مطابق نہ صرف سورج زمین کے گرد گھومتا ہے بلکہ یہ سجدہ بھی کرتا ہے(یعنی اطاعت میں ماتھا بھی ٹیکتا ہے)۔یہ بھی دعویٰ کیا جاتا ہے کہ قیامت کے دن سورج مغرب سے طلوع ہو گا جو کہ درحقیقت اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک زمین مخالف سمت میں حرکت نہ کرنا شروع کر دے۔کسی کو بھی اس بات میں کوئی شک نہیں ہونا چاہیئے کہ قرآن زمین کے کائناتی مرکز ہونے سے متعلق نظریے کی تعلیم دیتا ہے۔

سورج اور چاند میں مشابہت

قرآن کے مصنف کا درحقیقت یہ خیال تھا کہ سورج اور چاند نہ صرف حجم کے لحاظ سے یکساں ہیں، بلکہ یہ دونوں ہی زمین سے یکساں فاصلے پر واقع ہیں۔ نیچے دی گئی آیت پر ذرا غور کریں۔ جہاں غفور رحیم اللہ قیامت کے دن سے متعلق وضاحت کر رہا ہے۔

"اور چاند گہنے گا اور سورج اور چاند ملا دیے جائیں گے-اس دن آدمی کہے گا کدھر بھاگ کر جاؤں گا۔"(۷۵:۸-۱۰)

بنیادی طور پر اللہ کہہ رہا ہے کہ چاند گرہن آجائے گا(سیاہ پڑ جائے گا)اور سورج کے ساتھ مل کر زمین کو تباہ و برباد کر دے گا۔ سورج چاند کی نسبت تقریباً چار سو گنا زیادہ بڑا ہے، اور اتفاقاً جتنا فاصلہ ہماری زمین اور چاند کے درمیان ہے اس سے چار سو گنا زیادہ فاصلہ چاند اور سورج کے درمیان ہے۔ اس کائناتی اتفاق کی وجہ سے زمین سے دیکھنے پر یہ دونوں یکساں جسامت کے نظر آتے ہیں۔ یہ تاریخ کا واحد موقع ہے جب ہم یہ اتفاق دیکھ رہے ہیں۔ مثال کے طور پر ڈائناسور کے دور میں چاند زمین سے ذرا نزدیک ہوا کرتا تھا۔ اسی وجہ سے یہ زمین سے دیکھے جانے پر سورج کی نسبت ذرا بڑا معلوم ہوتا تھا۔ اگر سورج زمین اور چاند کی جانب ایک قدم بھی بڑھا دے تو یہ زمین پر موجود تمام تر جانداروں کی ہلاکت کا باعث بن جائے گا۔ سورج اور چاند کبھی یکجا نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ جس وقت تک سورج ہم تک پہنچے گا اس وقت تک چاند اور زمین دونوں پہلے ہی تباہ و برباد ہو چکے ہونگے۔ درحقیقت چاند خود ہی کششِ ثقل کی وجہ سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور سورج اور چاند کے درمیان کسی قسم کا تصادم عمل میں نہیں آئے گا۔ حتیٰ کہ اس معمولی ٹوٹ پھوٹ کا سورج پر ذرا بھی اثر نہیں پڑے گا۔ دو اجرام فلکی کے درمیان کسی بھی قسم کا تقابل نہیں کیا جا سکتا۔ اسی بات کو زیادہ بہتر طریقے سے سمجھنے کے لیے تصویر ۷.۶ کا مشاہدہ کریں۔

درج ذیل آیت ملاحظہ ہو:

سورج کو نہیں پہنچتا کہ چاند کو پکڑ لے اور نہ رات دن پر سبقت لے جائے اور ہر ایک ایک گھیرے میں پیر رہا ہے۔(۳۶:۴۰)

قرآن خاص طور پر دعویٰ کر رہا ہے کہ سورج اور چاند دونوں کے مدار اپنی فطرت کے اعتبار سے یکساں ہیں۔یعنی زمین کے گرد واقع ہیں اور یہ آپس میں اس وقت تک نہیں ٹکرائیں گے جب تک اللہ ایسا نہیں چاہے گا اور یہ قیامت کے دن ہو گا۔کوئی بھی شخص جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سورج اور چاند دنوں کے مدار زمین کے گرد واقع ہیں،تو اسے اس بات کی وضاحت ضرور کرنی چاہیئے کہ پھر اللہ ایک ہی آیت میں دن اور رات کے حوالے کے ساتھ سورج اور چاند کے مداروں کا تذکرہ کیوں کر رہا ہے؟ یہ کہنا کہ سورج کو چاند کے ساتھ ٹکرانے کی اجازت نہیں ہے،ایسا ہی ہے کہ جیسے یہ کہا جائے کہ امریکہ میں موجود گھر آسٹریلیا میں چلنے والی کار سے نہیں ٹکرائے گا۔ظاہر ہے کہ یہ(سورج اور چاند) آپس میں اسلئے نہیں ٹکرائیں گے کیونکہ انکی حرکات کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی یہ کسی بھی طرح ایک دوسرے سے نزدیک واقع ہیں۔ایک بہتر مثال مریخ کی دی جا سکتی ہے جسے زمین کے ساتھ ٹکرانے کی اجازت نہیں ہے۔جیسا کہ یہ دونوں(زمین اور مریخ) سورج کے گرد چکر لگا رہے ہیں۔

چاند کے دو ٹکڑے ہونا

وقت قریب آیا اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔(۵۴:۱)

یہ آیت نہایت ہی مختصر ہے اور میں سمجھ سکتا ہوں کہ مسلمان یہاں استعاراتی حربہ استعمال کرنے کی کوشش کریں گے۔تاہم مسلمان اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جب محمد سے معجزہ دکھانے کے لیے کہا گیا تھا تو انھوں نے حقیقتاً چاند کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا تھا۔اگر چاند دو ٹکڑوں میں تقسیم ہوا ہوتا تو اس دور میں پائی جانے والی مختلف

تہذیبوں سے تعلق رکھنے والے افراد یعنی ہندوستانیوں، رومیوں، ایرانیوں اور چینیوں نے اسکا مشاہدہ ضرور کیا ہوتا۔ تاہم ان تہذیبوں سے تعلق رکھنے والے افراد نے اس بات کا تذکرہ کسی ایک جگہ بھی نہیں کیا۔

انٹرنیٹ پر موجود جدید مسلمان حقیقتاً چاند کی ایک ایسی تصویر بطور ثبوت پیش کرتے ہیں جو یہ ظاہر کر رہی ہے کہ ماضی میں چاند دو ٹکڑے ہو چکا ہے۔

یہ مسلمانوں کا ایک اور بے سروپا اور مضحکہ خیز دعویٰ ہے۔

پہلا نکتہ: درزیں (تصویر میں دکھائی گئی نالیاں) ان گھاٹیوں اور دروں سے مشابہہ ہیں جو کہ کئی سیاروں جیسا کہ مریخ، زہرہ اور بہت سے دوسرے چاندوں پر بھی دیکھی گئی ہیں۔ کیا یہ سب تقسیم ہوئے تھے؟

دوسرا نکتہ: ہیڈلے رل نامی دراڑ صرف ۱۳۰ کلومیٹر لمبی ہے۔ اگر یہ دراڑ چاند کے تقسیم ہونے کا ثبوت ہے تو اسے چاند کا مکمل احاطہ کرنا چاہئے تھا۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ یہ دراڑ چاند کی سطح کے انتہائی مختصر حصے کا احاطہ کر رہی ہے۔

اڑنے والا گھوڑا

اگرچہ یہ تاریخ حتمی نہیں ہے مگر عمومی خیال یہ ہے کہ ۲۶ فروری ۶۲۱ عیسوی کی رات فرشتہ جبرائیل محمد کی خدمت میں حاظر ہوا۔ وہ اپنے ساتھ براق نامی ایک اڑنے والا گھوڑا بھی لایا تھا۔ جس میں بٹھا کر پہلے تو وہ محمد کو ایک دور دراز کی مسجد (جسکے بارے میں عام خیال یہ ہے کہ وہ مسجد، مسجد اقصیٰ تھی) میں اور پھر سات آسمانوں میں لے گیا۔ محمد کے سفر سے متعلق زیادہ تر تفصیلات قرآن سے نہیں بلکہ احادیث سے ماخوذ ہیں۔ چونکہ مسلمانوں کے لیے احادیث کو ضعیف یا غیر معتبر قرار دینا آسان ہے، مجھے یقین ہے کہ مسلمانوں کی آنے والی نسلیں اڑنے والے گھوڑے سے متعلق محمد کی احادیث کو غیر معتبر یا ضعیف قرار دے دیں گی۔ اڑنے والا یہ گھوڑا غیر مسلمانوں کے درمیان مسلمانوں کا تمسخر اڑائے جانے کا باعث ہے۔ یہ گزری ہوئی تہذیبوں سے تعلق رکھنے والے دیومالائی کرداروں جیسا ہی ایک کردار ہے۔ جیسا کہ پیگاسس اور بینیو آگ سے بنا ہوا پرندہ تھا۔

پیگاسس اور بینیو کی طرح براق کی موجودگی کا بھی کوئی ثبوت موجود نہیں ہے۔ مصری اور یونانی دیومالاؤں کے برعکس براق اپنے معاملات کے حوالے سے انسانوں تک زیادہ رسائی رکھتا ہے۔ جیسا کے اس نے محمد کے ساتھ رکھی ہوئی تھی۔ صحیح بخاری میں اس پورے معاملے سے متعلق تفصیلات موجود ہیں۔ جنھیں مالک بن ساسہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ نے انھیں بتایا کہ کوئی انکے پاس آیا، انکا سینہ چاک کیا، بالکل اسی طرح جس طرح دل کے آپریشن میں ہوتا ہے۔ پھر ان کا دل باہر کھینچ نکالا اور پھر اسے یقین کے سنہرے برتن میں "یقین" کے ساتھ دھویا اور پھر اسے اسکے اصل مقام پر ایک بار پھر سے نصب کر دیا۔ بنا کوئی خراش پیدا کئے۔

پھر ایک سفید جانور جو کہ خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا۔ میرے پاس لایا گیا۔ اس جانور کا ایک قدم (اتنا بڑا تھا) اتنی دور تک جاتا تھا، جتنی دور تک جانور کی آنکھ دیکھ سکتی تھی۔ مجھے اس پر لے جایا گیا اور جبرائیل میرے ساتھ رہے، جب تک ہم آسمان کے قریب ترین نہ آپہنچے۔

اسکے بعد محمد عرش پر پہنچے مختلف آسمانوں میں عیسیٰ اور موسیٰ سے ملاقات کی۔ موسیٰ کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے اللہ سے نمازوں کی تعداد ایک دن میں پچاس سے گھٹا کر پانچ کرنے کی درخواست کی۔ احادیث دراصل یہ دعویٰ کر رہی ہیں کہ یہ تمام واقعات حقیقتاً پیش آئے اور یہ محمد کے خواب پر مبنی نہیں تھے۔ حقیقتاً دو میں سے صرف ایک بات ہی ہو سکتی ہے۔ یا تو محمد نے یہ تمام واقعات خواب میں دیکھے اور انھیں حقیقت سمجھ لیا یا پھر انھوں نے یہ تمام واقعات اپنی ذہن سے جان بوجھ کر گھڑے تھے۔ میرا خیال ہے کہ انھوں نے یہ تمام واقعات خواب میں دیکھے اور پھر سوچا کہ "آزمانا چاہیئے کہ آیا لوگ ان پر یقین کرتے ہیں یا نہیں۔" محمد کو اس معاملے میں ضرور مشتبہ ہونا چاہیئے کیونکہ انھوں نے قرآن میں معجزات کا ذکر کرتے ہوئے کبھی بھی بہت زیادہ کھل کر بات نہیں کی۔ زیادہ تر معجزات جو کہ انکی ذات سے منسوب کئے جاتے ہیں، احادیث سے ماخوذ شدہ ہیں۔ سوائے اس یک سطری آیت کے جس میں چاند کے ٹکڑے ہو جانے کا تذکرہ ملتا ہے اور جو کہ اتنی مبہم ہے کہ کوئی بھی مسلمان اسے تشبیہہ قرار دے کر جان چھڑا سکتا ہے۔ احادیث محمد کی زندگی اور کردار کی بالکل درست عکاس ہیں، اور اس کے بارے میں زیادہ تر معلومات ان ہی احادیث سے ماخوذ شدہ ہیں۔

جس طرح میرے پاس پیگاسس، ڈریگن اور یونی کارن کا عدم وجود ثابت کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ بلکل اسی طرح میرے پاس اس واقعے کا عدم وجود ثابت کرنے کا بھی کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ قطع نظر اس حقیقت کے کہ عام عقلی حس کسی گھوڑے کے اڑنے کو تسلیم نہیں کرتی اور تنقیدی حس یہاں سوال اٹھاتی ہے (گھوڑے نے درحقیقت پرواز کی تھی یا یہ ایک جھوٹ ہے؟) اور تسلیم کرتی ہے کہ یہ واقعہ کبھی رونما نہیں ہوا۔ ذرا تصور کریں کہ محمد نے اگر یہ حیرت انگیز سفر کسی شاندار خلائی جہاز کے ذریعے کیا ہوتا تو انھوں نے خلا میں پرواز کی ہوتی اور خلا میں رہتے ہوئے زمین کا مشاہدہ بھی کیا ہوتا اور ممکن ہے کہ انھوں نے ہماری کہکشاں کا بھی مشاہدہ کیا ہوتا۔ یہ اس بات پر منحصر ہے کہ جس آسمان پر وہ تشریف لے گئے وہ کہاں واقع ہے۔ تاہم وہ وہاں تشریف لے گئے بنا کسی آکسیجن کے ذخیرے کے اور بنا کسی خلائی لباس کے اور وہ زمین کی گولائی کا مشاہدہ بھی نہ کر سکے اور نہ ہی اس بات کا مشاہدہ کر سکے کہ سورج درحقیقت زمین کے گرد چکر نہیں کاٹ رہا۔ انھوں نے محض عیسیٰ اور موسیٰ سے تھوڑی بات چیت کی اور اللہ تعالیٰ سے مسلمانوں کے لیے نمازوں کی تعداد میں کمی کی درخواست کی۔

حتیٰ کہ میں جب بھی اس واقعے کو زیر بحث لاتا ہوں تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے میں کسی تخیلاتی ناول پر بات کر رہا ہوں۔ مگر کروڑوں مسلمانوں کے نزدیک یہ واقعہ حقیقت پر مبنی ہے۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ کوئی بھی صحیح العقل شخص اس قسم کی کہانیوں میں موجود نقائص کا مشاہدہ نہ کر سکے؟ یہ کہانی اس حد تک تصوراتی ہے کہ مجھے یقین ہے کہ مسلمانوں کی آنے والی نسلیں اسے بڑی سہولت کے ساتھ رد کر دیں گی اور خود کو محمد کے اڑنے والے گھوڑے کی پیدا کردہ الجھنوں سے محفوظ کر لیں گی۔

یونس اور وہیل مچھلی

یہ علمی سرقے کی ایک اور مثال ہے۔ یونس کے ایک بڑی مچھلی یا وہیل کے ذریعے نگلے جانے کا تذکرہ کتاب یونس (بک آف جوناہ) میں ملتا ہے۔ ذرا نیچے دی گئی قرآنی آیت پر ایک نظر ڈالیں:

اور بے شک یونس پیغمبروں میں سے ہے جو کہ بھری کشتی کی طرف نکل گیا تو قرعہ ڈالا تو دھکیلے ہوؤں میں ہوا۔ پھر اسے مچھلی نے نگل لیا اور وہ اپنے آپ کو ملامت کرتا تھا۔ تو وہ اگر تسبیح کرنے والا نہ ہوتا ضرور اسکے پیٹ میں رہتا۔ جس دن تک لوگ اٹھائے جائیں گے۔ پھر ہم نے اسے میدان ڈال دیا اور وہ بیمار تھا۔ (۳۷:۱۳۹-۱۴۵)

سب سے پہلی بات یہ کہ واحد مچھلی یا مچھلی نما جاندار جو کہ کسی بھی انسان کو سالم نگل سکتا ہے وہ اسپرم وہیل ہے کیونکہ یہ بڑے سائز کے اسکوئڈ نگلنے کے حوالے سے جانی جاتی ہے۔ باقی تمام وہیل مچھلیوں کی غذائی نالی اتنی چھوٹی ہوتی ہے کہ انکے لئے کسی ایسے انسان کو سالم نگلنا ممکن نہیں ہے۔ جس کی نشو و نما مکمل ہو چکی ہو۔ سب سے اہم سوال یہ ہے کہ اگر اسپرم وہیل کسی انسان کو نگل لے تو کیا ہو گا؟ جب بھی کسی جانور کو سالم نگلا جاتا ہے تو اس بات کا قوی امکان ہوتا ہے کہ ایک سے تین منٹ کے اندر اندر وہ جانور دم گھٹنے کے باعث زندگی کی بازی ہار جاتا ہے۔ اگر وہ جانور کسی طرح زندہ بچ بھی جائے تو اسپرم وہیل کے جسم کے عضلات اور پٹھے اسے مسل دیں گے۔ کچھ ایسے واقعات بھی دیکھنے میں آئے ہیں، جب ایناکونڈا نامی سانپوں نے انسانی بچوں کو نگلا۔ مگر جب سانپوں کے پیٹوں سے ان بچوں کی لاشیں برآمد کر کے انکا تجزیہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ انکی اموات دم گھٹنے کے باعث اور عضلات کے ذریعے مسلے جانے کے باعث واقع ہوئیں۔ قرآن اور انجیل میں موجود زیادہ تر کہانیوں کی طرح یہ کہانی بھی اُتنی ہی غیر حقیقی ہے، جتنی کہ محمد کی اڑنے والے گھوڑے سے متعلق کہانی ہے۔

آسمان بحیثیت ایک مادی شے

آسمان ہمیشہ سے پر اسرار رہا ہے۔ ہمارے سروں پر قائم نیلے رنگ کی شے آخر ہے کیا؟ جو رات کے وقت سیاہ ہو جاتی ہے۔ بد قسمتی سے محمد کے پاس کوئی ایسا واضح اور ٹھوس نظریہ نہیں تھا جو کہ آسمان کی ساخت اور ہیت کی وضاحت کر سکتا۔ محمد کا خیال تھا کہ آسمان کوئی شے ہے۔ لہذا اس نے درج ذیل آیت تخلیق کی:

اور اگر آسمان سے کوئی ٹکڑا گرتا ہوا دیکھیں گے تو کہیں گے تہہ بہ تہہ بادل ہے۔ (۵۲:۴۴)

میں یہاں مسلمان علماء کی نااہلی پر حیران ہوں۔ جب وہ با آسانی اس آیت کو توڑ مروڑ کر دعویٰ کر سکتے تھے کہ یہاں آسمان سے گرنے والے ٹکڑوں سے اللہ کی مراد کشو در گرہ اور دمدار ستارے ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ آج کے بعد مسلمان علماء میرے اس خیال سے استفادہ کرنا شروع نہیں کریں گے۔ مندرجہ بالا آیت صرف اسی صورت میں کوئی با معنی شکل اختیار کر سکتی ہے جب قرآن کا مصنف آسمان کو کوئی ٹھوس شے تسلیم کرتا ہو۔ قرآن میں درحقیقت آسمان کو ایک بہت بڑا گنبد یا چھت تسلیم کیا گیا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ ہمارے پاس ایک سے زیادہ آسمان ہیں۔ مزید ایک گرنے والا پتھریلا ٹکڑا بادل کی طرح نظر نہیں آتا۔ درج ذیل آیت ملاحظہ ہو:

جس نے تمھارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو عمارت بنایا-(۲:۲۲)

یا پھر یہ آیت:

اللہ ہے جس نے آسمانوں کو بلند کیا بے ستونوں کے کہ تم دیکھو-(۱۳:۲)

ہم چپٹی زمین سے متعلق جھوٹ کو پہلے ہی کئی آیات میں زیر بحث لا چکے ہیں- مندرجہ بالا قرآنی آیات سے یہ بات بالکل واضح ہو رہی ہے کہ قرآن کے نزدیک آسمان ایک گنبد ہے- جو کہ نظر نہ آنے والے ستونوں پر کھڑا ہے- جو کہ اسے زمین پر گرنے سے بچائے ہوئے ہیں اور یہ کہ ناراضگی کی صورت میں خدا اسے انسانوں پر گرا سکتا ہے-

خیالات دل میں پیدا ہوتے ہیں

تمام تر تاریخ میں ہم استعاراتاً خیالات کو دل کے ساتھ منسوب کرتے ہیں، اور کہتے ہیں "میرا دماغ کچھ کہتا ہے اور میرا دل کچھ اور کہتا ہے-" اپنی روزمرہ زندگی میں ہم اپنے جذباتی خیالات کا سبب اپنے دل کو قرار دیتے ہیں- لیکن در حقیقت ہم میں سے کوئی بھی خیالات کا منبع دماغ کے بجائے دل کو نہیں گردانتا- میں یہاں قرآن کو معاف کر سکتا تھا اگر وہ یہاں حقیقی نقطہ نظر سے بات نہ کر رہا ہوتا- درج ذیل آیت ملاحظہ ہو:

سنو وہ اپنے سینے دہرے کرتے ہیں کہ اللہ سے پردہ کریں- سنو جس وقت وہ اپنے کپڑوں سے سارا جسم ڈھانپ لیتے ہیں، اس وقت بھی اللہ انکا چھپا اور ظاہر سب کچھ جانتا ہے- بیشک وہ دلوں کی بات جاننے والا ہے-(۱۱:۵)

میں اس آیت کو غالباً یہاں شامل نہ کرتا اگر اس میں یہ نہ کہا گیا ہوتا کہ کفار اپنے سینے دہرے کرتے ہیں (چھپاتے ہیں) اور آیت فقط اپنے آخری حصے "وہ دلوں کی بات جاننے والا ہے" پر مشتمل ہوتی- اگر آیت میں پہلا حصہ شامل نہ ہوتا تو ہم سوچ سکتے تھے کہ خدا کہہ رہا ہے کہ وہ تمھارے دل کا حال جانتا ہے- لیکن آیت کا پہلا حصہ اسکے مطالب کو مکمل طور پر تبدیل کر دیتا ہے- کیونکہ اس کے مطابق برے لوگ اپنے سینے چھپاتے ہیں یا دہرے کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے دلوں میں پلنے والے شیطانی خیالات کو چھپا سکیں-

دودھ کی پاکیزگی

یہاں ایک اور انتہائی عجیب و غریب سائنسی دعویٰ کیا گیا ہے- جسے بہت زیادہ وضاحت کی ضرورت نہیں ہے-

اور بے شک تمھارے لیے چرتے ہوئے چوپایوں میں سبق ہے- ہم تمھیں پلاتے ہیں اس چیز میں سے جو انکے پیٹ میں ہے- گوبر اور خون کے بیچ میں سے خالص دودھ گلے سے سہل اترتا پینے والوں کے لیے-(۱۶:۶۶)

یہ آیت دو ایسے دعوے کر رہی ہے جو کہ سائنسی لحاظ سے غلط ہیں۔

۱- گائیوں، بکریوں اور مادہ اونٹوں میں یہ دودھ گوبر اور خون کے درمیان پیدا ہوتا ہے۔ یعنی انتڑیوں کے قریب بنتا ہے۔

یہ دعویٰ واضح طور پر غلط ہے کیونکہ ممالیہ جانوروں میں دودھ پیدا کرنے والے غدود کسی بھی طرح انتڑیوں کے نزدیک نہیں پائے جاتے ہیں۔ یہ دعویٰ اس حد تک احمقانہ ہے کہ میں یہاں مسلمان علماء کے جوابی دلائل پر ایک نظر ڈالنا بھی ضروری نہیں سمجھتا۔

۲- یہ دودھ پاکیزہ ہے اور پینے والوں کے لیے صحت بخش ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ یہ بات درست نہیں ہے۔ کیونکہ دودھ بے حد آسانی کے ساتھ جراثیم سے آلودہ ہو جاتا ہے اور جدید دنیا میں تو دودھ کو جراثیم سے پاک کئے بغیر استعمال کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ مزید یہ کہ دنیا میں ایک بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی پائی جاتی ہے جو کہ لیکٹوس (دودھ کا ایک جزو) عدم برداشت کا شکار ہوتے ہیں۔ لہٰذا انھیں دودھ کے استعمال کا مشورہ کسی بھی صورت میں نہیں دیا جا سکتا۔ مگر ظاہر ہے کہ محمد یہ آیت ضبط تحریر میں لاتے وقت ایسے افراد کو بالکل ہی نظر انداز کر بیٹھے تھے۔

جانوروں کا مقصد

رسول اللہ پر نازل ہونے والے قرآن کے مطابق جانوروں کو در حقیقت انسانوں کی خاطر پیدا کیا گیا۔ یہ تمام جانور اپنے اندر مقاصد رکھتے ہیں۔ درج ذیل آیت ملاحظہ ہو:

اور گھوڑے اور خچر اور گدھے کہ ان پر سوار ہو اور زینت کے لیے اور وہ پیدا کرے گا۔ جس کی تمھیں خبر نہیں۔ (١٦:٨)

میں حیران ہوں کہ خدا نے ٹی ریکس، گور گونوپسڈ اور جانوروں کی لاتعداد ایسی اقسام کیونکر پیدا کیں جو کہ انسانوں کے اس کرہ ارض پر جنم لینے سے پہلے ہی ناپید ہو گئیں؟ یہاں یہ بات واضح ہے کہ قرآن کا مصنف ڈائنا سور اور ماضی سے تعلق رکھنے والے دیگر جانوروں کے وجود سے آگاہی نہیں رکھتا تھا۔ دلچسپ سوال یہ ہے کہ خدا جب سوروں سے نفرت کرتا ہے تو پھر آخر اس نے سور پیدا ہی کیوں کئے ہیں؟ ممکن ہے کہ محمد اس وقت سوروں کو بھول گئے ہوں۔ لہٰذا انھوں نے محض یہ کہہ کر پردہ پوشی کر لی ہو کہ "تم نہیں جانتے۔"

صداقت

عیسائیوں کے برعکس جو کہ جب بھی یا تو جدید اخلاقیات کی گرفت میں آتے ہیں یا سائنسی اعتبار سے غلط ثابت ہوتے ہیں تو فوراً پینترا بدل لیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ انجیل کے وہ الفاظ محض استعاراتی ہیں۔ مسلمان اس بہانے کا استعمال نہیں کر سکتے کیونکہ انکا دعویٰ ہے کہ قرآن سو فیصد خدائی الفاظ پر مبنی کتاب ہے۔ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان ایک اور اہم فرق دونوں کی تہذیبوں کے درمیان خواندگی کے تناسب کے پر مبنی ہے۔ جب آپ سائنس سے متعلق علم رکھتے ہیں تو آپ دیکھ سکتے ہیں کہ

انجیل اور قرآن سائنسی اعتبار سے کسی طرح بھی درست کتابیں نہیں ہیں۔ لہذا زیادہ تر عیسائی غیر سائنسی آیات کو قبول نہیں کرتے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عیسائیوں میں بھی بنیاد پرست افراد پائے جاتے ہیں۔ جو کہ اس حد تک تعلیم یافتہ بھی ہوتے ہیں کہ آیات میں موجود غلطیوں کو سمجھ سکیں۔ مگر ان کا عقیدہ اس قدر پختہ ہوتا ہے کہ وہ ان آیات کو رد نہیں کر سکتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ذہن کسی صورت تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ ہم محض امید ہی کر سکتے ہیں کہ انکے بچے ان جیسے نہ ہوں۔ عیسائی بنیاد پرستوں کی تعداد مسلمان بنیاد پرستوں کی نسبت کافی کم ہے۔ ایک بار پھر یہاں بنیادی فرق تعلیم کا ہے۔ مسلمان دنیا میں تعلیم اتنی عام نہیں ہے جتنی کہ عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاں ہے۔ یہ درست ہے کہ بہت سے مسلمان مذہب اور سائنس دونوں سے متعلق کافی علم رکھتے ہیں۔ لیکن وہ قرآنی الوہیت سے متعلق اپنا ذہن اور خیالات تبدیل نہیں کرتے۔ ایسے مسلمان منافق ہیں اور اس حد تک عقیدے کے پکے ہیں کہ یہ اپنے بچپن کی برین واشنگ کے ساتھ ساری زندگی بِتا دیتے ہیں۔ بہت سے مسلمان اس حقیقت سے آگاہ نہیں ہیں کہ جنسی غلامی نہ صرف اسلام میں جائز ہے بلکہ خود محمد اور انکے قریبی دوستوں نے اس قبیح فعل کا ارتکاب کیا تھا۔ وہ نہیں جانتے کہ قرآن زمین کے چپٹے ہونے سے متعلق نظریئے کا پرچار کرتا ہے اور زمین کو کائنات کا مرکز گردانتا ہے۔ ایسے مسلمان کم علم اور نا سمجھ ہیں اور اس کم علمی اور نا سمجھی کو ختم کرنے کا واحد ذریعہ تعلیم ہے۔ اپنے عیسائی ہم عصروں کی طرح تعلیم یافتہ مسلمان بھی نا قابل اصلاح ہیں اور ان سے متعلق کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ سوائے اس کے کہ انکے دنیا سے رخصت ہو جانے کا انتظار کیا جائے۔

مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ قرآن سو فیصد سچی اور سو فیصد خدائی الفاظ پر مبنی کتاب ہے جس میں نہ تو کسی قسم کی کوئی تبدیلی آئی اور نہ ہی باہر کی دنیا سے کوئی غلاظت اس میں شامل ہوئی ہے۔ یہ دعویٰ گذشتہ ادوار میں کافی پر اثر رہا۔ جب اسلام کے پیش کردہ اخلاقی معیارات اور سائنسی معلومات اور ان ادوار میں رائج شدہ اخلاقی معیارات اور سائنسی معلومات کے درمیان ہم آہنگی پائی جاتی تھی۔ مثال کے طور پر انیسویں صدی تک غلام بنایا جانا ایک معمول کی بات تھی اور سورج کا زمین کے گرد گردش کرنا بھی سولہویں صدی تک ایک عام عقیدہ تھا۔ انسانی تاریخ کے بہت بڑے حصے میں عورتوں کو مردوں سے کم تر سمجھا جاتا رہا۔ جیسا کہ قرآن میں کہا گیا۔ لہذا ان باتوں پر کبھی سوالات اٹھائے ہی نہیں گئے۔ مکمل طور پر درست اور خدائی الفاظ پر مبنی ہونے کا یہ دعویٰ اب قرآن کے لئے مصیبت بنتا جا رہا ہے۔ کیونکہ زیادہ سے زیادہ لوگ یہ سوال اٹھا رہے ہیں کہ آخر کس طرح ہر شے کی خالق ایک ذہین و فطین ذات اس قسم کے اخلاق باختہ اور سائنسی لحاظ سے غلط بیانات تخلیق کر سکتی ہے؟

میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کے لیے بہتر دفاعی حربہ یہ ہے کہ وہ یہ دعویٰ کر دیں کہ قرآن میں کسی حد تک تبدیلی کی جا چکی ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ قرآنی آیات کو توڑ مروڑ کر انھیں جدید سائنس اور سماجیات سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کریں۔ اگر یہ کہا جائے کہ کچھ قرآنی آیات ممکنہ طور پر تبدیل کر دی گئیں ہیں تو یہ بات زیادہ قابل یقین ہو گی، بجائے اس کے کہ ان آیات کو توڑا مروڑا جائے جو کہ زمین کو چپٹا قرار دے رہی ہیں۔

یہ کیونکر آسان ہو گا؟ فقط اسلئے کہ قرآن کو تبدیل ہونے کے لیے کافی وقت اور گنجائش میسر آئی ہے۔ محمد کا دعویٰ تھا کہ وہ اپنے ذہن میں آوازیں سنا کرتے تھے جو کہ فرشتے جبرائیل کے ذریعے نازل ہونے والے خدائی الفاظ (وحی) پر مبنی ہوتی تھیں۔ لہذا وہ واپس آتے اور پہلے خدیجہ کے سامنے یہ سب بیان فرماتے اور پھر اپنے دیگر دوستوں کے سامنے بیان فرماتے۔ ان کے پاس کاتبین موجود تھے جو کہ اس مواد کو کپڑوں پر، چمڑے پر اور ہڈیوں کے ٹکڑوں پر تحریر کر دیا کرتے تھے۔ یہ مقولا جات یا

آیات ہر جگہ نظر آتی تھیں۔ جب سن ۶۳۲ عیسوی میں محمد نے وفات پائی، اس وقت سینکڑوں مسلمان ایسے تھے جنھوں نے یہ قرآنی آیات ذہن نشین کر رکھی تھیں۔ ان میں سے بہت سے مسلمان جنگ یمامہ کے دوران مارے گئے جو کہ دسمبر ۶۳۲ عیسوی میں لڑی گئی اور جس کے بعد خلیفہ اول ابو بکر صدیق نے بچ جانے والے مسلمانوں کو زید ابن ثابت کی سربراہی میں قرآنی آیات ایک کتابی شکل میں جمع کرنے کا حکم دیا۔ زید اور عمر نے حفاظ کے تعاون سے ہر ایک آیت کی درستگی کی تصدیق کی اور تصدیق کے بعد اسے قرآن میں شامل کیا گیا۔ جب جب زید اور عمر کسی بھی آیت کو ذہن میں لانے میں ناکام ہوتے، دو آزاد گواہان کو مذکورہ آیات کی تصدیق کرنی پڑتی۔ ان تمام تصدیق شدہ آیات کو ایک کتاب کی شکل میں مرتب کر لیا گیا۔ قرآن کی اصل بہترین کاپی ابو بکر کے پاس سن ۶۳۴ عیسوی تک محفوظ رہی اور اسی سال انھوں نے وفات پائی۔ ابو بکر کے انتقال کے بعد یہ بہترین کاپی خلیفہ دوئم عمر بن خطاب کے پاس منتقل ہوگئی۔ جب ۶۴۴ عیسوی میں عمر کو قتل کر دیا گیا۔ تو یہ کاپی عمر کی بیٹی اور محمد کی بیوہ حفصہ بنت عمر نے اپنے پاس محفوظ کر لی۔

مسلمانوں کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ خدا لوگوں سے وعدہ کر چکا ہے کہ کوئی بھی شخص کسی بھی وقت قرآن میں کسی بھی قسم کا اضافہ یا ترمیم نہیں کر سکے گا۔ جیسا کہ اس سے پہلے یہودیوں اور عیسائیوں نے کیا تھا۔ اب کے بار خدا نے اپنے الفاظ کی حفاظت کا ذمہ خود ہی لیا ہے۔ مجھے اس بات پر تعجب ہے کہ خدا نے اپنی پچھلی کتابوں اور صحیفاجات یعنی توریت، زبور اور انجیل کی حفاظت کی خاطر آخر کچھ بھی کیوں نہیں کیا؟ خدا یقینی طور پر ذرا بھی دور اندیش نہیں ہے، اگر وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ عیسائی اور یہودی اسکے الفاظ میں تبدیلیاں کرنے کے مرتکب ہو سکتے ہیں۔ اسلام کے اگلے خلیفہ عثمان تھے اور ان کے دور میں اسلام مشرقِ وسطیٰ میں بہت تیزی کے ساتھ پھیلا۔ نئے مفتوحہ علاقوں میں بہت سے لوگ ایسے تھے جو کہ اسلام کے حقیقی چہرے کو متنازعہ بنا رہے تھے۔ عثمان اس بات کو بہت جلد سمجھ گئے تھے اور انھوں نے قرآن کی نئی نقلوں کو فوری طور پر ضائع کرنے کا حکم دیا اور ان کی جگہ ابو بکر کے محفوظ کردہ اصل قرآن کو عام کیا۔ آخر کس طرح انھوں نے نئے تخلیق شدہ قرآن کی تمام کاپیاں تباہ کیں اس بارے میں کوئی نہیں جانتا۔ محض یہ دعویٰ، کہ ہم نے انھیں تباہ کر دیا، کافی معلوم نہیں ہوتا۔ ہم سب لفظ "سُن گُن" کے معنی سے آگاہ ہیں اور ہمیں معلوم ہے کہ جب مختلف الفاظ اور پیغامات مختلف لوگوں کے درمیان سے ہوتے ہوئے ہم تک پہنچتے ہیں تو وہ کس طرح اپنے معنی تبدیل کر چکے ہوتے ہیں۔ یہ کہنا کہ جو قرآن ابو بکر کے دور میں مرتب کیا گیا وہ اسی قرآن کی ہو بہو نقل تھا جسکی تلاوت محمد کیا کرتے تھا، ایک ناقابل اعتبار دعویٰ ہے۔ جس پر کسی صورت یقین نہیں کیا جا سکتا۔ یہ درست ہے کہ موجودہ دور کے مسلمان پورا قرآن حرف بہ حرف بنا کسی غلطی کے ذہن نشین کر لیتے ہیں۔ مگر اس بات کا موازنہ ابتدائی دور کی صورت حال سے کسی طور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اس دور میں قرآن کی ساخت چند لوگوں کی یادداشت پر منحصر تھی۔ جنھوں نے محمد کا بیان کردہ مواد ذہن نشین کر رکھا تھا۔ محمد کا انتقال ۶۳۲ عیسوی میں ہوا جبکہ قرآن ۶۳۴ عیسوی میں مرتب کیا گیا۔ جدید دور کے مسلمان اسے ایک حتمی طور پر مرتب شدہ کتاب کے ذریعے ذہن نشین کرتے ہیں۔ جو کہ ذہن نشین کرنے والوں کی غلطیوں کی مسلسل درستگی کرتی رہتی ہے اس صورت میں جب وہ کسی بھی جگہ غلطی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ مگر ابتدائی دور کے مسلمانوں کے پاس غلطیوں کی درستگی کا کوئی خودکار نظام موجود نہیں تھا۔ ہم سب با آسانی جھوٹی یادداشت تشکیل دے سکتے ہیں اور حقائق کو فراموش کر سکتے ہیں۔ جب بھی ہم اپنے پسندیدہ اقوال بیان

کرتے ہیں تو تشریحاً بیان کرتے ہیں اور درست معنوں میں بیان کرتے ہیں۔ مگر وہ بیان کرنے والے اصل شخص کے حقیقی الفاظ نہیں ہوتے۔ اس بات پر یقین کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ ابتدائی دور کے مسلمانوں نے اپنی یاد داشت کے بل بوتے پر جو قرآن مرتب کیا وہ حتمی طور پر وہی قرآن تھا جو کہ محمد نے انکے سامنے بیان کیا۔

غلط آیات

یہاں قرآن کی صداقت سے متعلق ایک بے حد بڑی بے ضابطگی بھی موجود ہے۔ ابن اسحاق کے مطابق سورہ نجم کی اکیسویں اور بائیسویں آیت کے درمیان ایک اور آیت موجود تھی۔ اس آیت کو اکثر "شیطانی آیت" کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ ابن اسحاق کے مطابق یہ آیت بعد میں محمد نے قرآن سے خارج کر دی۔ انکا کہنا تھا کہ شیطان نے دھوکے سے انھیں یقین دلایا تھا کہ یہ آیت خدا کی جانب سے نازل کی گئی ہے۔ یہاں مندرجہ ذیل دو نکات مد نظر رکھے جانے چاہئیں۔

۱- اگر محمد کو اس مرتبہ دھوکہ دے دیا گیا تو ہم کس طرح یہ بات جان سکتے ہیں کہ انھیں کسی اور مقام پر دھوکا نہیں دیا گیا ہو گا؟

۲- اگر محمد کو واقعی دھوکا دیا گیا تھا تو وہ یقیناً ایک مکمل انسان نہیں تھے۔ کیونکہ وہ بھی عام لوگوں کی طرح شیطانی دھوکے میں آسکتے تھے۔

جدید مسلمان علماء یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ واقعہ کبھی رونما نہیں ہوا۔ مگر وہ ابن اسحاق ہی کی کتاب میں بیان کردہ ایسے واقعات سے مطمئن ہیں جو کہ محمد کے کردار کی مثبت تصویر کشی کر رہے ہیں۔

گمشدہ آیات

ام المومنین حضرت عائشہ کے مطابق ایک قرآنی آیت جو کہ زناکار کے رجم سے متعلق تھی، ضائع ہو گئی۔ کیونکہ وہ ایک کاغذ پر لکھی ہوئی تھی اور اس کاغذ کو بکری نے کھا لیا تھا۔

رجم اور بالغوں کو دودھ پلانے سے متعلق آیات دس بار نازل ہوئیں اور وہ ایک کاغذ پر لکھ لی گئیں اور کاغذ میرے تکیے کے نیچے رکھا گیا۔ جب محمد کا انتقال ہوا اور انھوں نے موت کو گلے لگایا تو ایک بکری اندر آئی اور وہ کاغذ کھا گئی۔

کھوئی ہوئی یہ آیات مکمل طور پر حقیقی معلوم ہوتی ہیں۔ کیونکہ یہ محمد کی سوچ سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہیں۔ بہت سی ایسی احادیث موجود ہیں جو ہمیں یہ بتاتی ہیں کہ کس طرح محمد نے کسی بھی زناکار کی سزا کے طور پر رجم کے طریقہ کار کو دیگر طریقہ ہائے کار پر ترجیح دی۔ لہذا یہ بات قابل فہم ہے کہ یہ احکامات قرآن سے ماخوذ ہیں۔ مسلمان دنیا سے تعلق رکھنے والے تمام زناکاروں کو اس بکری کا شکر گزار ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اگر یہ معزز بکری نہ ہوتی تو تمام مسلمان جرم زنا کی اس سفاکانہ سزا پر متفق ہوتے۔

دوسری آیت ایک منسوخ شدہ آیت ہے۔ یہ آیت اگر ضائع ہونے سے بچ جاتی تو ایک انتہائی پیچیدہ آیت ہوتی اور مسلمانوں کے لیے انتہائی شرمندگی اور الجھن کا باعث ہوتی۔ محمد کے مطابق کوئی بھی شخص اگر کسی عورت کا دودھ کم از کم دس مرتبہ پی لے تو وہ اسکے لیے محرم (بیٹے کی مانند) بن جاتا ہے اور اسی وجہ سے وہ آئندہ زندگی میں اسکے ساتھ کبھی شادی نہیں کر سکتا۔ مگر وہ اسکے ساتھ تنہائی میں وقت گزار سکتا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح بیٹاماں کے ساتھ وقت گزارتا ہے۔ یہ کسی بھی شخص کو محرم بنانے کا ایک طریقہ ہے۔ جو کہ بعد میں دس مرتبہ دودھ پلا کر محرم بنانے کے بجائے پانچ مرتبہ دودھ پلا کر محرم بنانے میں تبدیل ہوا۔ یہاں تک تو ٹھیک ہے مگر پھر یہ حدیث سامنے آتی ہے:

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ سالم جو ابو حذیفہ کا آزاد کردہ غلام تھا۔ وہ انکے اور انکے خاندان کے ساتھ رہتا تھا۔ وہ (یعنی سہیل کی بیٹی) محمد کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ "سالم بلوغت کو پہنچ چکا ہے جیسا کہ مرد بلوغت کو پہنچتے ہیں اور اب وہ تمام ایسی باتیں سمجھنے لگا ہے جو کہ مرد سمجھتے ہیں۔ وہ ہمارے گھر میں آزادنہ آمدورفت رکھتا ہے۔ تاہم میں محسوس کرتی ہوں کہ کوئی شے ابو حذیفہ کے دل کو تکلیف دیتی ہے۔" جس پر محمد نے اس سے فرمایا، "اسے اپنا دودھ پلاؤ" اور پھر تم اس پر حرام ہو جاؤ گی، اور (تکلیف) جو ابو حذیفہ اپنے دل میں محسوس کرتا ہے وہ دور ہو جائے گی۔" وہ واپس آگئی اور پھر اس نے بتایا کہ "اس طرح میں نے اسے دودھ پلایا اور ابو حذیفہ کے دل میں جو تکلیف تھی وہ دور ہو گئی۔" (صحیح مسلم: جلد ۸: حدیث نمبر ۳۴۲۵)

کچھ مسلمان علماء کا کہنا ہے کہ اس عورت نے درحقیقت ایک پیالے میں دودھ اکٹھا کیا جسے بعد میں اس نے (سالم نے) پیا۔ اب چاہے معاملہ یہ تھا یا نہیں مگر ہم یہاں محمد کے حِس مزاح سے ضرور آگاہی حاصل کر سکتے ہیں۔ جب ایک عورت نے سوال کیا کہ کس طرح وہ ایک جوان مرد کو اپنا دودھ پلا سکتی ہے تو بجائے اس عورت کو اپنا دودھ پیالے میں منتقل کر کے پلانے سے متعلق ہدایت دینے کہ محمد مسکرائے اور فرمایا، "ہاں میں جانتا ہوں۔

ایک طرح سے دیکھا جائے تو یہاں یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ کس حد تک مذاہب انسان کو پابندیوں میں جکڑ سکتے ہیں کہ ایک مرد کی موجودگی میں کسی جگہ ایک عورت صرف اسی صورت میں موجود رہ سکتی ہے جب اس عورت نے مرد کو اپنا دودھ پلایا ہو۔ کیا حرج ہے اگر کسی بھی جنسی معاملے میں پڑے بغیر ایک دوسرے کی موجودگی میں بالغوں جیسا رویہ اپنایا جائے؟ اسلام مردوں اور عورتوں کو ہر قسم کی عقل وفہم سے عاری ایسے حیوان سمجھتا ہے جو کہ ہر وقت ایک دوسرے کے ساتھ جنسی افعال کا ارتکاب کرنے کے مواقعوں کے متلاشی رہتے ہیں۔

قرآن میں ہونے والی ترمیمات

ضائع شدہ ان آیات کے بارے میں مسلمان علماء کے درمیان کسی قدر اختلاف پایا جا سکتا ہے۔ لہذا ہم اس معاملے میں کچھ خاص نہیں کر سکتے۔ سوائے اس کے کہ اپنے موقف پر ڈٹے رہیں اور ان مسلمانوں کو ان آیات کے بارے میں آگاہی فراہم کرتے رہیں جو کہ ان کے بارے میں معلومات نہیں رکھتے۔ سب سے آخری بڑی بے ضابطگی آیات کی منسوخی ہے۔ جسے عربی میں "نسخ" کہا جاتا ہے۔ محض یہ حقیقت جسکے مطابق مسلمانوں نے کچھ آیات کی تنسیخ کا فیصلہ کیا۔ اس جانب اشارہ کر رہی ہے کہ

یہ آیات متنازعہ تھیں۔ اس بات پر حیران بالکل نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ قرآن بہرحال لوگوں کی یادداشت کی بنیاد پر مرتب کیا گیا اور نئے مفتوحہ افراد نے بھی اپنا ایک علیحدہ قرآن ترتیب دیا۔ تو یہ بے حد آسان ہے کہ قرآن میں حادثاتی طور پر کچھ لوگوں کی بنائی ہوئی آیات بھی شامل ہو گئی ہوں گی۔ تنسیخ کا اصول درج ذیل قرآنی آیات کی بنیاد پر اپنایا گیا۔

جب کوئی آیت ہم منسوخ فرمادیں یا بھلادیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی لے آئیں گے۔ کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔(۲:۱۰۶)

تو بنیادی طور پر لاکھوں کہکشاؤں کا خالق پہلی ہی بار میں ایسا جملہ پیش کرنے سے قاصر ہے جو کہ ہر لحاظ سے مکمل ہو۔ لہذا اسے آنے والے وقت میں پہلے سے بہتر کوئی چیز پیش کرنی پڑتی ہے۔ جو بھی ہو یہی وہ اصول ہے جسے مسلمان علماء نے قرآن میں موجود مختلف تضادات رفع کرنے کی خاطر اپنایا ہے۔ کیونکہ ایسی مثالیں موجود ہیں کہ جب کسی جگہ ایک بات کہی جا رہی ہوتی ہے تو اسکی بالکل متضاد بات اگلی آیت میں کی جا رہی ہوتی ہے۔ اسی بنیاد پر مسلمان علماء بعد میں نازل ہونے والی آیات کو پہلے نازل ہونے والی آیات کے مقابلے میں زیادہ مستند مانتے ہیں۔ برٹن کی تحریر کردہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام اور کتاب اسلامک تھیوریز آف ابیور گیشن کے مطابق ۵۶۴ قرآنی آیات جو کہ مبینہ طور پر مصحف (قرآن) سے خارج کی گئیں ہیں۔ وہ قرآن میں موجود کل مواد کے گیارھویں حصے کے برابر ہیں۔ جیسے جیسے اسلام جدت اختیار کرتا جائے گا، اس بات کا قوی امکان ہے کہ مزید آیات کی تنسیخ عمل میں آئے گی۔

تشدد

مسلمان عذر خواہ یہ دعویٰ بڑے شوق سے کرتے ہیں کہ پر تشدد آیات میں مخصوص سیاق و سباق کے ساتھ کسی مخصوص وقت سے متعلق بات کی گئی ہے۔ اسلام کی پر تشدد آیات کا تجزیہ کرتے وقت یہ بات اہم ہے کہ ہم محمد کی زندگی کی تاریخ پر بھی ایک نظر ڈالیں۔ محمد پر قرآن انکی زندگی کے آخری ۲۳ سالوں کے درمیان نازل ہوا۔ ان ۲۳ سالوں کے درمیان دو ایسے واقعات پیش آئے جو کہ انتہائی اہم تھے۔ چونکہ ہم یہاں تنقیدی نقطہ نظر سے قرآن کا جائزہ لے رہے ہیں، تو ہمیں اس بات کا غالب امکان نظر آرہا ہے کہ قرآن در حقیقت خدا کے بجائے محمد کے الفاظ پر مبنی کتاب ہے۔ لہذا اس باب میں جن آیات کا بھی حوالہ دیا جائے انھیں خدا کے بجائے محمد کے الفاظ تصور کیا جائے۔ جب تک خاص طور پر انھیں خدا کے الفاظ نہ کہا جائے۔ قرآن چونکہ تاریخی ترتیب کے حساب سے مرتب نہیں کیا گیا۔ لہذا یہ بات بے حد ضروری ہے کہ اسے دو حصوں میں تقسیم کر لیا جائے۔

۱- قرآنی آیات جو کہ مدینہ ہجرت سے قبل نازل ہوئیں مکی آیات کہلاتی ہیں-

۲- قرآنی آیات جو کہ مدینہ ہجرت کے بعد نازل ہوئی مدنی آیات کہلاتی ہیں-

مکی آیات

نہایت ہی شائستہ اور بہترین قرآنی آیات اس دور میں نازل ہوئیں جو کہ ہجرت مدینہ سے پہلے کا دور تھا۔ یہ آیات زیادہ فلسفیانہ اور فطری اعتبار سے کم قابل عمل تھیں۔ محمد نے اچھائی کے تصور کو کچھ اس طرح بیان کیا: آؤ خدا کی طرف، دوسروں کی مدد کرو وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام آیات اس وقت نازل ہوئیں جب محمد کے پاس کسی قسم کی طاقت اثر ورسوخ نہیں تھا۔

ان آیات میں موجود ڈراوے در حقیقت اللہ کی جانب سے تھے اور براہ راست جہاد سے متعلق احکامات اس وقت ان میں شامل نہیں تھے۔ اس عرصہ کے دوران محمد ایک نئے مذہب کی شروعات کر چکے تھے اور ایک ایسے خدائے واحد کی جانب سے ایک پیغام وصول کر چکے تھے جس پر اس دور کے عرب یقین نہیں رکھتے تھے۔ محمد کا آئے دن مذاق آڑایا گیا اور بے عزتی کی گئی۔ ہجرت سے قبل نازل ہونے والی چند آیات دیکھیں:

تو کیا حال ہو گا - کیا نہ جانا کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ ہاں ہاں اگر باز نہ آیا تو ہم ضرور پیشانی کے بال پکڑ کر کھینچیں گے -(۹۶:۱۵-۱۴)

یہاں آپ دیکھ سکتے ہیں کہ خدا کی جانب سے دی جانے والی ایک سزا کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ لیکن محمد حقیقی طور پر کسی بھی سزا کا نفاذ عمل میں نہیں لا رہے۔ وہ اس وقت طاقت سے محروم تھے۔ لہذا کفار کو ڈراوا دے رہے ہیں، "اس" (خدا) کا یعنی ان لوگوں کو خدا کے قہر سے ڈرا رہے ہیں جو محمد کو عبادات کی انجام دہی سے روکا کرتے تھے۔ مکہ کے لوگ محمد کو اس نئے تشکیل شدہ مذہب کی تبلیغ سے روکنا چاہتے تھے۔ مگر انکا نئے مذہب کی تشکیل و تبلیغ سے متعلق جذبہ ڈانواں ڈول نہ ہوا۔

وہ تو اس آرزو میں ہیں کہ کسی طرح تم نرمی کرو تو وہ بھی نرم پڑ جائیں -(۶۸:۹)

محمد انھیں انجیل اور توریت سے اخذ شدہ قدیم کہانیاں سنا رہے تھے۔ لہذا انھیں کوئی ثبوت فراہم کرنے کے بجائے انھوں نے یہ آیت تخلیق کی:

جب اس پر ہماری آیات پڑھی جائیں، کہتا ہے اگلوں کی کہانیاں ہیں۔ (۶۸:۱۵)

بلاشبہ کوئی بھی اثر ورسوخ رکھنے والا مذہب جہنم کی آگ اور دیگر اقسام کی خدائی سزاوں کے بنا کام نہیں کر سکتا۔ لہذا محمد انھیں ایسی ہی سزاؤں سے ڈرایا کرتے تھے۔ مگر وہ در حقیقت ان سزاؤں کا نفاذ عمل میں لانے کی طاقت اور حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ در حقیقت وہ انکے ساتھ کسی بھی قسم کی تکرار سے پرہیز کرنا چاہتے تھے۔

اور کافروں کی باتوں پر صبر کرو اور انھیں اچھی طرح چھوڑ دو۔ (۷۳:۱۰)

محمد لوگوں سے کہہ رہے ہیں کہ وہ کفار کے منہ نہ لگیں۔ اللہ ان سے خود نمٹ لے گا۔ درج ذیل آیات دیکھیں:

تو جو اس بات کو جھٹلاتا ہے اسے مجھ پر چھوڑ دو۔ قریب ہے کہ ہم انھیں آہستہ آہستہ لے جائیں گے جہاں سے انھیں خبر نہ ہو گی۔ (۶۸:۴۴)

اور مجھ پر چھوڑ دو ان جھٹلانے والے مالداروں کو انھیں تھوڑی مہلت دو۔ (۷۳:۱۱)

بے شک ہمارے پاس بھاری بیڑیاں ہیں اور بھڑکتی آگ۔ (۷۳:۱۲)

دسیوں آیات ایسی ہیں جہاں محمد کفار کو خدا کی جانب سے دی جانے والی سزاؤں سے ڈرا رہے ہیں۔ مگر یہاں جہاد سے متعلق براہ راست احکامات موجود نہیں ہیں۔ زیادہ تر "سائنس سے متعلق" آیات اسی دور کی پیداوار ہیں۔ کیونکہ محمد کی نبوی زندگی کا پہلا حصہ لوگوں کو یہی یقین دلانے میں صرف ہوا کہ وہ خدا کے فراہم کردہ علم اور شخصیتی برتری کے حامل ہیں۔

۶۱۹ عیسوی میں محمد کے اثر ورسوخ رکھنے والے چچا، ابو طالب اور بیوی، خدیجہ، دونوں اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔ ان کی اموات کے ساتھ ہی محمد غیر محفوظ ہو گئے اور اب انھیں طاقتور کافر قریشی قبائل کی جانب سے حقیقی خطرہ لاحق تھا۔ محمد محفوظ مقام کی تلاش میں مختصر عرصے کے لیے طائف تشریف لے گئے۔ تاہم انھیں وہاں خوش آمدید نہ کہا گیا اور ان پر گلیوں میں پتھراؤ کیا گیا۔ محمد واپس مکہ لوٹ آئے اور پھر واقعتاً انھوں نے یثرب کی جانب ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا (جسے بعد میں مدینہ کے نام سے جانا جانے لگا)۔ ۶۲۲ عیسوی تک تقریباً تمام مسلمان مدینے کی جانب ہجرت کر چکے تھے۔

مدنی آیات

مدینہ میں عیسائی اور یہودی ایک بڑی تعداد میں آباد تھے جو کہ نبوت کے اس نئے دعوے دار کی نسبت مکہ کے کافروں کی جانب سے زیادہ تشویش میں مبتلا تھے۔ لہٰذا انھوں نے محمد کو مدینے میں داخلے کی اجازت دے دی۔ محمد کو اپنے قتل کے منصوبے سے متعلق اطلاع مل چکی تھی۔ لہٰذا وہ چپکے سے آدھی رات کے وقت ابو بکر کے ہمراہ مکے سے نکل کھڑے ہوئے۔ اس کے فرار کی دلچسپ کہانی درج ذیل ہے۔

قریش ایک رات مکہ میں اکٹھے ہوئے۔ ان میں سے کچھ نے کہا، "صبح ہوتے ہی انھیں (رسول اللہ کو) زنجیروں میں جکڑ لو۔" کچھ نے کہا، "نہیں، انھیں قتل کر دو۔" کچھ نے کہا، "نہیں، انھیں باہر نکال دو۔" اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس منصوبے سے آگاہ کر دیا۔ لہٰذا علی اس رات محمد کے بستر پر سو گئے اور رسول اللہ نے وہاں سے نکل کر ایک غار میں پناہ لے لی۔ مشرکوں نے وہ رات لیٹے لیٹے علی کے انتظار میں گزاری کیونکہ انکا خیال تھا کہ وہ رسول اللہ ہیں۔ جب صبح ہوئی وہ ان پر جھپٹے۔ جس وقت انکی نظر علی پر پڑی اس وقت تک خدا انکا منصوبہ خاک میں ملا چکا تھا۔ انھوں نے پوچھا "تمھارا ساتھی کہاں ہے"؟ انھوں نے (علی نے) جواب دیا "میں نہیں جانتا"۔ لہٰذا وہ تعقب میں روانہ ہوئے اور جب وہ پہاڑ تک پہنچے تو حیران رہ گئے۔ وہ پہاڑ پر چڑھے اور غار کے قریب سے گزرے تو انھوں نے غار کے دہانے پر مکڑی کا جالا بنا ہوا دیکھا۔ جس پر انھوں نے گمان کیا کہ "اگر کوئی غار کے اندر داخل ہوا ہوتا تو مکڑی نے غار کے دہانے پر جالا نہ بُن رکھا ہوتا۔" اور محمد نے وہاں تین راتوں تک قیام کیا۔

محمد کو ان کے اپنے شہر سے آدھی رات کے وقت چوروں کی طرح فرار ہونے پر مجبور کر دیا گیا۔ جسکا نتیجہ اچھا نہیں نکلنا تھا۔ اسی بات نے اس کو پہلے سے زیادہ اکسایا کہ وہ اپنے تخلیق کردہ مذہب کو کامیاب بنائے۔ اور پھر واپس جا کر مکہ فتح کرے۔ جون ۶۲۲ عیسوی میں محمد بڑی کامیابی کے ساتھ تقریباً تمام مسلمانوں کے ہمراہ مدینہ میں داخل

ہوئے۔ جب مسلمان وہاں سے جا چکے تو مکہ کے باسیوں نے مسلمانوں کی جائیدادوں پر قبضہ کر لیا۔ یہ ایک کافی بڑی وجہ تھی جس کی بنیاد پر محمد نے کفار کے خلاف جنگ کا آغاز کیا تھا۔ مکہ والوں کی گرفت سے آزاد ہوتے ہی اس پر جہاد سے متعلق آیات کا نزول شروع ہو گیا۔

پروانگی عطا ہوئی انھیں جن سے کافر لڑتے ہیں اس بناء پر کہ ان پر ظلم ہوا اور بے شک اللہ ان کی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے۔ وہ جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے۔ صرف اتنی بات پر کہ انھوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے اور اللہ اگر آدمیوں میں سے ایک کو دوسرے سے دفع نہ فرماتا تو ضرور ڈھادی جاتیں خانقاہیں اور گرجا اور کلیسا اور مسجدیں جن میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے اور بے شک اللہ ضرور مدد فرمائے گا۔ اسکی جو دین کی مدد کرے گا۔ بیشک اللہ ضرور قدرت والا غالب ہے۔(۲۲:۳۹-۴۰)

غور کریں کہ کس طرح یہ آیات عیسائیوں اور یہودیوں کو بالکل بھی زیر تنقید نہیں لا رہیں۔ کیونکہ یہاں محمد انھیں یہ کہہ کر خود سے راضی کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ مکہ کے کافر عیسائیوں اور یہودیوں کی عبادت گاہوں کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ وہاں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔ یقیناً یہودی اور عیسائی اس دعوے سے متفق نہیں تھے۔ تاہم وہ مکہ کے کافروں کے روپ میں مشترکہ دشمن کو دیکھ رہے تھے۔ یہ تمام پر تشدد آیات در حقیقت اس دور میں نازل ہوئیں جب محمد مدینہ میں مقیم تھے اور انکی طاقت اور اثرورسوخ میں روز بروز اضافہ ہو تا جا رہا تھا۔ اب چونکہ اس کے اثرورسوخ میں اضافہ ہو چکا تھا لہذا اب وقت تھا کہ لڑا جاتا اور زیادہ سے زیادہ علاقوں پر قبضہ کیا جاتا۔

تم فرماؤ تمھارے باپ اور تمھارے بیٹے اور تمھارے بھائی اور تمھاری عورتیں اور تمھارا کنبہ اور تمھاری کمائی کے وہ مال اور وہ سودا جسکے نقصان کا تمھیں ڈر ہے اور تمھارے پسند کے مکان یہ چیزیں اللہ اور اسکے رسول اور اسکی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو راستہ دیکھو۔ یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے اور اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا۔(۹:۲۴)

یہ آیت واضح طور پر اللہ سے محبت کے تصور کو باپ، بھائی اور بیویوں سمیت تمام چیزوں اور رشتوں پر فوقیت دے رہی ہے۔ اللہ اور جہاد سب سے پہلے ہیں اور یہی آپ کو قیامت کے دن دوزخ کی آگ سے تحفظ دیں گے۔

لڑو ان سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور قیامت پر اور حرام نہیں مانتے اس چیز کو جس کو حرام کیا۔ اللہ اور اسکے رسول نے اور سچے دین کے تابع نہیں ہوتے۔ یعنی وہ جو کتاب دیئے گئے جب تک اپنے ہاتھ سے جزیہ نہ دیں ذلیل ہو کر۔(۹:۲۹)

یہ آیت خاص طور پر یہودیوں اور عیسائیوں سے متعلق ہے۔ جو کہ اللہ پر ایمان رکھنے کے دعویدار تو ہیں لیکن در حقیقت مسلمان نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ یہوے پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ آیت انھیں تنہا اور علیحدہ کر رہی ہے اور ظاہر کر رہی کہ وہ اب دوست نہیں رہے۔ یہاں قرآن مسلمانوں کو حکم دے رہا ہے کہ ان سے اس وقت تک جنگ کرو جب تک وہ عاجز نہ ہو جائیں۔ یعنی خود پر مسلمانوں کی حکومت اور برتری تسلیم نہ کر لیں اور جزیہ ادا کرنے والے دوسرے درجے کے شہریوں کی مانند اپنی زندگیاں بسر

کرنی نہ شروع کر دیں۔ عام بیان کے مطابق جو کہ الطبری سے ماخوذ ہے، جب محمد نے اپنا سفیر بازنطینی حکمران کے پاس بھیجا تو اس نے اسے قتل کروا دیا۔ اس سفیر کے قتل کے رد عمل کے طور پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔ ابن کثیر میں اس آیت کے سیاق وسباق کو ذرا مختلف طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔

یہ قابل احترام آیت اہل کتاب افراد کے خلاف جنگ سے متعلق احکامات لے کر نازل ہوئی۔ کفار کے شکست کھا جانے کے بعد جب لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد اللہ کے دین میں داخل ہو گئی اور جزیرہ نما عرب مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔ اللہ نے ہجرت کے نویں سال اپنے نبی کو اہل کتاب یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیا۔ انھوں نے رومیوں سے جنگ کرنے کی خاطر ایک فوج ترتیب دی اور اپنے ارادے اور منزل کا اعلان کرتے ہوئے لوگوں کو جہاد کے لیے بلایا۔ فوج اکٹھی کرنے کی غرض سے محمد نے اپنا پیغام مدینہ کے ارد گرد بہت سے عرب علاقہ جات تک بھیجا اور تیس ہزار افراد پر مشتمل ایک فوج ترتیب دی۔ مدینے سے تعلق رکھنے والے کچھ مسلمان اور مدینے یا اسکے ارد گرد کے علاقوں سے تعلق رکھنے والے کچھ منافقین پیچھے رہ گئے۔ کیونکہ یہ خشک سالی اور شدید گرمی کا سال تھا۔ محمد نے رومیوں کے خلاف جنگ کی غرض سے الشام کی جانب سفر کا آغاز کیا۔ یہاں تک کہ تبوک تک آ پہنچے۔ جہاں انھوں نے پانی کے ذخائر کے نزدیک بیس دن تک پڑاؤ ڈالا۔ پھر انھوں نے خدا سے دعا کی کہ وہ انھیں کسی فیصلے تک پہنچنے میں مدد عطا فرمائے اور پھر وہ واپس مدینہ لوٹ گئے۔ کیونکہ وہ ایک سخت ترین سال تھا اور لوگ کمزور تھے۔ جیسا کے پہلے بیان کیا گیا۔ خدا کی یہی مرضی تھی۔

اگر ہم الطبری میں بیان کردہ واقعے کو زیر بحث لائیں، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس خط میں ایسی کونسی غصہ دلانے والی بات لکھی تھی جسے پڑھ کر بازنطینی حکمران نے محمد کے سفیر کے قتل کا فیصلہ کر لیا؟ اگر ہم ابن کثیر میں بیان کردہ واقعے پر غور کریں تو یہ حقیقت سے زیادہ قریب محسوس ہوتا ہے۔ آیت نازل ہوئی، محمد نے اپنے ارادے کا اظہار کرتے ہوئے اپنا سفیر روانہ کیا اور پھر اس نے (رومی حکمران نے) رد عمل کا اظہار کیا۔ اس خط کا ترجمہ درج ذیل ہے:

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ محمد بن عبد اللہ کی جانب سے رومیوں کے بادشاہ ہرکولیس کی خدمت میں: ان سب پر سلامتی ہو جو رہنمائی حاصل کریں۔ مزید میں آپ کو قبول اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اگر آپ اسلام قبول کرتے ہیں تو آپ کے لئے سکون ہی سکون ہے۔ اللہ آپ کو دگنا اجر عطا فرمائے گا۔ اگر آپ اس سے منہ پھیرتے ہیں تو آپ اسی گناہ کا ارتکاب کریں گے جسکا ارتکاب آریاؤں نے کیا

تم فرماؤ اے اہل کتاب ایسے کلمے کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے۔ یہ کہ عبادت نہ کریں مگر خدا کی اور اسکا شریک کسی کو نہ کریں اور ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو رب نہ بنالے اللہ کے سوا۔ پھر اگر وہ نہ مانیں تو کہہ دو تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔ (۳:۶۴)

ہرکولیس نے اسے بطور ایک دھمکی لیا اور اس پر سخت برہم ہوا۔ محمد نے یا تو اس آیت کے دہرائے جانے سے پہلے یا بعد میں بازنطینی سلطنت پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ **دیگر بہت سے خطوط کی روشنی میں جو کہ اس نے دیگر سلطنتوں کے سربراہان کو لکھے، یہ بات ظاہر ہے کہ اس نے انھیں اسلام کی دعوت دی اور دعوت قبول نہ کرنے کی صورت میں نتائج کی دھمکی دی۔** اگر ہم مذکورہ آیت سے پہلے والی اور بعد والی آیت پر ایک نظر ڈالیں تو مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ پہلے والی آیت جو کچھ کہتی ہے وہ یہ ہے:

اے ایمان والو مشرک نرے ناپاک ہیں تو اس برس کے بعد وہ مسجد الحرام کے پاس نہ آنے پائیں اور اگر تمھیں محتاجی کا ڈر ہے تو عنقریب اللہ تمھیں دولتمند کر دے گا۔ اپنے فضل سے اگر چاہے بے شک اللہ علم و حکمت والا ہے۔ (۹:۲۸)

ابن کثیر کے مطابق جب محمد نے اس آیت کا اطلاق کر دیا اور غیر مسلمانوں کے مسجد الحرام میں داخلے پر پابندی عائد کر دی۔ تو مسلمانوں کو غیر مسلمانوں کی جانب سے حاصل ہونے والی بہت سی آمدنی سے محروم ہونا پڑا۔ مسلمانوں کو ہونے والے اس نقصان کی تلافی کی غرض سے خدا نے ایک اور آیت نازل کی جو مسلمانوں کو یہودیوں اور عیسائیوں سے جنگ کرنے اور ان سے جزیہ وصول کرنے کا حکم دے رہی تھی۔ سورہ التوبہ کی آیت ۲۹ کے بعد والی آیت کے مطابق:

اور یہودی بولے عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصرانی بولے مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ باتیں وہ اپنے منہ سے بکتے ہیں۔ اگلے کافروں کی سی بات بناتے ہیں۔ اللہ انھیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں۔ (۹:۳۰)

یہاں خدا یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ جنگ کی توجیہ پیش کرتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ وہ کس قدر بدفطرت اور بدنیت ہیں۔ لہذا آیت (۹:۲۹) میں وہ مسلمانوں کو عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دے رہا ہے۔

۶۲۸ عیسوی میں محمد کعبہ میں عمرہ کی ادائیگی کی غرض سے مکہ جانا چاہتا تھا۔ تاہم مکہ کے کافروں نے انھیں اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا۔ کافی بحث تکرار کے بعد دونوں فریقین ایک امن معاہدے پر دستخط کرنے پر راضی ہوئے۔ جسے معاہدہ صلح حدیبیہ کہا جاتا ہے۔ یہ معاہدہ واضح طور پر مشروط تھا۔

اور اگر کوئی قریشی اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر محمد کے پاس آئے، یعنی اگر کوئی قریشی اسلام قبول کر لے اور اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر اس کے پاس آ پہنچے تو اسے واپس قریش کے حوالے کر دیا جائے گا۔ کچھ عرصہ بعد ایک قریشی عورت ام کلثوم بنت عقبہ نے اسلام قبول کر لیا اور فرار ہو کر محمد کے پاس مدینہ آ پہنچی۔ جب اسکے بھائیوں نے اسکی واپسی کا مطالبہ کیا تو محمد نے اسے واپس لوٹانے سے انکار کر دیا اور بڑی سہولت کے ساتھ یہ آیت پیش کی:

اے ایمان والوں جب تمھارے پاس مسلمان عورتیں کفرستان سے آئیں تو انکا امتحان کر لو۔ اللہ انکے ایمان کا حال بہتر جانتا ہے۔ پھر اگر وہ تمھیں ایمان والیاں معلوم ہوں تو انھیں کافروں کو واپس نہ دو۔ نہ یہ انھیں حلال نہ وہ انھیں حلال اور انکے کافر شوہروں کو دے دو جو انکا خرچ ہوا۔ (۶۰:۱۰)

بنیادی طور پر اب خدا کہہ رہا ہے کہ اگر وہ ایمان والی عورت ہے تو اسے اسکے سرپرستوں کے حوالے نہ کرو۔ اس طرح وہ معاہدے کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ ام کلثوم کے شوہر نے شادی کے وقت جو رقم اسے دی تھی، اس رقم کی واپسی کی پیشکش کرتے ہوئے محمد نے اسے اسکے ورثاء کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ یہاں میں یہ ضرور کہنا چاہوں گا کہ ام کلثوم کو واپس نہ کرنے کا فیصلہ بالکل درست تھا۔ کیونکہ اسے اسکی اپنی مرضی کے عین مطابق ہر اس جگہ جانے کی آزادی ہونی چاہیئے تھی جہاں وہ جانا چاہتی تھی۔ لیکن بلاشبہ یہ اس معاہدے کی خلاف ورزی تھی جو کہ اس نے کفار کے ساتھ کیا تھا۔ ہمیشہ کی طرح محمد نے اپنے فائدے کے لیے کفار کے ساتھ معاہدہ کیا اور جب بھی انھیں مناسب محسوس ہوا یا ضرورت پیش آئی انھوں نے اس معاہدے کی خلاف ورزی کر ڈالی۔ مقبول عام خیال یہ ہے کہ معاہدے کی خلاف ورزی قریش نے

کی تھی جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ایسا کرنے والے قریش نہیں بلکہ محمد خود تھے۔ مسلمان عذر خواہوں کے دعوے کے مطابق معاہدہ پہلے ہی ٹوٹ چکا تھا۔ جب قریش کے ایک اتحادی قبیلے بنو بکر نے مسلمانوں کے ایک قبیلے بنو خزاعہ پر حملہ کیا تھا۔ یہ انتہائی بودی وضاحت ہے کیونکہ معاہدہ قریش کے ساتھ کیا گیا تھا، پڑوسی مشرک قبائل کے ساتھ نہیں کیا گیا تھا۔ مسلمان جانتے تھے کہ یہ ایک بے حد مشکل صورت حال تھی اور یہ بہانہ کسی بھی معاہدے کو توڑنے کے لیے کافی نہیں تھا۔ لہذا انھوں نے وحی کا مطالبہ کر دیا۔ ہمیشہ کی طرح محمد نے بڑی ہی سہولت کے ساتھ درج ذیل آیت پیش کی۔

پھر جب حرمت والے مہینے نکل جائیں تو مشرکوں کو مارو۔ جہاں پاؤ اور انھیں پکڑو اور ہر جگہ ان کی تاک میں بیٹھو۔ پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم رکھیں اور زکواۃ دیں تو انکی راہ چھوڑ دو۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔(۵:۹)

ام کلثوم کے واقعے کے بعد قریش بالکل بھی خوش نہیں تھے۔ مسلمان بھی دعویٰ کرتے تھے کہ معاہدہ قریش نے توڑا کیونکہ انکے اتحادی قبیلے نے مسلمانوں کے قبیلے پر حملہ کیا تھا۔ کسی طرح محمد نے قریش کو چار ماہ کا وقت دیا اور پھر انکے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔

اس آیت میں محمد دعویٰ کرتا ہے کہ خدا ان سے مقدس مہینے گزر جانے تک انتظار کرنے کا کہہ رہا ہے اور پھر حکم دے رہا ہے کہ، "مشرکوں کو جہاں پاؤ وہاں قتل کرو۔" خدا نے ان لوگوں کے لیے استثناء رکھا ہے۔ جو کہ معاہدے کے ٹوٹنے سے آگاہ نہیں تھے۔ اسلام کے نقاد جان بوجھ کر اس آیت کو سیاق وسباق سے ہٹ کر لیتے ہیں اور اسے اس طرح لیتے ہیں کہ جیسے یہ خدا کے جانب سے جاری کردہ کفار کے قتل کا کوئی اجازت نامہ ہو۔ مگر حقیقت اس سے ذرا مختلف ہے۔ تاہم محمد پر معاہدے کی خلاف ورزی سے متعلق کسی قدر الزام ضرور عائد کیا جانا چاہیئے۔

محمد ایک کرشماتی شخصیت تھا اور یہ محسوس کرنے کے بعد کہ اسلام پھل پھول رہا ہے۔ انسے معلوم تھا کہ معاہدہ توڑ دینے میں اس کا اپنا ہی فائدہ ہے۔ اسکے بعد مزید معاہدوں کے لیے ذرا بھی کوششیں نہیں کی گئیں۔ ہماری جدید دنیا میں جب بات چیت ناکام ہو جاتی ہے تو اسے دوبارہ شروع کرنے اور تمام معاملات نئے سرے سے زیر بحث لانے کے لیے ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے۔ بجائے اس کے کہ جنگ کا آغاز کر دیا جائے۔ آئیں کچھ اور آیات پر نظر ڈالتے ہیں:

اور اللہ کی راہ میں لڑو۔ ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے نہ بڑھو۔ خدا پسند نہیں کرتا حد سے بڑھنے والوں کو۔(۲:۱۹۰)

یہ آیت کسی بھی خاص واقعے سے منسوب نہیں ہے بلکہ اللہ کی جانب سے دشمنوں سے لڑنے سے متعلق ایک عام حکم ہے۔

تبصروں میں اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ جس وقت مسلمان کمزور تھے، انھیں صبر کرنے اور محض زبانی تبلیغ ہی کے لیے کہا گیا۔ لیکن جب انھوں نے مدینہ میں ایک چھوٹی سی ریاست قائم کر لی، تو اللہ کے پیغام کو پھیلانا بے حد آسان ہو گیا۔ بھلا کس طرح کوئی بھی داعش اور طالبان کو الزام دے سکتا ہے۔ جب وہ مذکورہ بالا آیات کو مختلف علاقوں پر قبضہ کرنے کی خاطر بطور خدائی احکامات لیتے ہیں۔ اس آیت کے نزول کے نتیجے میں جنگ بدر لڑی گئی اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔

جنوری ۶۲۴ عیسوی میں محمد نے عبداللہ بن جحش کی سربراہی میں قریش پر حملے کی غرض سے آٹھ افراد پر مشتمل ایک گروہ مکہ کے نواحی علاقے نخلہ کی جانب روانہ کیا۔ اس حملے کے نتیجے میں قریش سے تعلق رکھنے والا ایک شخص ماہ رجب میں مارا گیا۔ جو کہ ایک ایسا مہینہ ہے جس میں جنگ ممنوع تھی۔ محمد نے پہلے تو یہ بات تسلیم کر لی تھی کہ مسلمانوں کو ماہ رجب میں حملہ آور نہیں ہونا چاہیئے تھا اور انھوں نے اس وقت تک جنگی قیدی اور لوٹا ہوا مال بھی وصول کرنے سے انکار کیا۔ جب تک اللہ نے ان پر ایک اور وحی نازل نا فرما دی۔ خدا ہمیشہ کی طرح اپنے نبی کو مشکل سے آزاد کرانے کے لیے تیار بیٹھا تھا۔ لہذا اس نے درج ذیل آیت نازل کی:

تم سے پوچھتے ہیں ماہ حرام میں لڑنے کا حکم ۔ تم فرماؤ اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس پر ایمان نہ لانا اور مسجد حرام سے روکنا اور اس کے بسنے والوں کو نکال دینا۔ اللہ کے نزدیک یہ گناہ اس سے بھی بڑے ہیں اور انکا فساد قتل سے بھی سخت تر ہے اور ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے۔ یہاں تک کے تمھیں تمھارے دین سے پھیر دیں۔ اگر بن پڑے اور تم میں جو اپنے دین سے پھرے۔ پھر کافر ہو کر مرے تو ان لوگوں کا کیا اکارت گیا۔ دنیا میں اور آخرت میں اور وہ دوزخ والے ہیں۔ انھیں اس میں ہمیشہ رہنا ہے۔ (۲:۲۱۷)

یہ آیت اپنے اندر انسانی مداخلت کا واضح طور پر اظہار کر رہی ہے۔ محمد سے یہ بھی کہا جا سکتا تھا کہ انھیں یہ حملہ نہیں کروانا چاہئیے تھا۔ جس کا نتیجہ مقدس مہینے میں ایک شخص کی موت کی صورت میں بر آمد ہوا۔ بجائے اس کے کہ یہ کوئی معاہدہ امن کرتا اس نے اس بات کا پرچار شروع کر دیا کہ خدا کے نزدیک جو کچھ ہوا وہ سب کا سب درست تھا۔ ذرا آیت کے اس حصے پر غور کریں:

اور ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے۔ یہاں تک کے تمھیں تمھارے دین سے پھیر دیں۔ اگر بن پڑے۔

محمد یہاں الزام کو مکمل طور پر رد کر چکا ہے اور اس بات کا اظہار کر چکا ہے کہ ایسے لوگوں سے لڑنا بے حد ضروری ہے۔ کیونکہ اگر آپ ان سے خود نہ بھی لڑیں تو پھر بھی وہ آپ سے لڑیں گے۔ یہ ایک اور واضح اشارہ ہے کہ اس دور میں محمد کفر کے خاتمے تک کافروں پر حملے کرنے پر کمر بستہ تھا۔ یہ اسلام کے پھیلاؤ کا دور تھا۔ جنگ بدر کو ایک دفاعی جنگ کسی طور بھی نہیں سمجھا جا سکتا۔ اوپر دی گئی آیت کے نزول کے بعد اس نے اس حملے کے نتیجے میں ہاتھ آنے والے افراد کو قیدی بنا لیا۔ جنگ بدر سے قبل اس پر بڑی ہی سہولت کے ساتھ ایک اور آیت کا نزول ہوا:

تو کافروں سے جب تمھارا سامنا ہو تو گردنیں مارنا ہے۔ یہاں تک کہ جب انھیں خوب قتل کر لو تو مضبوط باندھو۔ پھر اسکے بعد چاہے احسان کر کے چھوڑ دو۔ چاہے فدیہ لے لو۔ یہاں تک کہ لڑائی اپنا بوجھ رکھ دے۔ بات یہ ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو آپ ہی ان سے بدلہ لیتا۔ مگر اس لئے کہ تم میں سے ایک دوسرے کو جانچے اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے، اللہ ہرگز ان کے عمل ضائع نہیں فرمائے گا۔ (۴۷:۴)

ظاہر ہے کہ مسلمان یہی کہیں گے کہ خدا انھیں ہدایات دے رہا ہے کہ کفار کے ساتھ جنگ چھڑ جانے کی صورت میں انھیں کیا کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ کوئی جرنیل کرتا ہے۔ یقیناً کوئی بھی جرنیل اپنے سپاہیوں کو دشمنوں کو قتل کرنے سے نہیں روکتا کرتا۔ مگر وہ جرنیل امن کا نوبل انعام بھی حاصل نہیں کرتا۔ جب جنگ شروع ہوتی ہے تو وہ لڑتے ہیں۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ کس طرح کفار کے ساتھ چھڑ جانے والی اس جنگ کو روکا جا سکتا تھا اور کس طرح خدا نے معاہدے کی خلاف ورزی کی تھی۔

یہ بات انتہائی حیرت انگیز ہے کہ کس طرح وحی کی صورت میں نازل ہونے والے تمام تر احکامات محمد کے حق میں جاتے تھے۔ چاہے معاملہ بہو کے ساتھ شادی کرنے کا ہو یا پھر کوئی جنگ جیتنے کا ہو۔

اس آیت کے نزول کے کچھ ہی عرصے بعد اس کی سربراہی میں جنگ بدر لڑی گئی۔ جس میں مسلمانوں نے واضح طور پر فتح حاصل کی۔

اور کافروں کو جہاں پاؤ مار دو اور انھیں نکال دو۔ جہاں سے انھوں نے تمھیں نکالا تھا اور انکا غلط کاریوں سے بھرپور فتنہ تو قتل سے بھی سخت ہے اور مسجد حرام کے پاس ان سے نہ لڑو۔ جب تک وہ تم سے نہ لڑیں اور اگر تم سے لڑیں تو انھیں قتل کرو۔ کافروں کی یہی سزا ہے۔ (۲:۱۹۱)

تفسیر الجلالین کے مطابق یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب محمد نے مکہ فتح کیا۔ مسلمانوں نے مکے کے باسیوں کی جانب سے بنا کسی خاطر خواہ مزاحمت کے مکہ فتح کر لیا تھا۔ محمد کہہ رہے ہیں کہ بتوں کی پوجا قتل عام سے بھی زیادہ بدتر ہے۔ لہذا بتوں کی پوجا کرنے والوں کو قتل کر دو۔ لفظ "فتنہ" سے قبل لفظ "غلط کاریوں سے پُر" پر ذرا غور کریں۔ یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے "فتنہ" بعض حالات میں درست بھی ہو سکتا ہے۔ میں سمجھنے سے قاصر ہوں کہ آخر فتنے کی کونسی قسم ایسی ہے جو کہ درست ہو سکتی ہے؟ بظاہر اسکا یہی مطلب معلوم ہو رہا ہے کہ اگر ایک کافر یا کوئی اور شخص مسلمانوں کے درمیان کفر کی ترویج واشاعت کر رہا ہے یعنی فتنہ پھیلا رہا ہے، تو ایسے شخص کو ایذا دینا غلط نہ ہو گا۔ لیکن اگر کوئی کافر مسلمان کو ایذا دے رہا ہے تو آپ ہتھیار اٹھا سکتے ہیں اور ضرورت پڑنے پر مسلمانوں کو ایذا دینے والے شخص کو قتل بھی کر سکتے ہیں۔

قریش سے تعلق رکھنے والے افراد کو محمد کے الفاظ اور اس کے دین پر ایمان لانے پر بزور طاقت مجبور کیا گیا۔ یہ درست ہے کہ محمد کو انتہائی سخت حالات میں مکہ چھوڑنا پڑا۔ مگر اسکا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ واپس جا کر مکہ پر بزور طاقت قبضہ ہی کر لیتا۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے میں ابھی پاکستان واپس نہیں جا سکتا۔ لیکن اگر کسی طرح میں ایک طاقتور فوج اکھٹی کر لوں اور پاکستان واپس جا کر اس پورے ملک پر نہ صرف بزور طاقت قبضہ کر لوں بلکہ یہاں کے باشندوں کو یا تو مشرف بہ الحاد کر دوں یا پھر انھیں اپنے زیر اقتدار بطور دوسرے درجے کے شہری رہنے پر مجبور کروں۔ محمد نے بالکل یہی کام کیا تھا۔ جیسے ہی اس نے طاقت اور اثر ورسوخ حاصل کیا۔ وہ اپنے آبائی شہر تشریف لے گیا، اسے فتح کیا، کعبے میں موجود تمام بت توڑ ڈالے اور اپنے مذہب کا باقاعدہ اجراء کیا۔

اگرچہ میں اسے زیادہ تفصیل کے ساتھ زیر بحث لایا ہوں مگر میرے لئے یہ بات انتہائی اہم ہے کہ میں مسلمان عذر خواہوں کی پسندیدہ آیت پر بھی بحث کروں۔

کچھ جبر نہیں دین میں۔ (۲:۲۵۶)

یہ درست ہے کہ اس آیت میں خدالوگوں کو بتارہاہے کہ دین میں کوئی جبر نہیں۔ مگر اس آیت کے نزول کے بعد سب کچھ بالکل ٹھیک ٹھاک نہیں ہو گیا۔ یہ آیت ان لوگوں کے لئے ہے جو کہ اسلامی حکومت کے زیر تسلط اپنی زندگی گزار رہے ہیں اور جزیہ ادا کر رہے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ پہلے ہی دوسرے درجے کے شہری ہیں۔ پاکستان جیسے ممالک غیر مسلمانوں کی شناختی دستاویزات پر انکی بحیثیت غیر مسلم شناخت کو یقینی بنانے کے لئے اس آیت کا استعمال کرتے ہیں۔ جسکا نتیجہ ہر ادارے میں ان کے ساتھ تعصبی رویہ روا رکھے جانے کی صورت میں نکلتا ہے۔ مسلمان غیر مسلمین پر اپنا مذہب مسلط کرنے یا نہ کرنے کا مکمل اختیار رکھتے ہیں۔ جب غیر مسلمان ان کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں۔ دوسرے درجے کے شہریوں کے ساتھ روا رکھا جانے والا تعصب پر مبنی یہ رویہ بعض اوقات غیر مسلمین کو اسلام قبول کرنے پر مجبور بھی کر دیتا ہے۔

باب نمبر ۸

اسلاموفوبیا (اسلام سے خوف)

یہ اصطلاح آپ نے اپنی روزمرہ زندگی میں یونہی چلتے پھرتے یا تو عذر خواہوں سے سنی ہوگی یا پھر قدامت پرست لوگوں سے سنی ہوگی۔ آیئے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ آخر لفظ "فوبیا" کا مطلب کیا ہے۔

آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق کسی بھی چیز سے متعلق حد سے بڑھے ہوئے بے سروپا خوف یا نفرت کو "فوبیا" کہا جاتا ہے۔ یعنی ایسا خوف جس کے پیچھے کوئی معقول وجہ نہ ہو۔ مثال کے طور پر آپ ایک اوپیڈایوفوب ہوسکتے ہیں اور آپ کے دل میں سانپوں سے متعلق انتہائی نامعقول قسم کا خوف پایا جاسکتا ہے۔ آپ شہروں میں رہائش پذیر ہیں۔ جہاں آپکو سانپ نظر آنے کا امکان بے حد کم ہے۔ مگر آپ ہمیشہ ان سے خوف زدہ رہتے ہیں اور سوچتے رہتے ہیں کہ وہ آپ کے جسم پر رینگتے اور پھسلتے ہیں جب آپ سورہے ہوتے ہیں۔ آپ نیوزی لینڈ میں رہتے ہوئے بھی اوپیڈایوفوب ہوسکتے ہیں۔ جو کہ ایک ایسا ملک ہے جہاں سانپ سرے سے پائے ہی نہیں جاتے۔ آپ پارکوں میں، پہاڑوں میں اور گلیوں میں چہل قدمی کرسکتے ہیں اور آپ وہاں کبھی کوئی سانپ نہیں دیکھیں گے۔ مگر اسکے باوجود آپ بری طرح خوفزدہ رہیں گے کہ کہیں کوئی سانپ آپکو ڈس نہ لے۔ لہذا یہ ایک بے سروپا خوف ہے۔

میں آسٹریلیا میں رہائش پذیر ہوں۔ جہاں بہت بڑی تعداد میں سانپ پائے جاتے ہیں۔ تاہم میں نے چڑیا گھر کے علاوہ کہیں بھی کوئی سانپ نہیں دیکھا۔ میں اوپیڈایوفوب نہیں ہوں لہذا میں سانپ سے ڈسے جانے کے خوف میں مبتلا ہوئے بغیر اپنی زندگی جی سکتا ہوں۔ اسکا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ میں اُس وقت بھی خوفزدہ نہیں ہوں گا جب کسی سانپ کو اپنی جانب بڑھتے ہوئے دیکھوں گا۔ اگر میں جھاڑیوں کے درمیان سے گزر رہا ہوں اور میرا واسطہ سانپ سے پڑ جاتا ہے، تو کیا مجھے اسی طرح سانپ کی جانب بڑھتے رہنا چاہیئے اور اپنے ہاتھ سے اسے چھو بھی لینا چاہیئے؟ یہ یقیناً انتہائی احمقانہ فعل ہوگا۔ کیونکہ اس طرح سانپ مجھے ضرور کاٹ لے گا اور یہاں مجھے سانپ سے ڈسے جانے سے خوفزدہ ہونا چاہیئے، لیکن یہاں سانپ کو چھونے سے گریز کی یہ ایک مکمل طور پر عقلی وجہ ہوگی۔ مجھے سانپ سے خوفزدہ ہونا چاہیئے مگر سانپ سے خوفزدہ ہونا اور اوپیڈایوفوب ہونا دو مختلف باتیں ہیں۔

چلیں اب اسلاموفوبیا سے متعلق بات کرتے ہیں۔ تعریف کے مطابق اس اصطلاح سے مراد یہ ہے کہ اسلام سے متعلق بے سروپا خوف کو اپنے دل میں جگہ دی جائے۔ جیسے ہی آپ اسلام پر تنقید شروع کرتے ہیں آپ پر "اسلاموفوب" ہونے کا سرنامہ چسپاں کر دیا جاتا ہے۔ میرے فیس بک پیج کے ایڈمن میں ایک خاتون بھی شامل ہیں۔ کسی بھی خاتون کو اسلام سے خوفزدہ ہونا ہی چاہیئے کیونکہ اسلام شوہروں کے ہاتھوں نافرمان بیویوں کی پٹائی کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ جس کا تذکرہ پہلے کیا جاچکا ہے۔ لہذا اسلام کی ان مخصوص تعلیمات سے متعلق خوف کو کسی بھی طرح بے سروپا خوف قرار نہیں دیا جاسکتا۔ کیا آپ اپنے زندگی کے ساتھی کے ہاتھوں جسمانی تشدد سہنا

پسند کریں گے؟ میرا اندازہ ہے کہ ہر عقلمند شخص اس سوال کا جواب "نہ" "میں ہی دے گا۔ لہذا آپ کو اس نظریہ پر تنقید کرنی ہی پڑتی ہے جو اس کی تعلیم دیتا ہے۔ اگر آپ اس قسم کے خوف میں مبتلا ہیں تو یہ آپ کا خوف بے سروپا نہیں کہلائے گا بلکہ یہ اس نظریہ سے متعلق آپ کا جائز اور معقول خوف ہو گا۔

جو چیز معاملات کو مزید خراب کرتی ہے وہ یہ ہے کہ میرے پیج کی ایڈ من (جن کو میں یہاں سی وی کہہ کر پکاروں گا) ایک ہم جنس پرست بھی ہیں۔ اسلامی نقطہ نظر کے مطابق ہم جنس پرستی ایک بے حد بڑا گناہ ہے اور اگر اس قسم کے لوگ باز نہ آئیں تو یہ واجب القتل قرار پاتے ہیں۔ کیا انھیں (سی-وی کو) اسلام سے خوفزدہ ہونا چاہئیے؟ بہر حال یہ نظریہ ان کی موت کا حامی ہے۔ کیا کوئی شخص مجھے سمجھا سکتا ہے کہ انکے اسلام سے متعلق خوف کو آخر کس بنیاد پر بے بنیاد قرار دیا جائے؟ میرا نہیں خیال کہ کوئی بھی ایسا کر سکتا ہے۔ انھیں (سی-وی کو) کسی بھی صورت میں اسلاموفوب قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اگر انھوں نے ایک اسلامی ملک میں مسلمان والدین کے ہاں جنم نہ لیا ہوتا تو وہ انٹرنیٹ پر اپنی شناخت ظاہر کرتے وقت کبھی خوفزدہ نہ ہوتیں۔ اسلام سے متعلق ان کا خوف مکمل طور پر معقول ہے، حالانکہ کے وہ ایک مغربی ملک میں رہائش پذیر ہیں لیکن اسکے باوجود وہ اسلام پسندوں سے خوفزدہ ہیں جو کہ انھیں گناہ گار، ملحد، ہم جنس پرست مرتد عورت قرار دیتے ہیں اور انھیں قتل کر دینے کے در پر ہیں۔

میں آسٹریلیا میں رہائش پذیر ایک پاکستانی سابق مسلمان ہوں۔ میں بھی اسلام سے خوفزدہ ہوں کیونکہ یہ مرتدین کے قتل کی تعلیم دیتا ہے چاہے وہ کہیں بھی رہائش پذیر ہوں۔ ۲۰۱۸ میں نیو ساوتھ ویلز یونیورسٹی میں میرے ایک مباحثے کے دوران حزب التحریر کے نمائندے عثمان بدر نے کہا تھا کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق مجھ جیسے مرتدین کو قتل کر دیا جانا چاہئیے۔ اسکے پیروکاروں میں سے کوئی بھی کسی بھی دن میرے دروازے پر دستک دے سکتا ہے اور مجھے قتل کرنے کی کوشش کر سکتا ہے۔ اب میں اسلام سے خوفزدہ ہوں۔ کیا اس خوف کا کوئی جواز ہے یا پھر یہ ایک بلاجواز خوف ہے؟

اسلام سے متعلق خوف ایک حقیقت ہے اور ہر سمجھدار انسان کو اس مذہب اور اسکی تعلیمات سے خوفزدہ ہونا ہی چاہئیے۔ اسلاموفوبیا ایک غیر حقیقی اصطلاح ہے جسکی سرے سے کوئی بنیاد ہی نہیں ہے۔ کسی بھی شخص کو اسلاموفوب قرار دینا محض کم عقلی ہے۔ اگر میں محض یہ کہوں کہ مجھے آر-این-بی کی موسیقی پسند نہیں ہے کیونکہ اس کے چند بول پر تشدد ہو سکتے ہیں تو مذکورہ منطق کے مطابق مجھے آر-این-بی فوب قرار دیا جانا چاہئیے یا پھر ایک فٹ بال فوب اگر میں یہ کہوں کہ مجھے فٹ بال پسند نہیں ہے۔

آیئے اب ذرا تفصیل سے جائزہ لیتے ہیں کہ کافر آخر کیونکر اسلام سے خوفزدہ رہتے ہیں۔ اس بات کو پہلے بھی زیر بحث لایا جا چکا ہے کہ قرآن کافروں سے متعلق انتہائی پر تشدد رویہ رکھتا ہے۔ میں یہ تسلیم کرتے وقت نہایت ہی خوشی محسوس کرتا ہوں کہ زیادہ تر مسلمان اپنی روزمرہ زندگیوں میں ان پر تشدد آیات کی پیروی نہیں کرتے۔ تاہم بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی موجود ہے جو کہ قرآن کے ہر ایک لفظ کو بالکل حقیقی معنوں میں لیتے ہیں۔ جن میں پُر تشدد آیات بھی شامل ہیں۔

ہم مسلمانوں کو مندرجہ ذیل چار زمرہ جات میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

۱-جہادی

۲-اسلام پسند

۳-لاپرواہ

۴-لادینی

۱-جہادی:

یہ مسلمانوں کی وہ قسم ہیں جن سے غیر کافروں کو سب سے زیادہ خوفزدہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ یہ نہ صرف پُرتشدد آیات پر یقین رکھتے ہیں، بلکہ ان پر عمل درآمد کی بھی خواہش رکھتے ہیں۔ ان کی عام مثالیں داعش اور طالبان ہیں۔

۲-اسلام پسند:

یہ بھی بنیاد پرست ہیں جو کہ قرآن کے ہر لفظ پر حقیقی معنوں میں یقین رکھتے ہیں۔ مگر اسلام کی ترویج اشاعت سے متعلق سرگرمیوں میں بہت زیادہ شدت کے ساتھ حصہ نہیں لیتے۔ اس کی عام مثالیں لنڈا اسارسور اور حزب التحریر ہیں۔ اگر موقع ملے تو یہ کافر دنیا پر ایک لمحے میں ہی قابض ہو جائیں۔ یہ عام طور پر داعش اور طالبان سے ہمدردی رکھتے ہیں۔

۳-لاپرواہ:

یہ مسلمانوں کی سب سے عام قسم ہے اور مسلمانوں کی آبادی کا ایک بہت بڑا حصہ اسی قسم کے مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ مسلمانوں کی یہ قسم شدید ترین الجھن کا شکار ہے۔ یہ اسلام سے متعلق چند بنیادی باتوں سے آگاہی رکھتے ہیں۔ جن میں زیادہ تر اچھی باتیں شامل ہیں۔ تاہم یہ احادیث اور قرآن سے ماخوذ شدہ غیر اخلاقی اور ظلم پر مبنی باتوں سے آگاہ نہیں ہیں۔ یہ اسلام کے بنیادی اخلاقی ضابطوں سے واقف ہیں مثال کے طور پر یہ شراب نہیں پیتے اور سور کا گوشت نہیں کھاتے۔ تاہم یہ محمد کے ہاتھوں ان کے مخالفین کے سنگین قتل عام اور ان کی حد سے زیادہ فعال جنسی زندگی سے متعلق آگاہی نہیں رکھتے ہیں۔ یہ مسلمان بنیادی طور پر ثقافتی مسلمان ہیں جنکے مسلمان ہونے کی واحد وجہ یہ ہے کہ یہ مسلمان گھرانوں میں پیدا ہوئے ہیں۔ یہ مسلمان مذہب سے متعلق بحث ومباحثوں میں بھی حصہ لینا پسند نہیں کرتے کیونکہ انھیں اسلام کی سفّاکانہ تعلیمات سے اُس وقت تک کوئی غرض نہیں ہوتی جب تک یہ تعلیمات براہ راست ان پر اثر انداز نہیں ہوتیں۔ اس کی عام مثال آپ کے پڑوسی ہو سکتے ہیں جو کہ باہر گھومنے پھرنے بھی جاتے ہیں اور تقریبات میں بھی شرکت کرتے ہیں لیکن انھیں یہ بھی یقین ہوتا ہے کہ ہم جنس پرست اللہ کی نظر میں گناہ گار ہیں۔

۴-غیر مذہبی:

ہاں---اسلامی دنیا میں غیر مذہبی افراد بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ مسلمان کافی حد تک تعلیم یافتہ بھی ہوتے ہیں اور محمد کی زندگی اور قرآن سے متعلق مسائل سے آگہی بھی رکھتے ہیں۔ لیکن اسکے باوجود یا تو اندرونی طور پر (اسلامی تعلیمات میں) تبدیلی لانے کی خواہش میں یا پھر اپنی حفاظت کی خاطر اسلام پر قائم رہتے ہیں۔ وجہ کوئی بھی ہو، یہ تعداد میں بے حد کم ہیں اور انھیں مغربی ممالک میں آباد اپنے ہم خیال افراد کی حمایت کی اشد ضرورت رہتی ہے۔ ایسے مسلمانوں کی چند مثالیں ماجد نواز، پرویز ہود بھائی اور مرحومہ عاصمہ جہانگیر ہیں۔

زیادہ تر انسانی معاشروں میں کچھ افراد کا تعلق قدامت پسند طبقے سے اور کچھ افراد کا تعلق اجتماعیت پسند طبقے سے ہوتا ہے۔ جبکہ اکثریت دونوں کے درمیان ہوتی ہے۔ مسلمانوں کی دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ یہاں قدامت پسند طبقے کی انتہا پسندی اور اجتماعیت پسند طبقے کی انتہا پسندی کے درمیان بہت زیادہ عدم توازن پایا جاتا ہے۔ نہ صرف قدامت پسند طبقے کے انتہا پسند تعداد میں زیادہ ہیں بلکہ وہ متشدد بھی ہیں۔ جبکہ اجتماعیت پسند طبقے کے انتہا پسند نہ صرف تعداد میں بہت کم ہیں بلکہ اسکے ساتھ ساتھ یہ انتہائی بے ضرر قسم کے دانشور ہیں۔

آیئے چند اعداد و شمار کا جائزہ لیتے ہیں جو کہ واضح طور پر اسلام اور اسلامی دنیا کی جہالت کو عیاں کر رہے ہیں-پی-ای-ڈبلیو ریسرچ سینٹر کی جانب سے ۲۰۱۳ میں کئے گئے ایک محاسبے کے مطابق پاکستان کے ۸۴ فیصد شہری پاکستان میں شریعت کے نفاذ کے حامی ہیں۔ تاہم پاکستان میں مذہبی جماعتیں مجلس قانون ساز میں ہمیشہ صرف ۵ سے ۷ فیصد تک نمائندگی ہی حاصل کر پاتی ہیں۔ اسکی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ پاکستانی جو کہ شریعت کا نفاذ چاہتے ہیں وہ شریعت سے متعلق عجیب و غریب نظریہ رکھتے ہیں۔ جب بھی مذہبی جماعتیں حقیقی شرعی قوانین کی وضاحت کرتی ہیں، یہ راہ فرار اختیار کر لیتے ہیں اور انھیں ووٹ نہیں دیتے۔ اس طرح یہ اپنی شریعت سے لاعلمی کا واضح اظہار کرتے ہیں۔

آیئے اب پی-ای-ڈبلیو کی جانب سے ۱۱-۷-۲۰۱۳ اور ۷-۶-۲۰۱۵ میں منعقد کردہ رائے شماری کا ایک جائزہ لیتے ہیں۔ ۲۰۱۳ کا محاسبہ شریعت کی حمایت اور مخالفت کو ظاہر کر رہا ہے اور ۲۰۱۵ میں ہونے والا محاسبہ داعش کی حمایت اور مخالفت کو ظاہر کر رہا ہے۔ اس رائے شماری کے مطابق ۸۴ فیصد پاکستانی، ملک میں شرعی قوانین کا نفاذ چاہتے ہیں۔ تاہم شرعی قوانین کے نفاذ کا وعدہ کرنے والوں کی مجلس قانون ساز میں نمائندگی صرف ۵ سے ۷ فیصد ہے۔ یہی رائے شماری ظاہر کرتی ہے کہ انڈونیشیا کی آبادی کا ۷۲ فیصد حصہ ملک میں شریعت کے نفاذ کا خواہشمند ہے۔ جبکہ صرف ۴ فیصد افراد ایسے ہیں جو کہ داعش کی حمایت کرتے ہیں۔ ملائشیا کی ۸۶ فیصد آبادی ملک میں شرعی قوانین کے نفاذ کے حق میں ہے۔ البتہ صرف گیارہ فیصد افراد ایسے ہیں جو کہ داعش کی حمایت کرتے ہیں۔ شریعت اور داعش کی حمایت سے متعلق یہ تضادات کم و بیش تمام اسلامی دنیا میں یکساں ہیں۔

پی-ای-ڈبلیو کی جانب سے ۲۰۱۵ میں منعقد کی جانے والی رائے شماری کے مطابق ۲۸ فیصد پاکستانی داعش کے بارے میں منفی نقطہ نظر رکھتے ہیں، ۹ فیصد اس کے بارے میں مثبت نقطہ نظر رکھتے ہیں، جبکہ ۶۲ فیصد یہ جانتے ہی نہیں ہیں کہ آیا داعش اسلام کی درست ترجمانی کر رہا ہے یا نہیں۔ پاکستان پر داعش کے اثرات بے حد کم مرتب ہوئے ہیں۔ لہٰذا اکثریت اس سے متعلق فکر مند نہیں ہے۔ یہ طالبان کے بارے میں زیادہ فکر مند ہیں۔ جو کہ داعش کی نسبت ذرا کم تشدد پسند ہیں۔ پی-ای-ڈبلیو کے ایک اور محاسبے کے مطابق ۷۲ فیصد پاکستانی طالبان سے متعلق منفی نقطہ نظر رکھتے ہیں۔ جبکہ ۶ فیصد انھیں پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ یہ ۷۲ فیصد افراد یقینی طور پر نہیں چاہتے کہ طالبان انکے ملک پر حکمرانی کریں۔ یہ لوگ واضح طور پر طالبان اور شرعی قوانین (جنکا نفاذ اس ملک کے ۸۴ فیصد افراد کی خواہش ہے) کے درمیان موجودہ تعلق سے آگاہ نہیں ہیں۔ طالبان محمد کے پیش کردہ اسلام کی بنسبت نمایاں طور پر کم متشدد ہیں۔ کیونکہ یہ ہمیشہ زناکاروں کو سنگسار نہیں کرتے۔ یہ صرف ان کے سروں میں گولی مار کر انھیں قتل کر دیتے ہیں۔ محمد کے برعکس یہ غلام اور جنسی غلام بھی نہیں رکھتے۔ اسکے باوجود پاکستانی طالبان کو باطل خیال کرتے ہیں۔ جب کہ ان ہی پاکستانیوں کی نظر میں محمد اس دنیا میں پیدا ہونے والا سب سے عظیم انسان ہے۔ داعش شرعی قوانین کی نسبتاً زیادہ درست عکاسی کرتا ہے۔ داعش بالکل وہی کچھ کر رہا ہے جو محمد ۱۴۰۰ سال قبل کر رہے تھا۔ یہ آس پڑوس کے قصبوں پر حملے کرتے ہیں اور بڑی ہی سرگرمی کے ساتھ ایک حقیقی اسلامی ریاست کے قیام کی جدوجہد جاری وساری رکھے ہوئے ہیں۔ یہ اپنے مخالفین کے سر قلم کرتے ہیں، زناکاروں اور ہم جنس پرستوں کو قتل کرتے ہیں اور لوگوں کو غلام اور جنسی غلام بھی بناتے ہیں۔

اگر آپ اپنے ملک میں شریعت کا نفاذ چاہتے ہیں، تو پھر آپ کو داعش سے ملتی جلتی حکومت درکار ہو گی۔ البتہ آپ داعش کی حکومت نہیں چاہتے۔ اوپر بیان کردہ زیادہ تر مثالیں واضح کر رہی ہیں کہ زیادہ تر مسلمان یا تو اسلام سے واقف ہی نہیں ہیں یا پھر حقیقی دنیا میں شرعی قوانین کے نفاذ کی درست تصویر کشی کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد شرعی قوانین کے نفاذ کے حق میں تو ہے، لیکن جب بھی ایسی حکومت کی تعیناتی کا معاملہ آتا ہے جو کہ ان قوانین کا نفاذ عمل میں لا سکے تو یہ راہ فرار اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ مثالیں اس بات کا بھی ثبوت ہیں کہ کس طرح زیادہ تر مسلمان لاپرواہ ہوتے ہیں۔ انھیں بتایا گیا ہے کہ شریعت اچھی ہے لہٰذا یہ سادگی سے اس بات پر یقین رکھتے ہیں، لیکن جب شریعت کی اصل شکل انکے سامنے آتی ہے، یہ اسے پسند نہیں کرتے۔

اگرچہ اسلاموفوبیا ایک غیر حقیقی اصطلاح ہے، لیکن مسلمانوفوبیا ایک حقیقت ہے۔ اس بیان پر میرا اپنے ساتھی ملحدین کے ساتھ شدید اختلاف ہو سکتا ہے، لیکن اگر آپ اس پر تھوڑا غور کریں تو اسکی ٹھوس وجہ کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ اوپر دی گئی دو مثالوں میں دیکھا گیا ہے کہ زیادہ تر مسلمان خود اپنے نظریہ کی پیروی نہیں کر سکتے۔ یہ چیز انھیں برے مسلمان مگر اچھے انسان بنا دیتی ہے۔ آپ عقلی طور پر اسلام سے خوفزدہ ہو سکتے ہیں، لیکن آپ کو تمام مسلمانوں سے خوفزدہ نہیں ہونا چاہیئے۔ اسلام ایک ایسا نظریہ ہے جو کہ محمد کے ذریعے ہمیں حاصل ہوا ہے، لہٰذا اسے باآسانی قبول بھی کیا جا سکتا ہے اور رد بھی کیا جا سکتا ہے۔ مسلمان، افراد کے ایسے گروہوں پر مشتمل قوم ہیں جو کہ اسلام کی مختلف اقسام واشکال پر ایمان رکھتے ہیں اور فطرتاً بڑے ہی پیچیدہ ہیں۔ ہم کسی بھی طرح انھیں عام لوگوں کا ایک گروہ خیال نہیں کر سکتے۔ جہادیوں اور اسلام پسندوں سے خوف مکمل طور پر عقلی ہے، لیکن کسی لاپرواہ مسلمان کو اسی انداز میں بھلا کس طرح دیکھا جا سکتا ہے؟ یہ لاپرواہ مسلمان موسیقی، ادب، مصوری اور کھیلوں سمیت انسانی معاشرے سے متعلق دیگر سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہیں، تو بھلا ہم ان سے کس طرح خوفزدہ ہو سکتے ہیں؟

میں سمجھتا ہوں کہ ہر اس شخص کی کڑی نگرانی ہونی چاہیئے جو کہ اسلام کو اسکی اصل شکل میں قبول کرلیتا ہے، اور مغربی جمہوری ریاستوں کو ایسے لوگوں کو اپنے ممالک میں داخلے کی ہرگز اجازت نہیں دینی چاہیئے۔ لیکن تمام مسلمانوں پر ہجرت کے حوالے سے پابندی عائد نہیں کی جانی چاہیئے۔ میرے قریبی دوست اور رشتے دار ایسی مثالیں ہیں جو کہ اس دعوے کی پشت پناہی کررہے ہیں۔ میری بہن کا شمار ان لاپرواہ مسلمانوں میں ہوتا ہے جنھوں نے آسٹریلیا ہجرت کی ہے۔ وہ آسٹریلوی برادری میں ایک قابل قدر اضافہ ہے کیونکہ وہ ایک بہت اچھی ملازمت کررہی ہے۔ محصولات کی ادائیگی کررہی ہیں اور آسٹریلوی قوانین کا احترام کررہی ہے۔ میرے لاتعداد دوست ایسے ہیں جو کہ لاپرواہ مسلمان ہیں اور وہ آسٹریلیا کی آبادی کا ایک قابل قدر حصہ ہیں۔ اگر ہم پاولین ہینسن پاٹر مپ کے طریقہ کار کی پیروی کریں تو ہم ان مسلمانوں کو یہاں کبھی نہیں پائیں گے۔

تو آخر کس لئے کافر دنیا، خاص طور پر مغرب کو مسلمانوں سے متعلق خوفزدہ ہونا چاہئیے؟ مغربی یورپ واضح طور پر موجودہ دور میں ایک بہت بڑے مخمصے سے گزر رہا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے مسلمانوں کی ہجرت کے معاملے میں راہ سے بھٹک چکا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ وہ نہیں جانتے کہ کس جگہ حد قائم کی جانی چاہیئے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ان مسائل سے آگاہ ہیں جنکا سامنا جرمنی اور سویڈن کو شامی، افغانی اور عراقی پناہ گزینوں کی ایک بہت بڑی تعداد کی آمد کے نتیجے میں کرنا پڑا تھا۔ لیکن اہم سوال یہ ہے کہ کیا کیا جائے؟ درست تجویز یہی معلوم ہوتی ہے کہ تمام مسلمانوں کی آمد پر پابندی عائد کردی جائے۔ اب چاہے انکی آمد قانونی ہو یا غیر قانونی ہو۔ لیکن دوسری جانب اجتماعیت پسند طبقے سے تعلق رکھنے والے افراد کا کہنا ہے کہ ہم ان افراد پر اپنے دروازے بند نہیں کرسکتے جو کہ مدد کے خواہاں ہیں۔

عام اعتبار سے میرا تعلق بھی اجتماعیت پسند لوگوں سے ہے۔ البتہ میں اپنی آنکھیں ان تمام مسائل کی جانب سے بند نہیں کرسکتا جو کہ مسلمانوں کی آمد کے نتیجے میں جنم لے سکتے ہیں۔ آپ مسلمانوں کی مغربی ممالک میں آمد کے نتیجے میں پیدا ہونے والے ممکنہ خطرات کو کسی بھی قیمت پر نظر انداز نہیں کرسکتے۔ یہ درست ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد محمد کے حقیقی اسلام کی پیروکار نہیں ہے اور نہ ہی یہ شرعی قوانین کی اصلیت سے واقف ہیں۔ مگر اسکا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مغربی ممالک میں داخل ہونے والا ہر پناہ گزیں انتاہی لاپرواہ اور محدود علم کا حامل ہے۔ ۲۰۱۵ میں براستہ سمندر یورپ میں داخل ہونے والے مسلمان پناہ گزینوں میں ۵۸ فیصد بالغ مرد تھے۔ جن کی عمریں اٹھارہ سال سے زیادہ تھیں، ۱۷ فیصد بالغ خواتین تھیں۔ جن کی عمریں اٹھارہ سال سے زیادہ تھیں اور ۲۵ فیصد افراد نابالغ تھے۔ یہاں ان تفکرات میں اضافہ ہو چکا ہے کہ پناہ گزینوں کے بھیس میں جہادی اور اسلام پسند ایک بہت بڑی تعداد میں یورپ میں داخل ہو چکے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جن علاقہ جات میں ان پناہ گزینوں نے رہائش اختیار کی، خاص طور پر سویڈن کے شہر مالمو اور جرمنی میں، وہاں جرائم کی شرح میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔

فیڈرل کرمنل پولیس آفس ۱۱۸ کے مطابق ۲۰۱۳ میں یہ پناہ گزیں ۵۹۹ جنسی جرائم میں ملوث رہے۔ یعنی ایک دن میں ان پناہ گزینوں کی جانب سے اوسطاً دو جنسی جرائم کا ارتکاب کیا گیا۔ ۲۰۱۴ میں ان پناہ گزینوں کی جانب سے ۹۴۴ جنسی جرائم کا ارتکاب کیا گیا۔ یعنی اوسطاً ایک دن میں تین جرائم کا ارتکاب عمل میں آیا۔ ۲۰۱۵ میں یہ پناہ گزیں ۱۶۸۳ جنسی جرائم میں ملوث رہے۔ یعنی ایک دن میں اوسطاً ۵ جرائم کا ارتکاب کیا گیا۔ ۲۰۱۶ کے ابتدائی تین چوتھائی حصے میں ان پناہ گزینوں کی جانب سے ۲۷۹۰ جنسی جرائم کا ارتکاب کیا گیا اور اس بار اوسط روزانہ کے حساب سے دس جرائم فی یوم تھا۔ درحقیقت جرمنی میں پناہ گزینوں کے ہاتھوں وقوع پذیر ہونے والے جنسی جرائم

دفتری اعداد و شمار کی بنسبت دو یا تین گنا زیادہ ہیں۔ مثال کے طور پر کرمنل پولیس ایسوسی ایشن کے سربراہ آندرے شولز کے مطابق جرمنی میں رونما ہونے والے صرف دس فیصد جنسی جرائم ایسے ہیں جو کہ سرکاری ریکارڈ میں درج ہیں۔

سوئیڈن میں جرائم کی روک تھام کے لئے بنائی گئی تنظیم سوئیڈش نیشنل کاؤنسل فار کرائم پری وینشن کے مطابق ۲۰۱۰ میں سوئیڈن میں رونما ہونے والے زنا بالجبر کے ۷۷ فیصد واقعات میں وہ افراد ملوث تھے جنکا تعلق اسلامی ممالک سے تھا۔ یہ مسلمان سوئیڈن کی آبادی کے محض دو فیصد حصے کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ آیئے ایک لمحے کے لئے اس نکتے پر توجہ مرکوز کرتے ہیں۔ ۷۷ فیصد جنسی جرائم کا ارتکاب مسلمانوں کے ہاتھوں ہوا جو کہ کُل آبادی کا صرف دو فیصد ہیں۔ یہ بات واضح ہے کہ ان دو فیصد افراد کے ذہن میں کوئی خلل ہے۔ ان جنسی حملوں اور جرائم کا ارتکاب کرنے والے مختلف توجیہات پیش کرتے ہیں اور مسلمان پناہ گزینوں کے اس رویے کو انکے مذہب کے ساتھ نتھی کرنا درست نہیں ہے۔ البتہ مغرب اپنے شہریوں کے تحفظ کو آخر کیونکر داؤ پر لگائے؟ یورپ میں کسی اور جگہ بھی صورت حال بہتر یا تسلی بخش نہیں ہے۔ آیئے اب یورپ بھر کی جیلوں میں مقید ایسے افراد پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

پاکستان سے تعلق رکھنے والے ایک مسلمان محمد آصف نے ایک جرمن خاتون پر جنسی حملے کے ارتکاب کی وضاحت پیش کرتے ہوئے کہا "بحیثیت ایک پناہ گزیں، خاتون دوست کا حصول بے حد مشکل ہے۔" ظاہر ہے کہ اس شخص نے اپنی جانب سے کئے گئے جنسی حملے کی وضاحت یہ کہہ کر نہیں کی کہ محمد نے بھی جنسی غلام رکھے ہوئے تھے۔ لہذا واضح طور پر اس وضاحت کا تعلق اسکے مذہب کے ساتھ نہیں جوڑا جا سکتا۔ در حقیقت زنا بالجبر کو پاکستانی معاشرے میں بے حد غیر اسلامی سمجھا جاتا ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جنسی جرائم کا ارتکاب کرنے والے چند افراد نے اپنے افعال کی وضاحت مذہبی بنیادوں پر دیتے ہوئے یہ بھی کہا کہ "خواتین جو ان حملوں کا نشانہ بنیں مناسب لباس زیب تن کئے ہوئے نہیں تھیں۔" اس نقطہ نظر کی وضاحت زیر نظر آیت کی روشنی میں کی جا سکتی ہے۔

اے نبی اپنی بیبیو اور صاحبزادیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے فرمادو کہ اپنی چادروں کا ایک حصہ اپنے منہ پر ڈالے رہیں یہ اس سے نزدیک تر ہے کہ انکی پہچان ہو تو ستائی نہ جائیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۳۳:۵۹)

یہ آیت بنیادی طور پر مسلمان عورتوں کو پردے کا حکم دے رہی ہے تاکہ انھیں غیر مسلم نہ سمجھ لیا جائے اور نتیجتاً ستایا نہ جائے۔ اس آیت کا یہ مطلب بھی نکالا جا سکتا ہے کہ چاہے آپ مسلمان ہوں یا نہ ہوں، اگر آپ بے پردہ ہونگی تو آپ کا جنسی استحصال کیا جا سکتا ہے۔

اجتماعیت پسند لوگ اور مسلمان عذر خواہ اس حقیقت کو جس طرح چاہیں توڑ مروڑ کر پیش کر سکتے ہیں، لیکن مسلمان پناہ گزینوں اور ان کے اندر موجود مغربی خواتین کے ساتھ زنا بالجبر کے رجحان کے درمیان تعلق کو کسی بھی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ وجہ چاہے جو بھی رہی ہو، یہ ایک حقیقت ہے کہ آنے والے مسلمان زنا بالجبر جیسے مسائل کا باعث بن رہے ہیں۔ اب وہ وقت ہے کہ مغربی یورپ میں اس مسئلے سے متعلق آگاہی کے در وا ہونے لگے ہیں اور وہ خود کو پناہ گزیں ظاہر کرنے والے ہر مسلمان

مرد کو داخلے کی اجازت دینے سے انکار کرنے لگے ہیں۔ مسلمان مردوں کے جرائم صرف زنا بالجبر تک ہی محدود نہیں ہیں۔ آیئے یورپی ممالک کی جیلوں میں قیدیوں کی آبادی پر ایک نظر ڈالتے ہیں:

ملک کا نام	قیدیوں کا تناسب	آبادی کا تناسب
بیلجیئم	۳۵٪	۵.۲٪
برطانیہ	۱۴.۴٪	۴.۴٪
ڈینمارک	۲۰٪	۰.۵٪
فرانس	٦۰٪	۵.٦

جیسا کہ اس باب کی ابتداء میں میں نے اس جانب اشارہ دیا تھا کہ اسلاموفوبیا ایک غیر حقیقی اصطلاح ہے۔ البتہ ہمیں مسلمانوں سے خوفزدہ نہیں ہونا چاہیئے۔ بہت سے مسلمان بنیاد پرست نہیں ہوتے مگر وہ اپنے علم و ہنر کی بنیاد پر مغربی ممالک کی جانب نقل مکانی کے اہل ہوتے ہیں۔ ہنر مند مسلمان افراد کی مغربی ممالک کی جانب نقل مکانی پر پابندی عائد نہیں کی جانی چاہیئے۔ تاہم پناہ گزینوں کی آمد و رفت پر گہری نظر رکھی جانی چاہیئے کیونکہ ہم اس بات سے بالکل بھی واقف نہیں ہیں کہ کتنی بڑی تعداد میں بنیاد پرست خود کو پناہ گزیں ظاہر کر سکتے ہیں۔ لہٰذا آئندہ جب بھی کوئی شخص آپ کو اسلاموفوب کہہ کر پکارے تو آپ یہ کہہ کر اسے چپ کروا سکتے ہیں کہ "یہ مذہب ہم جنس پرستوں، مرتدوں اور خواتین کے خلاف تشدد کی تعلیم دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ زیر تنقید لایا جاتا ہے۔ اس چیز نے مجھے اسلام سے خوفزدہ کر دیا ہے مگر اسلاموفوب نہیں بنایا۔ البتہ میں مسلمانوں سے خوفزدہ نہیں ہوں کیونکہ مجھے لاپرواہ مسلمانوں کے اپنے ملک میں داخلے سے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"

جب مسلمان مغربی ممالک میں داخل ہوتے ہیں تو وہ دیکھتے ہیں کہ یہاں ہم جنس پرست ہونا، خواتین کو برابری کی بنیاد پر حقوق کی فراہمی اور مذہبی آزادی معمول کی باتیں ہیں۔ لہٰذا ہمیں ان افراد کی پہلے نہ سنائی دینے والی آوازیں بھی سنائی دینے لگتی ہیں۔ جب یہ افراد (ہم جنس پرست، مرتدین اور خواتین) بولنا شروع کرتے ہیں تو انکا مغربی ممالک میں موجود اسلامی اداروں کے ساتھ ٹکراؤ شروع ہو جاتا ہے۔ چند افراد جنھیں ہم اجتماعیت پسند طبقے کے نمائندہ افراد خیال کرتے ہیں، جیسا کہ سیم ہیرس یا ڈوگلس مرے، مسلمان اقلیتوں کے درمیان سے اٹھ کر آواز بلند کرنے والی ان اقلیتوں کے حق میں اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، لیکن یہ صرف اجتماعیت پسند طبقے کے انتہا پسندوں کے ہاتھوں رد ہوتے ہیں اور ان پر نسل پرست اور اسلاموفوب ہونے کا سرنامہ چسپاں کیا جاتا ہے۔ کوئی بھی شخص جس نے ڈوگلس مرے اور سیم ہیرس کے بیانات سنے ہیں وہ واضح طور پر دیکھ سکتا ہے کہ یہ دونوں افراد نسل پرست نہیں ہیں۔ یہ محض آواز بلند کرنے والی اقلیتوں کی مدد کی خاطر مسلمانوں سے متعلق تصدیق شدہ اعداد و شمار پر بھروسہ کر رہے ہیں۔ البتہ اجتماعیت پسند طبقے کے انتہا پسند ان پر تنقید جاری رکھتے ہیں۔ میں بھی (مسلمان) اقلیت کے اندر سے جنم لینے والی اقلیت سے تعلق رکھتا ہوں۔ میں ایک مرتد ہوں۔ میں جسمانی تشدد کے خوف سے گرد و نواح کے ان علاقوں میں نہیں جا سکتا جہاں مسلمان بڑی تعداد میں مقیم ہیں۔ آسٹریلیا کے بالکل اپنے "امام امن" امام توحیدی، جو کہ بنیاد پرست اسلام کے ایک کھلے نقاد ہیں اور جو کہ اسلام کو جدید رنگ دینے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ اُن پر سرعام تھوکا گیا اور چینل ۷ کی

نیوز ٹیم کے سامنے سڈنی کے نواحی علاقے میں انکی بے عزتی کی گئی۔ یہ ایک امام ہیں جو کہ اب بھی کم از کم مسلمان تو ہیں۔ کیا آپ تصور کر سکتے ہیں کہ اس شخص کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے گا جو کہ ایک سابق مسلمان ہو اور کھلے عام اپنے مرتد ہونے کا اقرار کرتا ہو؟ اجتماعیت پسند لوگوں کی حمایت کے باوجود جب ہم اسلام پر تنقید کرتے ہیں، تو ہمیں اسلاموفوب قرار دے دیا جاتا ہے یا پھر اجتماعیت پسند طبقے کے انتہا پسندوں کی جانب سے ہم پر متعصب ہونے کے الزمات عائد کئے جاتے ہیں۔ اگر آپ کے پاس ایک ایسی اقلیت ہے جو کہ ایک خود سے بھی چھوٹی اقلیت کے خلاف جان بوجھ کر تعصب برت رہی ہے، تو اجتماعیت پسندوں کو کس کی حمایت کرنی چاہئیے؟ بین ایفلک اس قسم کی جہالت کی ایک واضح مثال ہے۔ جب سیم ہیرس نے مسلمان معاشروں میں موجود ہم جنس پرستوں سے نفرت اور زن بیزاری کی نشاندھی کی تو مسلمان دنیا کے ہم جنس پرستوں کی حمایت کرنے کے بجائے، بین ایفلک نے سیم ہیرس کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے انھیں اسلاموفوب قرار دے دیا۔ حتیٰ کے اس نے دلیل کا مقابلہ کرنے کی بھی کوشش نہیں کی۔ وہ محض دشنام طرازی پر اتر آیا۔

جب کافروں کا معاملہ آتا ہے تو یہی اجتماعیت پسند طبقے کے انتہا پسند ہم جنس پرستوں یا ان افراد کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں جو کہ مذہبی جبر و تشدد یا نسل پرستی وغیرہ کا نشانہ بن رہے ہوتے ہیں۔ جب یہ آوازیں مسلمان کمیونٹی کی جانب سے بلند ہو رہی ہوتی ہیں تو یہ حمایت سے دستبردار ہو جاتے ہیں۔ اجتماعیت پسند واضح طور پر اپنے راستے سے بھٹک چکے ہیں۔ ماجد نواز اقلیتوں سے متعلق ان کے متضاد طور طریقوں کے باعث انھیں اجتماعیت پسند کے رجعت پسند قرار دیتے ہیں۔ اس ناکامی کا سب سے برا نتیجہ مغربی ممالک میں قدامت پسند جماعت کی سیاست کے فروغ کی صورت میں سامنے آیا ہے۔ آج سے دس سال قبل کوئی اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ امریکی قوم ڈونلڈ ٹرمپ جیسے صدر کی حمایت کرے گی۔ ٹرمپ جھوٹ بولتے ہوئے پائے گئے۔ انھوں نے جنگی سورماؤں (سابق فوجیوں) اور اقلیتوں کی بے عزتی کی اور خواتین کے خلاف غیر شائستہ قسم کی بیان بازیاں کیں۔ مگر لوگ اجتماعیت پسندوں کی ناپختہ سیاست سے اس حد تک عاجز آ چکے تھے کہ انھوں نے ٹرمپ جیسے شخص کے ہاتھوں میں عہدہ صدارت تھما دیا۔

ٹرمپ قدامت پسند جماعت کی سیاست کے فروغ کی واحد مثال نہیں ہیں۔ آسٹریلیا میں پاؤلین ہینسن، ہالینڈ میں گریٹ ولڈرز، جرمنی میں آلٹرنیٹ فار جرمنی (ایک ایسی جماعت جو کہ صرف ۵ سال پرانی ہے)، سوئیڈن میں داسوئیڈن ڈیموکریٹس وغیرہ۔ فرانس کے بعد جرمنی اور سوئیڈن وہ ممالک ہیں جو کہ مسلمانوں کی آمد کی وجہ سے سب سے زیادہ متاثر ہوئے ہیں۔ لہٰذا یہاں رائے دہندگان کے رویے میں بھی اچانک ہی تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ یہ چیز مجھے چکرا کر رکھ دیتی ہے کہ آخر کیوں فرانسیسی اس نہ ٹلنے والے عذاب کی وجہ سے نہیں جاگ رہے ہے؟ برطانیہ میں بھی قدامت پسندوں کی قوم پرست جماعتوں جیسا کہ بریٹین فرسٹ وغیرہ کی مقبولیت میں اضافے کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ اگرچہ یہ ابھی صورت حال پر اثر انداز نہیں ہو رہیں۔ البتہ مجھے بالکل بھی حیرت نہیں ہو گی اگر یہ آئندہ چند سالوں میں ایک بہت بڑی قوت کے طور پر سامنے آئیں۔

ظاہر ہے میں ان سیاسی جماعتوں یا ان کے رہنماؤں کا حامی ہرگز نہیں ہوں۔ جنکا تذکرہ میں نے اوپر کیا ہے قدامت پسندوں کی سیاست کے فروغ کو روکنے کا واحد راستہ یہی ہے کہ اجتماعات پسند بیدار ہو جائیں۔

باب نمبر۹

ایک مسلمان حمایتی سے کس طرح بحث کرنی چاہئیے

کسی مسلمان سے بحث کرتے ہوئے آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اس کے عقیدے کی دفاعی بنیاد تین قسم کے دعووں کے اوپر ہوتی ہے:

ا۔توجیہ سے خالی دعوے (یعنی معجزات)

۲۔دعوے جن کی کوئی وجہ ہوتی ہے، لیکن آپ بحث کرسکتے ہیں کہ آیا

یہ وجوہات صحیح ہیں یا نہیں (یعنی چوروں کے ہاتھ کاٹنا، سر قلم کرنا، وغیرہ)

۳۔وہ دعوے جو مناسب معلوم ہوتے ہیں، البتہ وہ مکمل طور پر قابل تردید ہوتے ہیں جیسے کہ 'خدا کا دعوی'۔

ا۔توجیہ سے خالی دعوے

یہ کمزور ترین دفاع ہے جو مذہبی عذر خواہ استعمال کرتے ہیں، جس پر حملہ کرنا ایک ملحد کے لیے بیحد آسان ہے اور ایک عذر خواہ کے لیے اس کا دفاع کرنا بہت مشکل ہے۔ تمام مذاہب میں تقریباً ایک جیسی معجزاتی کہانیاں موجود ہوتی ہیں۔ جیسے محمد کا اڑنے والے گھوڑے پر بیٹھ کر معراج پر جانا یا عیسیٰ کا حشر میں دوبارہ زندہ ہونا۔ ہم جانتے ہیں کہ طبیعیات کے قوانین کے مطابق یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ گھوڑے اپنی جسمانی ساخت کی وجہ سے نہ اڑتے ہیں اور نہ ہی اڑ سکتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ مرنے کے بعد آپ دوبارہ زندہ نہیں ہوسکتے۔ یہ آپ کے پاس ایک ملحد تقرر کی حیثیت سے ایک غیر معقول معتقد کے خلاف اب تک کا ایک بہترین ہتھیار ہے۔ زیادہ تر انسان معقول ہوتے ہیں، لیکن جہاں مذہب کی بات آتی ہے وہاں لوگ اس معقولیت کو پس پشت ڈالنے کا کوئی نا کوئی راستہ نکال لیتے ہیں۔ جیسے کہ اگر ایک معتقد انسان کے گھر میں نمک ختم ہو جائے تو وہ یہ توقع نہیں کرتے کہ کسی جادوئی طریقے سے ہوا میں سے نمک آ جائے گا جس سے وہ کھانا بنالیں گے، لیکن جب محمد کے اڑنے والے گھوڑے کی بات آتی ہے تو یہ لوگ کسی نا کسی طرح اپنے دماغوں میں توجیہات کا بٹن بند کر دیتے ہیں۔ اگر ان سے اس بارے میں سوال کیا جائے یا اس جانب ان کی توجہ مرکوز کروائی جائے تو یا تو یہ شدید شرمندگی محسوس کرتے ہیں یا اس موضوع سے بچنا چاہتے ہیں۔ چاہے کچھ بھی ہو آپ اُس شخص کو تبدیل نہیں کرسکتے جس سے آپ بحث کر رہے ہوں گے تاہم، جو لوگ آپ کی بحث سن رہے ہوں گے، ہو سکتا ہے کہ وہ ان غیر معقول دعووں کے خلاف سوچنا شروع کر دیں۔

جب آپ مذہب کی ان افسانوی اور نامعقول کہانیوں میں یقین کرنا بند کر دیتے ہیں تو الحاد اور عقلیت پسندی کی طرف آپ کا ایک سنو بال اثر جیسا سفر شروع ہو جاتا ہے۔

۲۔ تھوڑی توجیہ والے دعوے

کبھی کبھار مذہبی عذر خواہ اپنے دلائل میں توجیہات بھی پیش کرتے ہیں، لیکن ہم ان پر بحث کر سکتے ہیں۔ یہ تھوڑا مشکل ہے اور یہ کس طرف جائے گا، یہ موضوع سے متعلق آپ کے علم پر منحصر ہے۔ مثال کے طور پر چوری کے جرم میں چوروں کے ہاتھ کاٹ دینا مسلمانوں کا پسندیدہ جواز ہے کیونکہ اس سے چوری کا امکان کم ہو جاتا ہے۔ آخر کار ہم سب اپنے معاشرے میں جرائم کو کم کرنا چاہتے ہیں، ہے ناں؟ یا وہ زانیوں کو سنگسار کرنے کا جواز پیش کرتے ہیں کیوں کہ اس سے شادی شدہ لوگوں میں بے وفائی کم ہو جاتی ہے۔ آخر کار ہم سب کو جنسی تعلقات کے لیے ایک خصوصی ساتھی چاہئیے ہوتا ہے، ہے ناں؟

مسلمان عذر خواہ سے پر بحث کرتے وقت جتنی مایوسی محسوس ہوتی ہے، اتنا ہی آسان ان ہی کی بنائی ہوئی تکنیکوں میں ان کا گھیرا تنگ کرنا ہوتا ہے۔ درج ذیل میں وہ تمام تکنیکیں مثالوں کے ساتھ تفصیل سے موجود ہیں۔

لاعلم، غلط فہمی کا شکار ثابت کرنے یا بھاگ جانے والی تکنیک

جب ہم اخلاقیات کے موضوعات پر مسلمان عذر خواہ سے بحث کرتے ہیں، جیسے کہ تشدد، زن بیزاری یا ہم جنس پرستوں کے ساتھ سلوک وغیرہ۔ تو مسلمان ایک عام سی تکنیک استعمال کرتے ہیں جسے میں وہ سامنے والے کو لاعلم یا غلط فہمی کا شکار ثابت کرتے ہیں یا جب سب کچھ ناکام ہو جاتا ہے تو وہ وہ بچ جاتے ہیں۔

ان تکنیکوں کی بنیادوں کو دیکھنا اور یہ سمجھنا کہ ان کی جوابی دلیل کیسے دینی چاہئیے، آپ کو بحث جیتنے میں مدد کر سکتا ہے۔ بحث کے دوران سب سے حیران کن بات آپ کو یہ لگے گی کہ جو دلائل یہ پیش کرتے ہیں وہ صدیوں پرانے ہیں اور صدیوں سے ان کا مقابلہ کیا جاتا آ رہا ہے، اور جب آپ ان کی تھوڑی سی تفصیل میں جاتے ہیں تو آپ کو پتہ چلتا ہے کہ یہ شدید تکراری، غلط اور صوابدیدہ ہیں۔

جب آپ کسی مسلمان عذر خواہ سے بحث کریں گے تو آپ کو پتہ چلے گا کہ وہ ان مندرجہ ذیل تکنیکوں کا استعمال کرتے ہیں:

ا۔ وہ آپ پر الزام لگاتے ہیں کہ آپ کو اسلام یا قرآن کا علم ہی نہیں ہے۔ آپ نے ان کو صحیح سے پڑھا ہی نہیں ہے۔

۲۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ آپ اس بات کے سیاق وسباق کو غلط سمجھ رہے ہیں یا اس کے سیاق وسباق سے ہٹ کر بات کر رہے ہیں۔

۳۔ جب پہلے دو دعوے ناکام ہو جاتے ہیں، تو پھر یہ لوگ بھاگنے یا بچنے کا کوئی راستہ ڈھونڈتے ہیں۔ جیسے کہ آپ کو اصل نقطے سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں یا عنوان بدلنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہ حیرت انگیز بات ہے کہ یہ لوگ زیادہ تر تیسرا طریقہ استعمال کرتے ہیں کیونکہ یہ ان کے اپنے عقیدے کے خلاف ہوتا ہے۔ تیسرے مرحلے پر ان سے جیتنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ آپ انہیں یہ ثابت کر دیں ان کی بیان کردہ نظریے میں تضاد ہے، جس پر میں آگے بحث کروں گا۔

آئیں تشدد سے متعلق ایک مخصوص آیت کا انتخاب کر کے ان نکات سے ایک ایک کر کے نمٹتے ہیں۔ اگر آپ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن تشدد کی حمایت کرتا ہے تو آپ پر فوراً یہ الزام لگا دیا جائے گا کہ آپ نے قرآن پڑھا ہی نہیں ہے یا صحیح سے نہیں پڑھا ہوا۔ یعنی آپ اس مضمون سے لاعلم ہیں۔ اگلا قدم آپ یہ اٹھائیں کے بجائے صرف یہ کہنے کہ، کہ میں نے قرآن پڑھا ہوا ہے اور میں اس کے بارے میں کافی علم رکھتا ہو، آپ کو مثالوں کے ساتھ اپنی بات ثابت کریں۔ جیسے کہ پہلے ذکر کیا گیا تھا کہ مندرجہ ذیل آیت تشدد کی اسلام میں تائید کی بہترین مثال ہے۔

ان لوگوں سے لڑو، جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے جو اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ شے کو حرام نہیں جانتے، نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں ان لوگوں میں جنہیں کتاب دی گئی ہے، یہاں تک کہ وہ ذلیل وخوار ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔ (۹:۲۹)

پھر آپ کو یہ بتایا جائے گا کہ آپ نے قرآن کو غلط سمجھا ہے اور ممکنہ طور پر یہ بتایا جائے گا کہ زیادہ تر آیات مخصوص شرائط کے تحت آئی تھیں، جیسے کہ یہ آیت اس صورتحال کی ہے، جب مسلمانوں کو لڑنے کے لئے اکسایا جاتا تھا یا جب کافروں پر حملہ کرنا لازمی ہو جاتا تھا۔

ابن کثیر کے تفسیر کے مطابق کافروں کو شکست دینے کے بعد کتاب کے لوگوں سے لڑنے کے لئے یہ اللہ کا حکم تھا۔ اس میں جرم کی واضح ہدایت تھی اور اس میں کوئی دفاع شامل نہیں تھا۔ اس وضاحت کو جانچیں:

ان لوگوں کے خلاف لڑو جو نہ اللہ پر یقین رکھتے ہیں نہ آخرت پر اور نہ ہی ان چیزوں سے باز آتے ہیں، جن کو اللہ اور اس کے رسول نے ممنوع قرار دیا ہے اور اس کے ماننے والوں کے درمیان صحیفے کے ذریعے اتارا ہوا سچا مذہب قبول نہیں کرتے۔ یہ معزز آیت اہل کتاب کے ساتھ لڑنے کا حکم دینے کے لیے نازل کی گئی تھی، کافروں کو شکست دینے کے بعد لوگ بڑی تعداد میں اللہ کے دین میں داخل ہوئے اور مسلمانوں کی حکمرانی میں جزیرۃ العرب کو محفوظ ہو گیا۔ اللہ نے اس کا اپنے پیغمبر کو اہل کتاب یعنی یہودیوں اور عیسائیوں سے لڑنے کا حکم دیا ہجرت کے نویں سال دیا، محمد نے رومیوں سے لڑنے کے لئے اپنی فوج تیار کی اور اپنے ارادے اور منزل کا اعلان کرتے ہوئے لوگوں کو جہاد کے لیے بلایا۔ اللہ کے پیغمبر نے افواج جمع کرنے کے لئے اپنا ارادہ مدینہ اردگرد کے مختلف عرب علاقوں میں بھیجا اور اس نے تیس ہزار لوگوں کی ایک فوج جمع کی۔ کچھ لوگ المدینہ منورہ سے آئے لیکن کچھ آس پاس کے علاقوں کے منافقین پیچھے رہ گئے، کیونکہ وہ سال خشک سالی اور شدید گرمی کا سال تھا۔ اللہ کے رسول رومیوں سے لڑنے کے لئے الشام کی جانب پیدل چلتے رہے جب تک کہ وہ تبوک تک نہ پہنچ گئے۔ جہاں اس کے پانی کے وسائل کے ساتھ انہوں اگلے بیس روز تک خیمے لگا کر قیام کیا۔ اس کے بعد اس نے اللہ سے کسی فیصلے کے لئے دعا کیا اور واپس المدینہ چلا گیا کیونکہ یہ مشکل سال تھا اور لوگ کمزور تھے، جیسا کہ ہم ذکر کرتے ہیں کہ اللہ راضی ہے۔ جب آپ یہ ظاہر کر دیں گے کہ آپ نے قرآن پڑھا ہے اور آپ سیاق وسباق کو لیکر غلط فہمی کا شکار نہیں ہیں، تو پھر آپ کو ایک مختلف متضاد آیت کا ذکر کر کے خدا کے اصل نقطے سے ہٹا دیا جائے گا یا ایک اور نقطہ بنایا جائے گا، جو ان کے ذہنوں میں، آپ کے اصل نقطے کو غلط ثابت کر دے گا۔ مثال کے طور پر اس معاملے میں آپ کو یہ آیت دکھائی جائے گی:

دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں۔۔۔(قرآن ۲:۲۵۶)

اس معاملے میں مسلمان درحقیقت اس نقطہ کو تبدیل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر ہم اس آیت کو اکیلے پڑھیں اور اس کے پیچھے موجود وضاحت کو نظر انداز کر دیں تو آپ اس سے دو معنی نکال سکتے ہیں:

۔غیر مسلموں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہ کریں۔

۔لوگوں کو وہ یقین کرنے دیں جس پر وہ یقین کرنا چاہتے ہیں۔

ہاں اس میں کہا گیا ہے کہ غیر مسلمانوں کو زبردستی مذہب تبدیل کرنے پر مجبور نہ کیا جائے لیکن ان سے لڑنے کے بارے میں کچھ نہیں گیا۔ آپ یہ بھی استخراج کر سکتے ہیں کہ لوگ جس پر بھی یقین کرنا چاہتے ہیں اس پر یقین کرنے کے لیے آزاد ہیں۔

غیر مسلمانوں سے زبردستی اسلام قبول کروانے کی طاقت تب ہوتی ہے جب آپ انہیں جنگ میں شکست دے دیتے ہیں۔ آپ غیر مسلمانوں کی سرزمین کو فتح کر سکتے ہیں لیکن انہیں اسلام قبول کرنے کے لئے مجبور نہیں کر سکتے۔ یہ بمشکل ہی کوئی پُرامن آیت لگتی ہے۔ آپ ان میں سے کسی ایک استخراج کو اپنا سکتے ہیں، لیکن اس میں ایسا کچھ بھی نہیں بتایا گیا کہ آپ کس طرح اُنہیں جس بھی مذہب پر وہ یقین کرنا چاہتے ہیں اُس پر یقین کرنے دینے یا نہ دینے کا انتخاب کریں گے۔ ظاہر ہے آپ یہ انتخاب صرف اُس وقت کر سکتے ہیں جب آپ کو اُن پر مکمل اختیار حاصل ہو۔ تو یہ آیت اُس اصل آیت سے متصادم نہیں ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے، یہ بس جان بوجھ کر لوگوں کو گمراہ کرنے کی ناقص کوشش ہے۔ چاہے ہم اسے اُسی طرح سے سمجھیں جسطرح مسلمان چاہتے ہیں کہ ہم اسے سمجھیں، یعنی غیر مسلمانوں کو بس چھوڑ دو، تو پھر یہ پہلی آیت سے واضح تضاد ہو گا۔

میری نظر میں اس آیت کا واحد مطلب یہ نکلتا ہے کہ غیر مسلمانوں کو فتح کرنے کے بعد ان کے ساتھ اسلام قبول کرنے کے لئے زبردستی نہ کریں (جب تک کہ وہ جزیہ ادا کر رہے ہیں)۔ جب بھی آپ مسلمانوں کے ساتھ "اسلام میں تشدد" کے بارے میں گفتگو کریں یہ ضروری ہے کہ آپ مکہ اور مدینہ کے ابواب کے درمیان فرق کی نشاندہی کریں۔ جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا گیا کہ مکہ کے ابواب صرف صبر اور غیر جسمانی جارحیت کی ترغیب دیتے ہیں، لیکن جب آپ مدینہ کی جانب جاتے ہیں تو جنگجو ذہنیت واضح ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ پہلے آیات کے منسوخ ہونے کے معاملے میں بیان کیا گیا، مدینہ کی آیات بعد میں آئیں، تو مدینہ کی تشدد آیات کو مکہ کی کم تشدد آیات پر فوقیت حاصل ہے۔

اب جیسا کہ ہم نے تشدد کا احاطہ کر لیا ہے، تو آئیں قرآن میں موجود زن بیزاری کا احاطہ کرتے ہیں کیونکہ قرآن میں عورتوں کو ہراساں کرنے کی باتیں مکمل طور پر عیاں ہیں۔ جب آپ کہتے ہیں کہ اسلام زن بیزاری کو فروغ دیتا ہے تو آپ پر الزام عائد کیا جاتا ہے کہ آپ اسلام کے بارے میں ان پڑھ ہیں اور آپ نے قرآن نہیں پڑھا، لہذا آپ اس آیت کا حوالہ دے سکتے ہیں:

مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں، پس نیک فرمانبردار عورتین خاوند کی عدم موجودگی میں بہ حفاظت الٰہی نگہداشت رکھنے والیاں ہیں اور جن عورتوں کی نافرمانی اور بددماغی کا تمہیں خوف ہو انہیں نصیحت کرو اور انہیں الگ بستروں پر چھوڑ دو اور انہیں مار کی سزا دو پھر اگر وہ تابعداری کریں تو ان پر کوئی راستہ تلاش نہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ بڑی بلندی اور بڑائی والا ہے۔ (قرآن ۴:۳۴)

ایک مسلمان عذر خواہ سے بحث کرنے کے لئے یہ غیر مسلمانوں کا ایک بہترین ہتھیار ہے۔ اس آیت میں مسلمان مردوں کو واضح طور پر کہا گیا ہے کہ اپنی بیویوں کو مارنے کے لئے کہا گیا ہے اگر ان کی بیویاں نافرمان ہیں تو وہ بطور "آخری حل" انہیں مار سکتے ہیں۔ جب آپ اس آیت کا حوالہ دیں گے تو آپ کو کہا جائے گا کہ آپ نے سیاق و سباق کو غلط سمجھا ہے۔ جس کے جواب میں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ کوئی سیاق وسباق ایسا نہیں ہے جس میں عورت کو مارنا چاہئیے۔ یہ اُس مسلمان کے ردعمل کو اکسائے گا، جس سے وہ بے چین ہو جائے گا۔ وہ آپ سے ایسے سوالات کریں گے:

• اگر آپ کو پتہ چلا کہ آپ کی اہلیہ کا کسی کے ساتھ کوئی عشق چل رہا ہے؟

• اگر آپ کو پتہ چلا کہ آپ کی بہن شادی سے پہلے کسی کے ساتھ سو رہی ہے؟

اگرچہ مغرب کے مسلمان آپ سے یہ سوالات پوچھنے پر بہت شرمندگی محسوس کریں، ایک مسلمان ملک میں رہنے والا ایک مسلمان عالم آپ سے یہ سوالات پوچھ سکتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ وہ جواب دیں گے جو آپ نے سیاق وسباق کے دعوے کے جواب میں دیا تھا، کہ "کسی بھی صورت میں عورت کو مارنا نہیں چاہئیے!" اس کے علاوہ اگر یہ زنا تھا تو اللہ نے ہمیں پہلے ہی بتا دیا ہے کہ ہمیں کیا کرنا ہے، یعنی (اگر وہ شادی شدہ ہے) تو انہیں سنگسار کرنا ہے یا کوڑے مارنے ہیں۔ (اگر وہ شادی شدہ نہیں ہے) تو یہ مار پیٹ دوسری چھوٹی چھوٹی باتوں جیسے کہ نافرمانی وغیرہ کے لیے ہے۔

آپ کو لگ رہا ہو گا کہ اس بحث کو یہاں ختم ہو جانا چاہئیے، لیکن مسلمان اسلام کے دفاع میں ان کے تیسرے مرحلے کو کبھی جانے نہیں دیتے۔ وہ نیچے دی گئی احادیث کا استعمال کر کے آپ کو اصل مدعے سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں:

ایک شخص نبی کریم کے پاس آیا اور کہا، اے خدا کے رسول! لوگوں میں کون سب سے زیادہ میرے پیار کا حقدار ہے؟ نبی نے فرمایا، آپ کی ماں۔ اس شخص نے کہا، پھر کون؟ پیغمبر نے کہا، پھر تمہاری ماں۔ اس شخص نے مزید پوچھا، پھر کون ہے؟ نبی نے فرمایا، پھر تمہاری ماں۔ آدمی نے
پھر پوچھا، پھر کون؟ پیغمبر نے فرمایا، پھر آپ کا باپ ہے۔ (بخاری اور مسلم)

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ والدہ کی حیثیت والد سے تین گنا زیادہ ہے۔ یہ اصل نقطے کو بدلنے کی دوبارہ ایک بیکار کوشش ہے۔ یہ لوگ کچھ دوسری احادیث یا قرآن کی آیات کا استعمال کر کے بھی یہ

دعویٰ کرسکتے ہیں کہ خواتین کو اسلام میں کچھ ایسے خصوصی حقوق دیے گئے ہیں جو عیسائیت یا یہودیت میں بھی خواتین کو نہیں دیئے گئے ہیں۔ یہ لوگ کہیں گے کہ "اگر اسلام مسلمانوں کے لیے اتنا برا ہے تو پھر ہمارے پیارے نبی نے خواتین کو اتنی اہمیت کیسے دی؟

سب سے پہلی بات یہ کہ ماں کو زیادہ سے زیادہ حقوق دینے کا بیوی کو مارنے کی اجازت دینے والی بات کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ دوسرا اگر ہم اس دعوے کی پاسداری بھی کریں کہ اسلام خواتین کو عیسائیت یا یہودیت سے زیادہ حقوق دیتا ہے تب بھی یہ کوئی بہت بڑی بات نہیں ہے کیونکہ آج کل کے جدید معاشرے میں خواتین کو ان مذاہب سے کہیں زیادہ حقوق خواتین دیے گئے ہیں۔ اگر محض ایک فانی انسان ایک ایسا معاشرہ بنا سکتا ہے جہاں خواتین کو اسلام یا عیسائیت سے زیادہ حقوق دیے جاتے ہیں تو اللہ ایسا جو کہ ہر چیز کا خالق ہے وہ ایسا کیوں نہیں کر سکا؟

۳۔ناقابل تصدیق دعوے

اب چونکہ ہم توجیہات اور بلاتوجیہات والے دعووں کا ذکر کر چکے ہیں تو اب ہمارے پاس صرف "ناقابلِ تصدیق دعوے" موجود ہیں۔ ناقابلِ تصدیق دعوے وہ ہیں جن کو کسی بھی حالت میں غلط ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ مثال کے طور پر اگر میں کہوں کہ ہم ایک اعلیٰ درجے کی اجنبی مخلوق کے کمپیوٹر پروگرام میں رہ رہے اور ہمیں اس تمام یاداشت کے ساتھ کچھ سیکنڈوں پہلے اس پروگرامر نے بنایا ہے۔ آپ کوئی بھی جوابی دلیل لے کر آئیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے، آپ کبھی بھی میرے اصل دعوے کو غلط ثابت نہیں کر سکتے۔ میں کوئی واحد شخص نہیں ہوں جو یہ کہہ رہا ہے انٹرنیٹ پر ایسی مختلف ویڈیوز دستیاب ہیں جن میں آپ دیکھ سکتے ہیں کہ کس طرح لوگ اس بات کو جھوٹ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن اس کو کبھی غلط ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

دوسری جانب سائنس میں صرف اُنہی نظریات کا احترام کیا جاتا ہے جنہیں غلط قرار دیا جاسکتا ہو۔ مثال کے طور پر ایک بھی فوسیل کے ارضیاتی ٹائم لائن کے حساب سے کسی غلط جگہ پر پائے جانے سے نظریہ
ارتقاء کو بڑی آسانی سے غلط قرار دیا جاسکتا ہے۔ اگر آپ کو ایک بندر کا فوسیل ڈائناسور کے دور مل جائے
تو آپ اس نظریے کو منتشر کر سکتے ہیں، اور یہ ارتقاء کے دعوے کو غلط ثابت کر دے گا۔ تاہم اب تک کوئی بھی ایسا نہیں کر پایا۔ ہم مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ چاہے ہم ڈائناسور کو دیکھیں، رینگنے والے جانوروں کو یا پستان دار جانوروں کو ان سب نوعوں میں آہستہ آہستہ تبدیلی ہوتی ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ یہ تبدیلیاں اتنی بڑی ہو جاتی ہیں کہ ہمیں ایک نئی نسل مل جاتی ہے۔ اگر ہم بن مانس یا کسی دوسرے عظیم بندر - جیسا فوسیل پیلیجین کے دور میں - یعنی کوئی تقریباً تین کروڑ سال پہلے - تلاش کر لیں، تو نظریہ ارتقاء تباہ ہو جائے گا۔ لیکن اس کے بجائے ہمیں بندروں کے بن مانس بننے اور پھر انسان بننے میں بتدریج تبدیلی دیکھنے کو ملتی ہے۔ خدا کا دعوی ایک ناقابل تصدیق دعویٰ ہے کیونکہ اس کی تصدیق کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے۔ بدقسمتی سے صرف یہ کہنا کہ یہ ایک ناقابل تصدیق بات ہے اس لئے ایک جائز دعویٰ نہیں کہلاتا کیونکہ خدا کے ماننے والوں کو چپ کروانے کے لیے یہ کافی نہیں ہے۔ آئیں وہ تکنیکیں دیکھتے ہیں جو مذہبی لوگ خدا کے دفاع میں استعمال کرتے ہیں۔

خدا کے پُراسرار ہونے، صرف خدا کو علم ہونے اور منطق استعمال نہ کر

پانے والی تکنیک

جب آپ کسی سے مذہب کا مقصد پوچھتے ہیں تو آپ کو بتایا جاتا ہے کہ یہ ایک آزمائش ہے اور خدا کا مقصد یہ ہے کہ آپ کامیاب ہو جائیں۔ جب آپ اس دعوے پر بنیادی دلائل کے ساتھ سوال کرتے ہیں، تو آپ کا سامنا مندرجہ ذیل تکنیک سے ہوتا ہے:

• خدا پراسرار طریقے سے کام کرتا ہے۔

• صرف خدا اس کا جواب جانتا ہے۔

• آپ اس کا جواب تلاش کرنے کے لئے منطق کا استعمال نہیں کرسکتے کیونکہ خدا انسانی عقل سے بہت اوپر ہے۔

زندگی ایک آزمائش ہے والی بات انسانی عقل کے بالکل خلاف ہے کیونکہ یہ صرف خدا کی نفسیاتی فطرت کو ظاہر ہوتی ہے۔ جب بھی ہم اس پر سوال کرتے ہیں تو ہمیں استاد اور طالب علم کے تمثیلی استدلال کا ایک بیکار سا خاکہ سنایا جاتا ہے، جو کہ کچھ اس طرح ہے:

جیسے کہ ایک استاد آپ کو آپ کو حقیقی دنیا کے لئے تیار کرنے کے لئے آپ کی آزمائش لیتا ہے ویسے ہی اللہ آپ کو اگلی دنیا کے لیے تیار کرنے کے لئے اس دنیا میں آپ کی آزمائش لے رہا ہے۔

آخری میں، میں نے غور کیا، کہ لوگوں کے پاس ایک آزمائش میں کامیاب یا ناکام ہونے کا انتخاب ہے، لیکن ایک افریقی ۲ سالہ بچے کے پاس کیا انتخاب ہے جو وہ بھوک سے مر جاتا ہے؟ اُنہوں نے زندگی کو زندہ رہنے کے لئے بھی انتخاب نہیں کیا تھا۔ خدا صرف اپنے اس ایک قسم کے کائناتی کھیل پروگرام کے لیے جان بوجھ کر زمین پر انسانوں کو پیدا کرتا ہے اور پھر اُنہیں غیر ضروری تکلیفیں اور اذیتیں دیتا ہے، جیسے کہ کچھ بچے بھوک سے مر جاتے ہیں، کچھ لوگوں آندھی، طوفان، زلزلہ اور دیگر قدرتی آفتوں میں مر جاتے ہیں۔ ہم نے کبھی اس آزمائش کا حصہ بننا منتخب نہیں کیا اور خدا کے وجود کا کوئی ثبوت نہیں ہے (اگر خدا کو ان ادنہ سے انسانوں کو آزمانے کا انتاہی شوق ہے، تو اس سے بہتر یہ ہوتا کہ وہ اپنے آپ کو ظاہر کر دیتا)۔

خدا کا دعویٰ تضاد اور منطقی غلطیوں سے بھرا ہوا ہے اور جو انسانی عقل کے معیار پر بالکل بھی پورا نہیں اترتا ہے۔ لہذا ہم سب کو اسے پھینک دینا چاہیئے اور یہ سوچے بغیر ایک بہتر زندگی گزارنی چاہیئے کہ کوئی تصوراتی جج ہمیں آسمان میں اپنے تخت پر بیٹھ کر دیکھ رہا ہے اور ہمارے ہر عمل کا ہر وقت جائزہ لے رہا ہے۔

گول منطق

جب آپ مسلمانوں سے اسلام کی صداقت پر وجودیاتی طور پر بحث کرتے ہیں تو وہ ایک گول منطق استعمال کرتے ہیں۔اس گول توجیہ کی غلطی تب سامنے آتی ہے جب ایک دلیل کا نتیجہ مؤثر طریقے سے بالکل دلیل کی بنیاد جیسا ہی نکلتا ہے۔

آیئے آزاد قوت ارادی والی دلیل کو دیکھتے ہیں۔یہ دلیل کچھ یوں ہے:

اللہ نے آپ کو صحیح اور غلط یا اچھے اور برے میں سے انتخاب کرنے کی آزاد قوت ارادی دی ہے (بنیاد)؛لہذا آپ کے پاس اختیار ہے کہ آپ کو کیا کرنا ہے (نتیجہ)۔

اس کی حمایت کرنے کے لئے وہ آپ کو اس طرح کی آیت دیں گے:

عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق عالم میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کی اپنی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کہ حق یہی ہے، کیا آپ کے رب کا ہر چیز سے واقف و آگاہ ہونا کافی نہیں۔

(قرآن ۴۱:۵۳)

آزاد قوت ارادی کے اس دعوے کو ختم کرنے کے لئے آپ یہ والی آیت کا حوالہ دے سکتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر کر دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔(قرآن ۲:۷)

پہلی آیت میں کہا جا رہا ہے کہ اللہ انہیں (کافروں) کو اپنی نشانیاں دکھاتا رہے گا جب تک کہ وہ یقین کرنا شروع نہ کر دیں۔

دوسری آیت میں اللہ کہہ رہا ہے کہ ان ملحدوں کو کتنے بھی 'ثبوت' دیے جائیں، یہ کبھی خدا پر ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ اللہ نے ان کافروں کے دلوں پر کفر کی مہر لگائی ہوئی ہے جس نے ان کے کانوں کو بند اور آنکھوں کو اندھا کر دیا ہوا ہے۔سوال یہ ہے کہ اگر خدا نے پہلے ہی مجھے حقیقت سے اندھا کر دیا ہے اور میرے دل پر کفر کی مہر لگائی ہوئی ہے تو پھر میں اُن "علامات" کو کیسے دیکھ سکتا ہوں؟ یہ شدید تضاد مجھے سر فلپ سڈنی کی نظم "مصطفیٰ" کا ایک اقتباس یاد دلاتا ہے:

"بیمار پیدا کیے گئے ہیں، لیکن حکم صحت مند رہنے کا ہے۔"

دوسری آیت "خدا نے آپ کو آزاد قوت ارادی عطا کی ہے" والی دلیل سے متصادم ہے، کیونکہ اگر خدا نے پہلے ہی مجھے جان بوجھ کر کافر بنایا ہے تو وہ مجھ سے خود پر یقین کرنے کی توقع کیسے کر سکتا ہے؟ کوئی بھی ذی شعور انسان یہاں قبول کرے گا کہ یہ بات واقعی اختلاف تضاد ہے، لیکن مسلمان پھر بھی اس آیت کو صحیح ثابت کرنے کا کوئی راستہ تلاش کرتے رہیں گے کیونکہ وہ خود اس کی پیروی کرنا چاہتے ہیں۔یہ اس گول توجیہ کا اختتامی سرا ہے۔

۴۱:۵۳ کے مطابق، اللہ نے آپ کو آزاد قوتِ ارادی دی ہے۔

۲:۷ کے مطابق اللہ نے میرے دل پر مہر لگا کر میری آزاد قوت ارادی روک دی ہے۔

میرے دل پر مہر لگی ہوئی ہے تو میں خدا پر یقین کیسے کروں گا؟

لیکن اگر تم خدا پر یقین کرو، تو تم یہ مہر ہٹا سکتے ہو۔

اس بارے میں کیا خیال ہے والی تکنیک

یہ ایک اور تکنیک ہے جو نہ صرف مذہبی عذر خواہ بلکہ ایسے لوگ بھی استعمال کرتے ہیں جن کے پاس اپنے دعوے کی تائید کے لئے ٹھوس مواد ختم ہو جاتا ہے۔ اگر آپ قرآن میں تشدد کا تذکرہ کریں تو مسلمان عذر خواہ فوراً کہیں گے کہ "قدیم عہد ناموں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ وہ بھی تشدد کی حمایت کرتے تھے!" یہی بات زن بیزاری، ہم جنس پرستوں سے خوف اور مرتدین کے ساتھ سلوک وغیرہ کے لئے بھی کہی جاسکتی ہے کہ "ان کے بارے میں کیا خیال ہے؟" یہ ایک انتہائی فضول تکنیک ہے اور آپ اس کا مقابلہ اس پرانے زمانے کے سنہری اصول کا حوالہ دی کر کر سکتے ہیں کہ: دو غلط مل کر ایک صحیح نہیں بن جاتے۔

ذاتی عقائد مقدس ہوتے ہیں

جب مذہبی عذر خواہ اپنے نظریات کا فلسفیانہ دفاع نہیں کر پاتے تو وہ "جارحانہ "کارڈ کھیلتے ہیں۔ یعنی "آپ میرے ذاتی عقائد پر سوال نہیں کر سکتے اور ان پر سوال کرنا انتہائی ناگوار ہے۔" میں ہمیشہ کہتا ہوں کہ مضحکہ خیز خیالات طنز کے مستحق ہوتے ہیں۔ بے ضرر، غیر معقول عقائد دوسر نقصان دہ، غیر معقول عقائد کو جنم دیتے ہیں، جیسے کہ پہلے میں نے اپنی مرحوم کیتھولک ساس کے معاملے میں ذکر کیا تھا۔ اگر کیتھولک سیاستدان اس بات پر یقین نہیں رکھتے کہ زندگی بہت مقدس ہے اور آپ کو اسے اپنی شرائط پر ختم کرنے کے قابل نہیں ہونا چاہئیے، تو میری ساس کو اپنی زندگی کے آخری چند مہینوں میں اتنی تکلیف نہیں برداشت کرنی پڑتی۔ ایک مشہور پاکستانی ماہر طبیعیات (اور غالباً ایک ملحد) پروفیسر ہودبھائی نے اپنے انٹرویو میں کہا کہ پاکستان کی لاہور یونیورسٹی آف ماڈرن سائنس کے شعبہ حیاتیات کے سربراہ (اس نے اُن کا نام نہیں لیا) کا ماننا ہے کہ روزانہ سورہ رحمٰن کی تلاوت آپ کو کینسر سے پاک رکھتی ہے۔ یہ ایک سنجیدہ علمی شخص ہے جو ایک توہم پرست عقیدے کا حامل ہے کہ جو لوگ کینسر میں مبتلا ہو جاتے ہیں وہ اُس کے مستحق ہیں کیونکہ وہ قرآن کی تلاوت کافی نہیں کرتے ہیں۔ کاش پروفیسر ہودبھائی نے اس کا نام لیا ہوتا تاکہ ہم کھلے عام اس کی تضحیک کر سکتے۔ لوگوں کے مضحکہ خیز عقائد کی تضحیک کرنا عوام میں ان عقائد کو بدلنے کا ایک کا راستہ ہے، جیسے کہ محمد کے اڑتے ہوئے گھوڑے کے خیال کو تنقید اور طنز کرنا چاہیے جتنا بھی ناگوار

اور عدم برداشت لگتا ہو لیکن ایسا کرنے سے اسلام کی باڑ میں بیٹھا ہوا مسلمان اس پر سوال اٹھانا شروع کرے گا۔ ایک مشہور مسلمان ٹی وی کی شخصیت مہدی حسن سے رچرڈ ڈاکنز نے پوچھا کہ کیا وہ محمد کے اڑتے ہوئے گھوڑے میں یقین رکھتے ہیں؟ اُنہوں نے کہا ہاں۔ جب انہوں نے یہ الفاظ کہے تو اُن کی ساری ذہانت اور عقل غائب نظر آئی، اور میں (جو ایک زمانے میں یہ سوچا کرتا تھا کہ یہ آدمی بہت ذہین ہے) نے اس کے بعد اُنہیں سنجیدگی سے لینا چھوڑ دیا۔ یہ صاف ظاہر تھا کہ مہدی حسن اس کو تسلیم کرنے میں شرمندہ تھے اور اُن کے پاس اپنے منصب کا جواز پیش کرنے کا کوئی طریقہ نہیں تھا، وہ اس کی تردید نہیں کر سکتا تھے کیونکہ یہ ایک اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ایک ہے۔

ایک آزاد معاشرے میں آزادانہ طور پر اظہار رائے کرنے کی اجازت سے بڑھ کر مقدس اور کچھ نہیں ہوتا ہے۔ مذہبی عذر خواہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آزادی اظہار رائے کا مطلب کسی کو ناراض کرنے کی آزادی نہیں ہوتا، جس پر سابقہ مسلمان علی عباس رضوی کا کہنا ہے کہ کسی کو خفا کیے بغیر آزادی اظہار رائے ہو ہی نہیں سکتا۔ جب بھی آپ کچھ ایسا کہنا چاہتے ہیں جو جمود کے خلاف ہو تو اس سے کوئی نا کوئی ضرور ناراض ہوتا ہے۔ بصورت دیگر اگر آپ کوئی ایسی بات کہنا چاہتے ہیں جو معاشرہ پہلے سے ہی قبول کرتا ہے تو آپ کو آزادی اظہار رائے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ کیونکہ آپ وہ کہیں گے اور کوئی آپ کو نہیں روکے گا۔

جب کوئی شخص محمد کے اڑتے ہوئے گھوڑے پر یقین کرتا ہے تو امکان ہے کہ وہ دوسرے غیر منطقی عقائد پر بھی یقین کرتا ہو گا۔ مجھے حیرت نہیں ہو گی اگر کوئی مسلمان میرے پاس آئے اور کہے کہ کل رات وہ ایک بھوت سے ملا تھا اور اُس نے اس کے ساتھ بات چیت کی تھی یا اُسے یہ یقین ہے کہ اس کے پڑوسی نے اس پر جادو کر دیا ہے۔ مجھے حیرت تب ہو گی اگر کوئی ملحد یہ کہے کیونکہ ملحدین کسی غیر منطقی عقائد پر اپنی زندگی بسر نہیں کرتے ہیں۔

عام بہانے

جب ہر چیز ناکام ہو جاتی ہے تو مذہبی عذر خواہ یہ عام بہانے استعمال کرتے ہیں۔ یہ بہت بنیادی ہوتے ہیں اور کم تجربہ کار معتقد ان کا استعمال زیادہ کرتے ہیں:

۔ یہ ترجمہ کا مسئلہ ہے (زمین چپٹی نہیں ہے، زمین گول ہے)۔

۔ پہلے ایسے ہی ہوا کرتا تھا (متعدد خواتین سے شادی کرنا اور جنسی غلام رکھنا)

۔ یہ جاننا ہمارے لئے ضروری نہیں ہے (خدا کو کس نے پیدا کیا؟)۔

۔ یہ ایک استعارہ ہے (جیسے کہ محمد کا دل کا آپریشن کرنا)

اگر آپ عقیدہ رکھیں تو آپ کو سمجھ میں آجائے گا (لاکھوں بچے کیوں ہیں بھوک سے مر جاتے ہیں؟)

حرفِ آخر

بعض اوقات مذہب انسانیت کے لیے بے ضرر اور اچھا لگتا ہے لیکن اس کی زہریلی اور بری نوعیت کو دیکھنے کے لئے آپ کو اس کی سطح کو کھرچنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مذاہب کا دعویٰ ہے کہ اگر ان کی تعلیمات کے عین مطابق عمل کیا جائے تو وہ انسانوں میں اچھائیاں لا سکتے ہیں، جبکہ حقیقت بالکل مختلف ہے۔ اگر ہم محمد کا اسلام اور اس کی زندگی کی ایک عملی نمونے کے طور پر پیروی کریں تو ہم غلام اور جنسی غلام رکھیں گے، کافروں اور سیاسی مخالفین کے خلاف جنگیں کریں گے، خواتین کے ساتھ جنسی اشیاء جیسا سلوک کریں گے، زانیوں اور ہم جنس پرستوں کو مار ڈالیں گے اور غیر معقول دعووں جیسے کہ اڑتے ہوئے گھوڑے وغیرہ پر یقین کریں گے۔

اب وقت آ گیا ہے کہ ہم کافر آواز بلند کریں اور مذاہب کی طرف سے مروج غیر منقولیت، بربریت اور توہم پرستی کے خلاف لڑائی میں متحد ہو جائیں۔ ہمیں متعدد توہین آمیز نام جیسے کہ نسل پرست، اسلاموفوب (اسلام سے ڈرنے والے) اور متعصب وغیرہ دیے جاتے ہیں، لیکن ہمیں ان کی وجہ سے رکنا نہیں چاہیئے کیونکہ جمود کے راستے میں جو بھی کھڑا ہوتا ہے اسے ہمیشہ ایسی مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تشدد کی یہ دھمکی ہمیں روکنے کے لئے کافی نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ یہ لوگ ہم پر جسمانی طور پر حملہ کر سکتے ہیں اور ہم پر جھوٹے لیبل لگا سکتے ہیں۔

دنیا اور خصوصاً مسلمانوں کی دنیا اب پہلے سے کہیں زیادہ تقطیب کر چکی ہے اور ہم مذہبی قدامت پسند اور غیر مذہبی اجتماعیت پسند لوگوں میں واضح فرق دیکھ رہے ہیں۔ پہلے ایران اور اب یمن میں کیے جانے والے مظاہرے اس دعوے کی واضح عکاسی کرتے ہیں۔ میرا اپنا ملکِ پیدائش، پاکستان مزید تقطیب کرتا جا رہا ہے۔ ہمارے پاس متشدد، بلند آواز مذہبی پاگل موجود ہیں جو شرعی قانون کا مطالبہ پہلے سے کہیں زیادہ جارحانہ انداز میں کر رہے ہیں اور ہمارے پاس غیر مذہبی اجتماعیت پسند لوگ بھی موجود ہیں جو ملک کو پہلے سے بھی کہیں زیادہ لادینی بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ پاکستان جمہوریت اور لادینیت کی اقدار کی اسلام کے ساتھ آمیزش کرنے کا یہ دوہرا کھیل کھیلتا آ رہا ہے لیکن اب سوالات کی بوچھاڑ کے باعث پکڑا جاتا ہے۔ جلد یا بدیر ہم دیکھیں گے کہ مذہبی قدامت پسند جماعت اور غیر مذہبی اجتماعیت پسند جماعت کے درمیان یہ شگاف زورِ حرکت ہو جائے گا۔ ہمارے پاس تاریخ میں کبھی بھی شرعی قانون کا مطالبہ کرنے والے اتنے زیادہ لوگ نہیں تھے، لیکن تاریخ میں کبھی لادینیت، انسانیت پسند، اور ملحدین کی آبادی بھی چالیس لاکھ تک نہیں پہنچی تھی۔ آپ کو لگ رہا ہو گا کہ ۱۹ کروڑ مسلمانوں کے مقابلے میں چالیس لاکھ ایک چھوٹی سی تعداد ہے، لیکن اُن ۱۹ کروڑ میں سے زیادہ تر مسلمان اسلام کو جانتے ہی نہیں ہیں اور اُنہیں شرعی قانون نہیں چاہیئے۔ مذاہب ناقدین کو چپ کروانے اور ان سے پیچھا چھڑانے کے لئے بہت بہت آگے تک جا چکے ہیں۔ مذاہب پر تنقید کرنے کے لئے یہ ہمیں ہمیشہ سے پُراسرار طریقوں سے قتل اور جلاوطن کرتے آئے ہیں۔ مذاہب اسی طرح سے آج تک بچتے آئے ہیں، لیکن بدقسمتی سے ان کی یہ گرفت اب کمزور ہو رہی ہے، کیونکہ میرے جیسے لوگ ریوڑ میں باہر آ رہے ہیں۔

ہمیں ان کے معیار تک گرنا نہیں ہے۔ یہ ہمیں ہزاروں سالوں سے قتل کرتے آئے ہیں-- لیکن ہمیں تشدد کے ذریعے اپنے خیالات ان مذہبی پُرجوش لوگوں سے نہیں منوانے ہیں۔ البتہ مذہبی لوگوں کو تعلیم دینے کے لئے ہمیں لازمی آواز اٹھانی چاہیئے۔ ان کے پاس بندوقیں ہیں، ہمارے پاس الفاظ ہیں۔ الفاظ جو کل ایک بہتر دنیا کی تخلیق

میں مدد کر سکتے ہیں، الفاظ جو دنیا بھر میں لوگوں کی غیر ضروری اذیتیں اور تکالیف ختم کر دیں گے۔ زیادہ تر مسلمان اصلی اسلام کو جانتے ہی نہیں ہیں، یہی حال عیسائیوں اور دیگر مذاہب کے ماننے والوں کا بھی ہے۔ تعلیم اور جوابی دلائل ہی مذہب نامی اس نفسیاتی بیماری کو ختم کرنے کا واحد طریقہ ہیں۔ مغرب میں رہنے والے میرے سابقہ مسلمان ساتھیوں، آپ کے اوپر جابرانہ مسلمان معاشروں میں رہنے والے سابقہ مسلمان ساتھیوں کے لیے لڑنے کی ایک بہت بڑی زمہ داری ہے۔ وہ ایک آزاد معاشرے میں آزادی سے جینے کے خواہشمند ہیں، وہ آزادی جو ہمیں ملی ہوئی ہے جس کی ہم قدر نہیں کرتے۔ شاید ہم اس مبہم صوفیانہ خدا کو کبھی بھی غلط ثابت نہ کر سکیں، البتہ ہم نے بغیر کسی شک وشبہات کے تمام معروف مذاہب کے خداؤں کو غلط ثابت کر دیا ہے۔ اُن خداؤں کے نظریات زن بیزار، نسل پرست اور فسطائیت سے بھرپور تھے، جن کی مخالفت کوئی بھی صحیح العقل انسان کرتا۔ ہمیں اپنے بھائیوں اور بہنوں کو ہدایت دے کر ان جہالت کے اندھیروں سے باہر لانے اور اُنہیں یہ دکھانے کی ضرورت ہے کہ مذہب کے بغیر بھی اس دنیا میں کتنی خوبصورتی اور اخلاقیات لائی جا سکتی ہے۔

کیا آپ ہماری مدد کریں گے؟

آپ کس طرح ہماری مدد کر سکتے ہیں؟

مندرجہ ذیل سوشل میڈیا پلیٹ فارموں پر میرے ساتھ بحث میں شامل ہوں:

Patreon: https://www.patreon.com/exMuslim

Twitter: @XMuslimAtheist

Facebook: http://www.facebook.com/exmuslimatheist666

YouTube: http://videos.exmuslimatheist.com